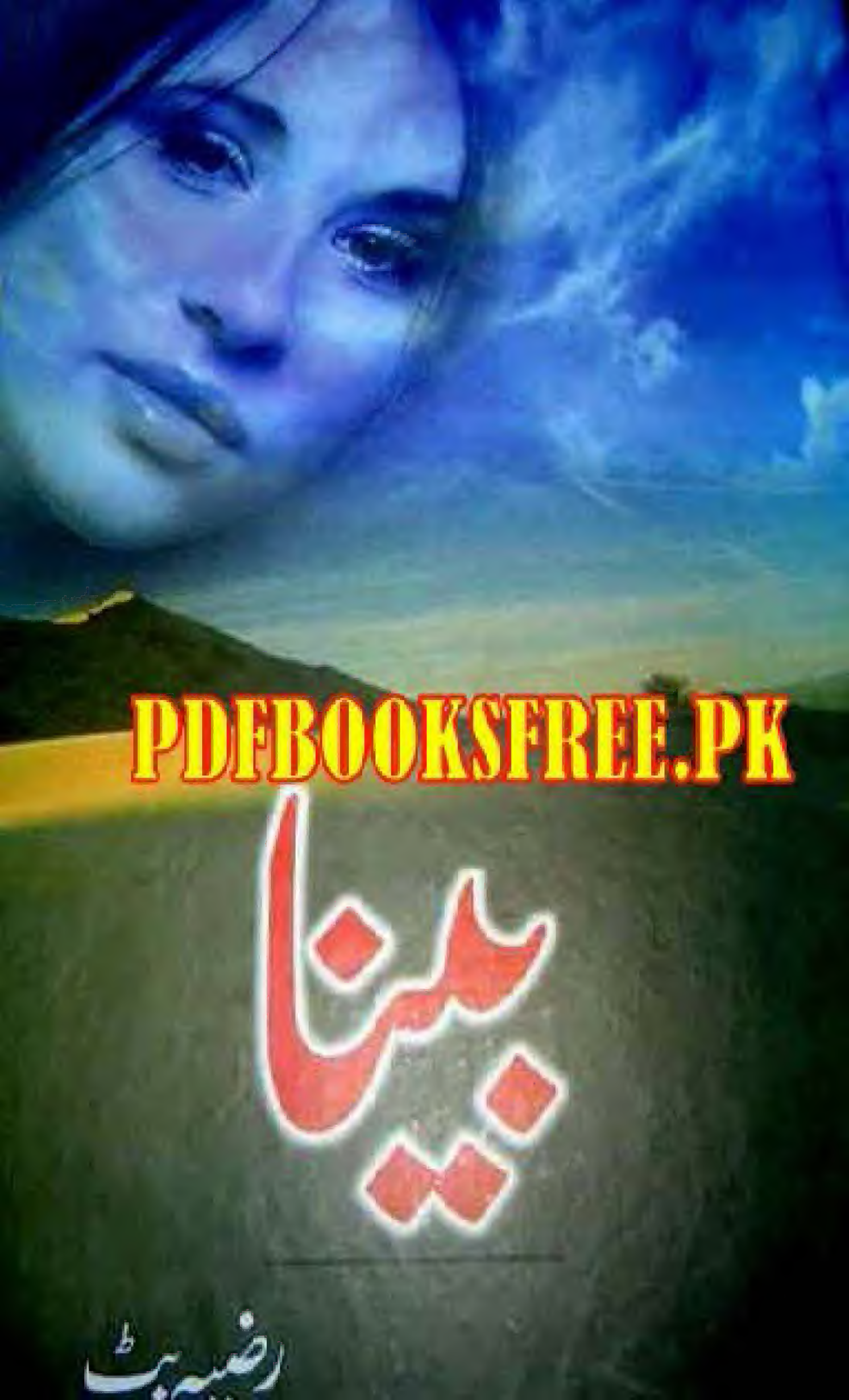

PDFBOOKSFREE.PK

بینا

رضیہ بٹ

891.4393 Khalid Iqbal
Bunnee Khalid Iqbal.- Lahore :
Sang-e-Meel Publications, 2006.
312p.
1. Urdu Literature - Novel.
I. Title.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور سے تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس حق کی کوئی بھی صورتحال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے

2006

نیاز احمد نے

سنگ میل پبلی کیشنز لاہور

سے شائع کی۔

کمرے میں روشنی کا غبار پھیلا تھا..... کھڑکیوں کے پیازی ریشمی پردے گرے تھے..... ہیٹر جل رہا تھا..... فضا بڑی معتدل تھی۔

باہر شاید تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ کبھی کبھی کھڑکیوں کے بند کواڑ ہولے سے بج اٹھتے تو یوں لگتا تیز ہوائیں گزرتے گزرتے شوخی سے کواڑوں پر دستک دے جاتی ہیں۔ سوکھے پتے ہواؤں کے ریلے کے ساتھ دور تک گھسٹتے چلے جاتے اور ان کی دھیمی سی کھڑکھڑاہٹ بھی بند کھڑکیوں کی درزوں سے کمرے کی فضا میں رسیلا سا ترنم بکھیرتے چلی جاتی۔

کمرے کی ہر چیز پیازی اور گلابی رنگ کی تھی۔ جواں سی تروتازگی کا احساس ذہن میں رچ بس جاتا..... قالین، پردے، بیڈ کشن سبھی جاندار سی تازگی لیے ہوئے تھے۔

جینی بیڈ کے قریب قالین پر الٹی لیٹی تھی..... اس نے کھلے گلے کا بلاؤز ٹراؤزر پہن رکھا تھا..... دونوں پاؤں اوپر اٹھا کر آپس میں الجھا رکھے تھے۔ اس کی سڈول اور گلابی گلابی پنڈلیاں ٹراؤزر کے نیچے ہو جانے کی وجہ سے نظر آ رہی تھیں۔ خوبصورت گلابی پاؤں قریب پڑے ریکارڈ پلیئر پر بجنے والے کسی انگریزی جوشیلے سے نغمے کے ردھم پر ہل رہے تھے۔ موسیقی کا جوش و خروش نیچی آواز ہونے کے باوجود کمرے میں پھیلا ہوا تھا۔ جینی بڑے انہماک سے سامنے پڑے کاغذوں پر نام لکھ رہی تھی۔ قریب ہی کرسٹل کی پلیٹ میں چلغوزے اور باداموں کی گریاں پڑی تھیں۔ پلیٹ کے کنارے چیونگ چپکی ہوئی تھی۔ وہ گھنٹوں سے جینی اسے چبا رہی تھی..... اب پلیٹ کے کنارے سے لگا دیا تھا اور لکھتے لکھتے قلم رکھ کر اپنی خوبصورت انگلیوں سے چلغوزوں سے شغل کر رہی تھی۔

جینی کی انیسویں سالگرہ قریب تھی۔ اس وقت وہ مہمانوں کی لسٹ تیار کر رہی تھی..... اس کے دوست اور سہیلیاں جنہیں مدعو کرنا تھا' ان کے نام لکھ رہی تھی..... جینی جدید تہذیب کا جیتا جاگتا شاہکار تھی۔ قدرت نے دولت حسن سے بھی بڑی فیاضی سے نوازا تھا۔ سرخ و سپید رنگت' سیاہی مائل بھورے بال جنہیں خوبصورتی سے تراش کر اس کے چہرے کی ساخت اور جاذبیت میں اضافہ کیا گیا تھا..... جدید طرز کا لباس بھی اسے اور حسین بنائے ہوئے تھا..... اس کی آنکھیں بے حد خوبصورت تھیں..... ان آنکھوں کو وہ دوسرا چہرہ کی طرح استعمال کرنے کا فن بھی بخوبی جانتی تھی..... وہ کالج میں پڑھتی تھی لیکن پڑھنے سے زیادہ کالج جانا فیشن کے طور پر اپنایا ہوا تھا..... اپنی ہمجولیوں اور کلاس فیلوز پر رعب حسن اور رعب امارت ڈالنا زیادہ مقصود تھا..... اس کی اپنی گاڑی تھی۔ ممی ڈیڈی کی طرف سے کہیں آنے جانے کی پابندی بھی نہ تھی..... اس لیے اپنے وسیع حلقہ احباب میں وہ مرکزی حیثیت کی حامل تھی۔ کچھ یوں بھی اس کی پرورش اس طریق سے ہوئی تھی۔ لاڈ پیار میں پلی بڑھی تھی..... جو چاہا تھا پایا تھا..... جو سوچا تھا ملا تھا..... طبیعت میں اس وجہ سے چھا جانے کی خاصیت تھی..... دوسروں کو مرعوب کرنا اور اپنی خواہش کو ہر صورت پورا کرنا ہی اس نے سیکھا تھا۔

جینی نے اسی انداز میں لیٹے لیٹے پاؤں ہلاتے ہوئے فہرست پر نظر ڈالی۔ اپنی سہیلیوں' دوستوں اور ممی ڈیڈی کے دوستوں کے بیٹوں بیٹیوں کے نام اس نے لکھوا لیے تھے۔

پن رکھ کر اس نے کاغذ سامنے رکھ لیا۔ چلغوزہ اٹھا کر منہ میں ڈالا' دانتوں سے چھلکا کاٹا' گودا کھایا اور چھلکا پلیٹ میں رکھ دیا۔

اب وہ گھٹنوں کے بل ہو بیٹھی..... بالوں کو سمیٹ کر ربڑ بینڈ لگایا۔ پھر بھی سرکش لٹیں گالوں کو چھونے لگیں..... کھلے گلے کے بلاؤز کے بٹن بند کرتے ہوئے وہ فہرست پر جھک گئی۔

دوبارہ چیک کرنے کے لیے ایک ایک نام پڑھنے اور ساتھ ہی ساتھ تبصرہ بھی کرنے لگی۔

پہلا نام اس نے سارہ کا لکھا تھا۔

"سارہ۔" وہ پن سے نام پر ٹک کرتے ہوئے خود سے بولی۔ "ضرور آئے گی۔"

"رازی اور بھی آئے گا۔"

"سہیل ہوں..... اس کو تو اشارہ چاہیے۔ رحمت ہو اور یہ نہ آئے تو بے
ہے کیوٹ۔"

"سلمیٰ نیلی کاشی..... گانا گائیں گے..... خوب روتی گاتے ہیں۔"

"بھی گٹار بجائے گا۔"

"ہارون..... لیلیٰ رفعتی نوید..... اچھے ڈانسر ہیں ضرور آئیں گے۔"

"رابعہ مشکوک ہے۔"

"رانی کی بھی شاید والی بات ہے۔ باہر جانے والی تھی۔ خیر فون کر کے پتہ کر لوں گی۔"

"شکیلا..... اوں..... نہ ہی آئے تو اچھا ہے۔ ڈر لگتا ہے کمبخت سے۔ جانے کیسی نظروں سے تکتا رہتا ہے۔ بالکل اچھا نہیں لگتا۔"

"سلیمان..... یہ بھی ایک دم بور ہے۔"

"اور یہ سگو..... بہت اچھا ہے۔ خوب لطف آتا ہے اس کی باتوں کا..... ہنسا ہنسا کر پاگل کر دیتا ہے کم بخت کہیں کا۔"

"یہ جاذب اچھا دوست ہے مخلص اور پیارا سا۔"

"اوہ یہ شاید..... بہت برا لگتا ہے۔ آنٹی کا خیال نہ ہو تو نام کاٹ دوں لسٹ سے ابھی۔"

گھٹنوں کے بل جھکے جھکے جینی لسٹ پر لکھے نام پڑھ رہی تھی۔ تبصرہ بھی خود ہی کر رہی تھی۔ کبھی مسکرانے لگتی۔ کبھی منہ بنا لیتی..... اس نے بہت سے چلغوزے بھی کتر ڈالے..... اب چیونگ اٹھا کر پھر منہ میں ڈال لی اور مزے لے لے کر چبانے لگی۔

لسٹ پڑھتے اور کاؤنٹ کرتے وہ اس نام پر آئی تو اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھری۔

اس نے ایک بار نہیں کئی بار یہ نام پڑھا۔

"عنصر..... عنصر رشید۔"

اس کے بھرے بھرے رسیلے ہونٹ آپوں آپ مسکرانے لگے۔ اس نام پر ٹک لگا تو ہو [illegible] "ہو کیا ٹھنگ ہے سنیلٹی سے اس کی۔"

چند لمحے تک کروہ بھی تیز نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر ہولے سے ہنس دیا۔ اس کا ایک ایک انگ مسکرانے لگا۔ آنکھوں میں شوخ چمک ابھر آئی۔ وہ گنگنانے کے ساتھ ساتھ بھی گنگنانے لگی۔

لسٹ اس نے ایک طرف ڈال دی۔ یوں جیسے باقی کام چیک کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی ہو..... اور اب تک وہ اسی کام تک پہنچنے کے لیے لسٹ چیک کر رہی ہو۔

وہ قالین پر چت لیٹ گئی۔ دونوں ہاتھ سر تلے رکھ کر وہ مسکراتی اور گنگناتی نظروں سے چھت کو دیکھنے لگی۔

اس وقت اس کی نگاہوں میں عنصر کا سراپا تھا۔ سحر کی طرح اس کی شخصیت پر چھایا ہوا تھا۔ ستائیس اٹھائیس سالہ عنصر رشید سے اس کی ملاقات ایک سٹور میں ہوئی تھی۔ وہ پاکستان آنے کی طور پر ہوئی تھی..... وہ کچھ ریڈی میڈ کپڑے خرید رہا تھا۔ جینی بھی اپنے لیے کا تنکلس کر رہی تھی۔ اس سٹور میں غیر ملکی سامان بھرا ہوا تھا۔ جینی اپنی ضرورت کی چیزیں اکثر یہاں سے لیا کرتی تھی۔

عنصر اس کے قریب ہی دوسرے کاؤنٹر پر کھڑا تھا..... کوئی زنانہ لباس تھا۔ وہ ٹھیک اچھی طرح سے سمجھ نہ پا رہا تھا کہ ٹھیک ہے یا نہیں..... اس نے ادھر ادھر دیکھا..... مادران ہی جینی پاس ہی کھڑی تھی۔ وہ بڑی شائستگی سے بولا۔ ''دیکھئے مس۔''

جینی مسکرائی اور بولی۔ ''مس جینا آصف۔''

''شکریہ۔'' وہ بھی مسکرایا۔

''فرمائیے۔'' جینی بے تکلفی سے بولی۔ بے حد سمارٹ خوبصورت اور ڈیشنگ ٹیلنٹی والا نوجوان اسے اچھا لگا۔

''یہ کپڑے.....''

''لیڈیز کے ہیں۔''

''جی ہاں..... مجھے اپنی بہن کے لیے لباس خریدنا ہے۔''

''تو انہیں کیوں نہیں لے آئے ساتھ اپنی پسند کا خرید لیتیں۔''

''وہ یہاں نہیں ہیں۔ میں انہیں پریزنٹ بھیجوں گا۔ پلیز آپ پسند کر دیں۔''

''کیا عمر ہے ان کی۔''

''پچیس چھبیس سال۔''

''میرڈ ہیں۔''

''ہاں۔''

''ٹھیک۔''

''شکریہ۔''

جینی لباس دیکھنے لگی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ عنصر سے باتیں بھی کر رہی تھی۔ اس کی بہن کا حلیہ، رنگت قد کاٹھ اس نے معلوم کرنے کے بعد ایک بے حد خوبصورت لباس منتخب کیا۔

''بے حد شکریہ۔'' عنصر نے کہا۔

''میری تو یہ پسند ہے۔ خدا جانے آپ کی بہن کو پسند بھی آئے گا یا نہیں۔''

''ضرور آئے گا۔ آپ کی پسند دوسرے لوگوں کی پسند سے اونچی معلوم ہوتی ہے۔''

''شکریہ۔''

عنصر نے جینی کی پسند کے کپڑے خریدے۔ پھر بہن کی دو سالہ بچی کے لیے فراک بھی اسی کی پسند سے لیا۔ دونوں باتیں کرنے لگے۔ کچھ بے تکلف بھی ہو گئے۔

''آپ یہاں نووارد ہیں شاید۔'' جینی نے مسکرا کر پوچھا۔

''جی ہاں مسافر ہوں۔'' وہ بھی مسکرایا۔

''کس سرائے میں قیام ہے۔'' جینی نے بھی شوخی سے کہا۔

عنصر نے شہر کے بڑے ہوٹل کا نام لیا۔

سٹور سے باہر آنے تک دونوں ایک دوسرے سے پورا پورا تعارف کروا چکے تھے۔ عنصر ملازمت کے سلسلہ میں یہاں آیا تھا۔ ابھی رہائش کی جگہ نہ ملی تھی..... اس لیے ہوٹل میں مقیم تھا۔ خاصے بڑے زمیندار گھرانے کا فرزند تھا۔ نوکری پیسے کے لیے نہیں کر رہا تھا..... وقت گزاری اور سوشل کونٹیکٹس (Contacts) کے لیے کر رہا تھا۔

دونوں اپنی اپنی گاڑیوں تک پہنچنے سے پہلے خاصے دوست بن چکے تھے۔

خدا حافظ کہنے سے پہلے جینی نے کہا۔ ''عنصر کبھی آیئے گا ہمارے ہاں۔ میرے

کی ڈیاری آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔"

"ضرور..... شروع..... میں تو یہاں آ کر خاصی بور ہونے محسوس کر رہا تھا۔ آپ سے مل کر یقیناً بوریت ختم ہو جائے گی۔"

"بالکل بالکل۔"

جینی نے اسے اپنا پتہ دے دیا۔

اور

عنصر دوسری شام ہی ان کے ہاں جا پہنچا..... جینی بڑے تپاک سے ملی اور اسے ممی ڈیڈی، شائستہ اور آصف سے ملوایا۔

دوسرے دن عنصر نے ان سب کو کلب میں مدعو کیا۔ یوں بے تکلفی بڑھی اور جینی اور عنصر ملنے جلنے لگے۔

جینی نے ہاتھ بڑھا کر ریکارڈ پلیئر بند کر دیا..... اس کے من میں مترنم سی گونج تھی۔ عنصر اسے اچھا لگنے لگا تھا۔

اس کے کافی لڑکے دوست تھے۔ جمی، کاشی اور سہیل سے خاصی بے تکلفی تھی۔ سلیم تو جیسے اس کا بے ضرر دوست تھی۔ یہ سب لڑکے اپنے اپنے وقت پر اس کے جذباتی دھاروں پر بہے تھے۔ اسے اچھے لگے تھے، ان کے لیے اس نے سینے میں ہلچل بھی پائی تھی۔ وہ اس کے اب بھی پرخلوص ساتھی تھے..... جذباتی دھارے تھم گئے تھے۔ ہلچل رک گئی تھی۔ اب یہ سارے جذبات عنصر کے لیے تھے۔

جینی نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر اک توبہ شکن انگڑائی لی۔ وہ مجسم تبسم نظر آ رہی تھی..... عنصر کے متعلق وہ جانے کب تک سوچے جاتی کہ نذیراں اسے بلانے آ گئی۔ ممی کے ملنے والے چند لوگ آ گئے تھے۔ انہوں نے جینی کو بلا بھیجا تھا۔

"چلو میں آتی ہوں۔" کہتے ہوئے جینی اٹھ کھڑی ہوئی..... ٹراؤزر کے پائنچے نیچے کیے..... اور ڈریسنگ روم میں اپنا حلیہ ٹھیک ٹھاک کرنے کو گھس گئی۔

سرمئی اور سرخ پہاڑوں کے سینے سبزے سے اٹے تھے اور ان پر سفید سفید بادلوں کے سائے لہرا رہے تھے۔ کہیں کہیں چمکتے شفاف پانی کی ندیاں تھیں جو بلندی سے پستی کی طرف تیزی سے لپکتی چلی آ رہی تھیں۔ بلندی سے پستی کی طرف تیزی سے آتا ہے۔ لڑھکنے کے عمل کے دوران تو محسوس نہیں ہوتا۔ تیزی کا عمل ہوتا ہے لیکن جب پستی میں پہنچ کر ٹھہر جائیں تو احساس ہوتا ہے..... کہ اونچائیاں کتنی دور رہ گئی ہیں..... اور ان پر پھر سے پہنچنے کے لیے کتنی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ ندیاں بھی اچھلتی کودتی بلندیوں سے پستیوں کی طرف چلی آتی ہیں اور جب پستی میں پہنچ جاتی ہیں تو ان پر ٹھہراؤ کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ہولے ہولے بہنے لگتی ہیں..... آہستہ آہستہ رواں ہوتی ہیں۔ یوں جیسے سوچ میں ڈوبی ہوں..... بلندیوں سے دور ہو جانے کے احساس سے پژمردہ ہوں۔

سبزے سے ڈھکے کوہسار اور گنگناتی اچھلتی کودتی چمکتے پانی کی بلندی سے پستی کی طرف جاتی ندیوں کے دامن میں وہ عمارت اک تمکنت اور وقار سے کھڑی تھی جو سرخ پتھروں سے بنی ہوئی تھی اور جس کی ڈھلانی چھتیں دور ہی سے نظر آتی تھیں۔ جس کے چوبی جنگلے اور بڑے بڑے شیشے اس کی خوبصورتی میں اضافے کا باعث بنتے تھے۔

کئی کمروں اور بڑے بڑے ہالوں پر مشتمل یہ عمارت پرانی ہو چکی تھی اور اس میں اب وہ رونق اور گہما گہمی بھی نہ تھی۔ اس کے اردگرد اونچے اونچے ٹیلوں پر پھیلے کچے پکے مکان اب نئے اور جدید طرز کے بنگلوں میں بدل چکے تھے۔

لیکن

وہ بھی اس عمارت کا اک اپنا وقار تھا اپنا مقام تھا..... اور یہ پورے علاقے میں لال حویلی کے نام سے مشہور تھی۔

دھوپ اور بادل آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ ہوائیں چھیڑ خانی پر اتری ہوئی تھیں۔ حویلی کے ارد گرد ترتیب سے لگائے ہوئے پھلدار اور بے پھل درخت سرخرو دکھائی دے رہے تھے۔ آوارہ جھونکوں کی چھیڑ سے کبھی کبھی جھوم اٹھتے۔ چمنوں کا سبزہ اور رنگا رنگ پھول سردی سے کچھ نکھرے کچھ سکڑے کچھ سمٹے سے تھے..... برفانی موسم کی آمد آمد تھی..... لیکن تا حال برف نہیں گری تھی۔

احاطے سے ذرا دور اوپر پہاڑی پتھر پر جس کے ارد گرد سرمائی پھول بکھرے پڑے تھے بینا بیٹھی تھی۔ اس نے پیازی رنگ کا شلوار کرتا پہن رکھا تھا..... گہرے فیروزی رنگ کی جرسی اور اس کی ہم رنگ شال اوڑھ رکھی تھی..... اس کے گھنے اور لمبے سیاہ بال پشت پر سے ہوتے ہوئے پتھر کو چھو رہے تھے۔ اس کا چہرہ سردی کی وجہ سے گلابی ہو رہا تھا۔ اس گلابی پن سے اس کی حسین سیاہ آنکھیں نمایاں لگ رہی تھی۔

وہ یہاں تصویر بنانے آئی تھی۔ کینوس ایزل رنگ اور برش سامنے رکھے تھے۔ وہ سامنے والے پہاڑی سلسلے کو کئی دنوں سے کینوس پر منتقل کر رہی تھی جس کے سینے پر سبزہ اگا تھا۔ درخت پھیلے تھے اور ندیاں اچھلتی کودتی پستی کی طرف جا رہی تھیں۔ چند دنوں بعد یہ ندیاں منجمد ہو جانے والی تھیں۔ برف باری اور سردی کی شدت میں یہ ندی نالے جم کر برفانی ہو جاتے تھے۔ اس کے قریب ہی کمبل نما چادر کی بکل مارے اس کی ملازمہ موی بیٹھی تھی۔ موی اس کی ہم عمر ہی تھی۔ اسی حویلی میں اس کے پرکھوں کی طرح نسل در نسل رہتی آ رہی تھی۔ بینا کے ماں باپ کی خدمت اس کے ماں باپ نے کی تھی۔ بینا کے دادی دادا کی غلامی اس کے دادا دادی کرتے رہے تھے۔

موی کم ہی خاموش رہ سکتی تھی..... بینا کئی لمحوں سے چپ بیٹھی تھی۔ تصویر بنانے کا سامان رکھا تھا لیکن اس نے برش اور رنگوں کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ خاموش بیٹھی سامنے والے سلسلہ کوہ کو تک رہی تھی۔ گھٹنے پر ٹکی کہنی اور ہاتھ کے سہارے ٹھوڑی تھی..... وہ اس وقت خود

''بینا بی بی۔'' موی نے اسے چونکا دیا۔

''ہوں۔'' بینا نے اس کی طرف اسی انداز میں بیٹھے بیٹھے دیکھا۔

''آپ تصویر بنانے یہاں آئی ہیں۔''

''ہاں۔''

''پھر بنا کیوں نہیں رہیں؟''

''دل نہیں چاہ رہا۔''

''دل کیا چاہ رہا ہے۔''

''پتہ نہیں۔''

موی شوخی سے ہنسی۔ اس کی کھنک دار ہنسی پر بینا کے خوبصورت لبوں پر بھی ہنسی پھیل گئی..... اس نے موی کی طرف دیکھا۔

موٹے موٹے ہونٹوں اور پھیلے ہوئے ناک والی موی کی موٹی موٹی آنکھیں شوخ ہوئی جا رہی تھیں..... موی کا ناک نقشہ بے ترتیب اور بے ربط سا تھا۔ پھر بھی اچھی لگتی تھی۔ جوانی بذات خود حسن ہے۔ بدصورتی پر بھی پردہ بن کر چھا جاتی ہے..... موی تو پھر اچھی شکل کی تھی۔

''کیوں ہنسی ہو؟'' بینا نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کیوں مسکرائی ہیں؟''

''تمہیں ہنستے دیکھ کر۔''

''جی نہیں۔''

''تو پھر۔''

''مجھے پتہ ہے۔''

''کیا۔''

''بتاؤں۔''

"ہاں..... ہاں بتاؤ۔"

"وہ۔"

"وہ کیا۔"

"وہ....."

موی شونی سے اسے ستانے لگی۔ اس ستائے جانے میں بھی اک سرور تھا کیف تھا لطف تھا۔ مینا محظوظ ہو رہی تھی۔

"بتاتی کیوں نہیں ہو....."

"وہ جی..... وہ خط آیا ہے نا چھوٹے صاحب کا۔"

"شریر کہیں کی۔"

"ہوں میں بھلا جانتی نہیں۔"

"کیا جانتی ہو۔"

"اسد صاحب آ رہے ہیں۔"

"تجھے کس نے بتایا۔"

"بیگم صاحبہ نے۔"

"داوی اماں نے؟"

"ہاں۔"

"چل جھوٹی کہیں کی..... اڑتے اڑتے خبر سن لی ہوگی۔"

"ہائے نہیں مینا بی بی..... مجھے بڑی بیگم صاحبہ نے خود بتایا ہے۔"

"کب؟"

"آج تھوڑی دیر پہلے جب میں آپ کے رنگ اور برش لے کر آ رہی تھی۔ بیگم صاحبہ نے خاص طور پر مجھے بتایا۔"

"کیا؟"

"کہ اسد میاں اگلے ماہ آ رہے ہیں۔"

"اگلے ماہ میں دن ہی کتنے ہیں اب..... اگلی تین ہفتے بعد وہ یہاں ہوں گے۔"

مومی پھر ہنس پڑی۔ پھر ویسے مٹکاتے ہوئے بولی۔ ''تین گھنٹے پہلے ہی آپ کا جی کام سے اچاٹ ہو گیا ہے۔''

بینا کے گالوں کا گلابی پن اور گہرا ہو گیا۔ اپنی حسین آنکھوں میں خوشیوں کی چمک چھپائے ہوئے بولی۔ ''بڑی باتونی ہے تو مومی کیسی باتیں سوجھتی ہیں تجھے۔''

''جو دیکھتی ہوں۔ کہتی ہوں اپنے دل سے تو کوئی بات نہیں جوڑتی۔''

''تصویر تو بنانے کو آج ویسے ہی موڈ نہیں بن رہا تھا۔''

''انشاء اللہ اب بنے گا بھی نہیں۔''

''کیوں نہیں۔ تصویر ادھوری تو نہ رہے گی..... چل اٹھا چیزیں واپس چلیں۔''

''بس۔''

''ہاں۔''

''چلئے تصویر نہ بنائیں..... ایسے بیٹھی رہیں۔''

''کام چور ہے نا..... یہاں بیٹھی ہے..... تو خوش ہے۔ پتہ ہے۔ ادھر گئی تو دادی اماں کئی کام سونپ دیں گی۔''

''توبہ توبہ بینا بی بی کبھی میں نے کام سے جی چرایا ہے۔ اس وقت تو ویسے ہی یہاں بیٹھنے اور آپ سے باتیں کرنے کو جی چاہ رہا ہے..... مزے مزے کی باتیں۔''

''مزے مزے کی باتیں۔''

''اور کیا..... چھوٹے صاحب جو آ رہے ہیں..... بینا بی بی۔''

''ہوں۔''

''کتنے سالوں بعد آ رہے ہیں؟''

''ساڑھے پانچ سال بعد۔''

''توبہ اتنی مدت بعد..... جی تو ان کا بھی اداس ہو گیا ہو گا۔''

''ضرور ہوا ہو گا۔ جبھی تو اکیلے ہی آ رہے ہیں۔'' بینا کی آنکھوں میں سُرور سا لہرا گیا۔

''آنا تو اکیلے ہی تھا..... وہ تو یہاں آ گئے ہوں گے..... کیوں جی۔'' مومی نے پھر آنکھیں مٹکائیں تو بینا کو ہنسی آ گئی۔

ہنسی تو آج اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ صبح کی ڈاک سے اسکالرشپ
تھا..... جس میں اس کے واپس آنے کی خوشخبری درج تھی۔ دادی اماں نے سب سے پہلے یہ
خوش کن خبر اسے ہی سنائی تھی..... پھر یہ خبر حویلی کے نوکروں چاکروں میں بھی پھیل گئی تھی۔
سب کتنے خوش تھے..... خوش ہوتے بھی کیوں نہ..... حویلی تو سنسان اور ویران
سی ہوگئی تھی۔ بینا اور بیگم نفیسہ کمال اتنی بڑی حویلی میں نوکروں چاکروں کے درمیان اور بھی
تھیں..... اسد کے آنے سے رونقوں کے لوٹ آنے کا امکان تھا۔
رونق گہما گہمی اور ہلچل..... یہی زندگی تھی۔
بینا کو مومی کی باتوں میں لطف محسوس ہو رہا تھا۔ فطرتاً وہ شرمیلی تھی۔ پھوپھو کی
تربیت سے وہ خالص مشرقی لڑکی بن چکی تھی جس کا زیور اس کا شرم و حیا ہوتا ہے۔
ذبات کی رو میں کبھی نہیں بہکتی..... جو جذبات کے دھاروں کا رخ بڑی آسانی سے موڑ
تی ہے۔ جو محبت ٹوٹ کر کرتی ہے لیکن محبت کے اظہار کے سستے طریقے کبھی نہیں اپناتی۔
مومی بھی اس کے مزاج سے واقف تھی۔ حد کے اندر ہی چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔
ے بینا کے جذبات کا علم تھا۔ اسی لیے باتوں باتوں سے اسے گدگدا رہی تھی۔

O☆O

''تم جا رہے ہو۔''

''ہاں تعلیم ختم کرنے کے بعد بھی بہت دن رہ لیا یہاں۔''

''جانے کو جی چاہتا ہے۔ ایمان سے کہنا۔''

''جی کی بات کرتے ہو؟''

''ہاں۔''

''تو سن لو کہ جی چاہتا ہے آنکھیں بند کرنے اور کھولنے میں وطن پہنچ جاؤں۔''

''بہت لگن ہے۔''

''ہونی بھی چاہیے۔''

''کوئی خاص لگن ہوگی۔''

''یہ بھی سمجھ لو۔''

''جبھی۔''

''کیوں۔''

''مس ڈیزی رچرڈ اور مس مونا ہیری کو چھوڑ کر جا رہے ہو۔''

اس بات پر اک زوردار قہقہہ پڑا اور اسلم اور اطہر کا اپارٹمنٹ گونج اٹھا۔ آج یہاں اسد کی الوداعی پارٹی تھی۔ اس کے بہت سے دوستوں نے اپنے ہاتھوں سے مزے مزے کی چیزیں بنائی تھیں۔ یہ سب دوست مخلص تھے۔ ہم وطن تھے اور پانچ ساڑھے پانچ سال کا عرصہ ایک دوسرے کی پرخلوص قربت میں گزارا تھا۔ آٹھ دس دوست تھے۔ کچھ

[illegible] یہاں کی
[illegible] کہے میں کھو گئے تھے۔

اسد ان پانچ دوستوں میں سے ایک تھا جنہیں یہاں کی پر آسائش اور رنگین زندگی میں بھی وطن اور وطن والے یاد تھے۔ جوانی سیلابی دریا ہوتی ہے۔ اس کے آگے بند باندھا نہیں جا سکتا۔ باندھا بھی جائے تو سیلاب کہیں نہ کہیں توڑ پھوڑ کر کے اپنا راستہ بنا لیتا ہے..... اسد پر بھی یہ بات صادق آتی تھی۔ اپنے اوپر اخلاقی بند باندھنے کی کوشش تو انہوں نے بھی کی تھی لیکن سیلاب نے توڑ پھوڑ کر کے راہیں بنالی تھیں۔ ویسے بھی یہاں کچھ ایسی توڑ پھوڑ کی ضرورت نہ تھی۔ اخلاقی قدریں اپنے یہاں سے مختلف تھیں..... لڑکی حاصل کرنا مشکل کام نہ تھا۔ اسد جیسے خوبرو جوان اور سنہری پس منظر والے آدمی کی قربت کی خواہشمند بے شمار لڑکیاں تھیں۔ ایسے امیر زادے تو اکثر لڑکیوں کی کمزوری تھے۔

اسد نے بھی وہاں رہ کر دل بہلایا اور خوب بہلایا۔ لڑکیاں اس پر مرتی تھیں..... خود بخود راہوں میں آتی تھیں..... اسے مشرق کا شہزادہ کہتی تھیں۔ پھر یہ مشرق کا شہزادہ مغرب کی ان رنگین تتلیوں کو مسحور کیوں نہ کرتا۔ یہ شوخ و شنگ لڑکیاں جو غیر ضروری شرم و حیا کی زنجیروں میں جکڑی نہ تھیں اسد کو من بھاتی تھیں..... کئی سے دوستی کی۔ کئی سے رابطہ رکھا' کئی سے تعلقات بڑھائے..... کئی سے شادی کے وعدے کیے۔

ان دنوں ڈیزی اور مونا سے بیک وقت محبت کا کھیل ہو رہا تھا۔ ڈیزی سنہری بالوں والی سرخ و سپید نازک اندام لڑکی جو اپنے اپارٹمنٹ میں اکیلی رہتی تھی اور کسی بڑے سٹوڈیو میں ماڈلنگ کرتی تھی' اس کی محبت میں دیوانی ہو رہی تھی۔ اسد کو بھی وہ اچھی لگتی تھی۔ مونا سیاہ آنکھوں والی لڑکی تھی۔ اس کے آباؤ اجداد کا تعلق ہسپانیہ سے تھا۔ اسی لیے آنکھوں اور بالوں کی سیاہی اور رنگت کا سنہری گندمی گوشوں ایسا ہونا ضروری تھا۔ اس کے حسن سے مشرق کی خوشبو آتی تھی۔ اسد کی اس سے بھی خوب گہری دوستی تھی۔

لیکن

اب وہ ان دونوں کو چھوڑ کر جانے والا تھا۔ اس کے قریبی دوست دونوں لڑکیوں سے اس کے مراسم کو جانتے تھے۔ اسی لیے چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے۔

کھانے کی میز پر بھی کھڑے ہو کر اپنی اپنی پلیٹوں میں رنگا رنگ کھانے ڈالتے ہوئے اسد سے چھیڑ چھاڑ بھی کر رہے تھے..... سنجیدہ باتیں بھی ہو رہی تھیں..... اور اس کے بچھڑ جانے کا ملال بھی ظاہر کیا جا رہا تھا.....

"یہ لو اسد۔" فیروز نے میکسیکن ڈش کی طرف اشارہ کیا۔ یہ فیروز نے بنائی تھی۔

"لیتا ہوں شکریہ..... یہ جاوید کا ایلیمین کھانا تو حلق سے اتار لوں۔"

اسد ہنسا..... جاوید جلدی سے بولا۔ "کیوں پسند نہیں آیا..... یار ساری دوپہر صرف کر دی بنانے میں۔ اس میں تو میں ماسٹر ہوں۔"

"بہت اچھا ہے۔" اسد نے تعریف کی۔ "جس کھانے میں آپ جیسے دوستوں کے خلوص کی گرمی بھی شامل ہو..... وہ اچھا نہیں ہوگا تو کیا ہوگا۔"

"میرا کن نکی چکن پسند آیا؟" اطہر بولا۔

"بھئی تم لوگوں نے اتنی ڈشیں بنا ڈالی ہیں۔ وقت لگے گا ہر چیز کھانے میں۔"

"ہم سارا دن بناتے رہے ہیں..... تم ساری رات کھاتے رہو۔" واجد بولا۔

سب نے اس کی بات کو انجوائے کیا اور ہنستے ہوئے کھانا کھانے لگے۔

کھانے کے بعد سب سٹنگ روم میں آ بیٹھے جسے جہاں جگہ ملی بیٹھ گیا۔ صوفے کے کشن قالین پر رکھ کر نیم دراز ہوا..... کوئی بیڈ پر لیٹا..... کوئی صوفے کے ہتھے پر چڑھ گیا..... صوفے پر بھی دھنس کر بیٹھ گئے۔

اسلم نے پاکستانی نغموں کا کیسٹ لگا دیا..... باتوں میں نغموں کا ترنم گھلنے لگا۔ سب دوست بے تکلفی سے باتیں کرنے لگے۔

"اب چائے، کوفی یا قہوہ۔" اطہر نے پوچھا۔

"کافی۔"

"قہوہ۔"

"چائے۔"

تینوں چیزوں کی فرمائش گونج اٹھی۔

"کافی تم بناؤ گے۔" اسلم نے شاہد سے کہا۔

"میں۔" اسلم بولا۔

"اور قہوہ؟" واجد بولا۔

"شی بہت اچھا بناتا ہے..... خالص پشاوری قہوہ۔" سلطان نے کہا۔

"ہاں ہاں۔" اسد بولا۔ "میں نے کئی بار اس کے ہاتھوں کا قہوہ پیا ہے۔ اٹھو شی..... بناؤ قہوہ۔"

"کون کون پیئے گا۔" شی نے جو قالین پر کشن لیے لیٹا تھا اٹھتے ہوئے پوچھا۔

سب نے ہاتھ اٹھا دیئے۔

شی ہنس کر بولا۔ "اور چائے۔"

"وہ بھی پئیں گے۔" تقریباً سبھی بولے۔

"کوفی۔" اس نے پوچھا۔

"وہ بھی سہی۔"

"حد ہو گئی۔"

"بھئی باری باری پئیں گے نا..... تم فی الحال قہوہ بنا کر لاؤ۔"

"بہتر۔"

وہ اپارٹمنٹ کے اس حصے کی طرف بڑھا جو کچن کے ساتھ تھا..... اس نے کیتل میں پانی بھر کر سوئچ آن کر دیا۔ خود پیالیاں اکٹھی کرنے لگا۔ باقی دوست باتوں میں مصروف ہو گئے۔ باتیں ہوتی رہیں۔ کئی موضوع بدلے۔ یہاں کی باتیں ہوئیں۔ لڑکیوں کے قصے بیان ہوئے اور پھر اس واسطے سے باتیں اپنے وطن کی ہونے لگیں۔ وہاں کی لڑکیوں کا یہاں کی لڑکیوں سے موازنہ ہونے لگا۔

پھر

اپنے دیس کی لڑکیوں کی باتیں کرتے ہوئے جیسے سبھی فخر و غرور سا محسوس کرنے لگے..... اک عقیدت اور احترام ان کی باتوں سے چھلک رہا تھا۔

باتیں ہوتی رہیں۔ قہوے چائے اور کوفی کے دور چلتے رہے۔ رات بھیگتی گئی.....

دادی اور بہنوں کے رشتے ختم ہوتے گئے۔

''یار اسد چار چھ ماہ اور رک جاتے'' کیا فرق پڑتا تمہیں..... پیسے کی پرابلم تو ہم جیسوں کو ہوتی ہے۔ تمہیں تو نہ تھی۔'' فیروز نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ وہ صوفے کے قریب اسد کے قدموں میں بیٹھا تھا۔

''نہیں بھئی..... اب نہیں رک سکتا۔ میری دادی اماں کو اب میری ضرورت ہے۔ وہ اب بیمار رہتی ہیں اور کاروبار سنبھال نہیں سکتیں۔ زمینوں کے بھی جنجال ہیں۔ اب ان سے دیکھ بھال نہیں ہو سکتی۔''

''خاندان میں اور کوئی بھی نہیں جو ان کا ہاتھ بٹا سکے۔'' شاہد نے پوچھا۔

''نہیں۔'' اسد بولا۔

''تمہارے والد؟'' واحد نے پوچھا۔

''تمہیں اس ٹریجڈی کا علم نہیں۔'' اس کے کچھ کہنے سے پہلے شمی نے کہا۔

''نہیں۔'' شاہد اور واحد دونوں متوجہ ہو گئے۔

''بھئی ان کی فیملی پر بہت بڑا سانحہ گزر چکا ہے۔'' شمی بولا۔

''کب؟''

''سترہ اٹھارہ سال پہلے ان کے والد' والدہ' چھوٹا بھائی اور چچی چچا ایک پلین کریش میں ہلاک ہو گئے تھے۔''

''اوہ..... مائی گاڈ۔'' شاہد کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ''سب اکٹھے چل بسے۔''

اسد کے چہرے پر افسردگی سی لہرانے لگی..... آہ بھر کر بولے۔ ''سب..... میں رہ گیا اور چچا چچی کی دو بچیاں۔''

''بڑی ٹریجڈی ہے۔''

''ہاں قیامت تھی جو ٹوٹ پڑی تھی..... میں آٹھ نو سال کا تھا..... مجھے وہ وقت اب بھی یاد آتا ہے تو تھرا جاتا ہوں..... جینی اور بینا تو دو سال کی تھیں..... جڑواں بہنیں ہیں۔ میری چچازاد..... ان کو تو نہ کچھ یاد نہ پتہ ہے..... میں اس واقعے کو ابھی تک بھول نہیں پایا۔''

سب بہت متاثر نظر آ رہے تھے..... شاہد نے چند لمحوں کے توقف کے بعد

پوچھا۔ ''تو تمہیں دادی اماں ہی نے پالا پوسا ہوگا۔''

''ہاں مجھے اور بینا کو..... جینی کو میری پھپھو نے گود لے لیا تھا۔ ان کی اولاد نہ تھی..... ویسے بھی دادی اماں دو بچیوں کی پرورش کا بار نہ اٹھا سکتی تھیں۔''

''بہت ضعیف ہیں وہ؟''

''نہیں اتنی ضعیف تو نہ تھیں لیکن اتنے بڑے صدمے سے نپٹنا بھی تو آسان نہیں ہوتا..... سترہ اٹھارہ سال انہوں نے گزار دیے ہیں لیکن اب لگتا ہے ان کی ہمت جواب دیتی جا رہی ہے۔''

''پھر تو واقعی تمہیں ان کے پاس ہونا چاہیے۔''

''اسی لیے تو واپسی کا ارادہ کر لیا تھا..... ان کے دو تین خطوط آئے تھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ تھک چکی ہیں۔''

موضوع بڑا تکلیف دہ تھا..... سب کے چہرے افسردہ ہو گئے تھے۔ ماحول کی افسردگی مٹانے کے لیے اسلم نے اٹھ کر کیسٹ بدلا..... ایک جوشیلا طوفانی سا نغمہ لگا دیا۔ سب کی توجہ ادھر مبذول ہو گئی۔

چند لمحوں بعد اپارٹمنٹ میں قہقہے گونج رہے تھے۔ چھیڑ چھاڑ ہو رہی تھی..... ڈیزی اور مونا کے حوالے سے اسد پر آوازے کسے جا رہے تھے۔

اسد ان سب باتوں میں شریک تھا لیکن ذہن کے کسی گوشے میں بینا اور جینی حائل رہی تھیں..... پانچ ساڑھے پانچ سال میں وہ کیا سے کیا ہو گئی ہوں گی؟

بینا کے متعلق سوچ کر تو اس کے اندر مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

○☆○

جینی نے کال بیک کر لی ہوئی تھی۔ خود اپنی میں بھی صوفے کے سامنے والی کرسی پر پاؤں رکھے تھے۔ خود صوفے میں نیم دراز تھی..... اپنے لمبے لمبے ناخنوں کی پالش ریموور سے اتار رہی تھی۔ نیل فائل کو میں پڑا تھا..... ریموور کی فیشی قریب ہی صوفے پر پڑی تھی۔ روئی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ریموور میں بھگو کر وہ ناخن صاف کر رہی تھی۔ کیلی فون قریب ہی رکھا تھا۔

اس کی ممی اپنے بیڈ روم سے تیار ہو کر نکلیں۔ ہلکے پھلکے رنگ کی ساڑھی میں ان کا متناسب جسم ابھی تک پرکشش تھا۔ صورت اچھی تھی۔ میک اپ اور بالوں کے سٹائل نے چہرہ دلکش اور دیدہ زیب بنا دیا تھا۔ عمر تو چالیس سے پکوا پر ہی تھی لیکن پینتیس سال سے زیادہ کی نہ لگتی تھیں۔ ایک تو گھریلو آسودگی تھی۔ دولت کی بھی نہ تھی۔ آصف کے وسیع بزنس کے علاوہ زمینوں کی بھی مالک تھیں..... دوسرے شوہر بھی چاہنے اور ٹوٹ کر چاہنے والا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ انہوں نے کسی بچے کو جنم نہ دیا تھا۔ جسم کی ساخت اس وجہ سے بگڑنے نہ پائی تھی..... شادی کے پانچ سال بچے کی آس میں گزرے تھے۔ علاج معالجے سے بھی امید نہ بر آئی تھی۔

اتفاقی حادثے نے جینی ان کی ممتا کی تسکین کے لیے انہیں بخش دی تھی۔ بھائی بھابھی کے ہوائی حادثے میں جاں بحق ہو جانے پر دو جڑواں بچیوں کی تربیت اور پرورش کا مسئلہ یوں حل ہوا تھا کہ ایک کو انہوں نے گود لے لیا اور دوسری اماں جانی کے سپرد ہو گئی۔

جینی اور ممی ماں بیٹی بھی تھیں اور دوست بھی..... بہت لاڈ پیار سے رکھا تھا جینی

کو..... چونکہ خود بھی آزادانہ رویے اپنا لیے تھے۔ جدید تہذیب کی ہر قدر کو گلے لگایا تھا۔ دامن کو ہر سار سے نکل کر نئی دنیا میں چکا چوند روشنیوں میں گھر گئی تھیں۔ اس لیے جینی کو بھی اسی ماحول میں پالا پوسا تھا۔

"ہیلو ممی۔" جینی نے بال اک جھٹکے سے پیچھے ہٹاتے ہوئے شائستہ کی طرف دیکھا۔

"تم کیا کر رہی ہو..... کالج نہیں گئیں آج۔" شائستہ نے سازھی کا فال درست کرتے ہوئے چابیوں کا گچھا میز پر سے اٹھالیا۔

"میں نے آج چھٹی کی ہے۔"

"کیوں۔"

"بس دو ہی پیریڈ تھے..... کون جاتا۔"

"جینی کم از کم بی اے تو کر لو۔"

"جو نہ کروں تو کیا ہوگا..... ویلیو کم ہو جائے گی..... اوہ ممی ڈارلنگ ایسا نہیں ہوگا۔" وہ ہنس پڑی۔

شائستہ نے بھی ہنس کر کہا۔ "میں نے کب یہ کہا۔"

"جب آپ مجھے زبردستی کالج دھکیلتی ہیں نا تو چپکے چپکے آپ کا یہی مقصد ہوتا ہے۔" جینی نے پھر شوخی سے چھیڑا۔ "کہیں میری بنی کی ویلیو کم نہ ہو جائے۔"

"پگلی..... تیری ویلیو کیا بی اے کی ڈگری ہی سے بڑھے گی؟"

"آپ غالباً یہی سمجھتی ہیں۔"

"تمہارا خیال غلط ہے..... یہ باتیں مڈل اور لوئر کلاس کے لوگوں میں ہوتی ہیں..... تم ان میں سے نہیں ہو۔"

"اچھا جا کہاں رہی ہیں۔"

"مسز امجد کے ہاں کوئی پارٹی ہے..... ویسے پہلے میں ہسپتال جاؤں گی۔"

"کیوں؟"

"میری دوست زہرہ کا میاں ایڈمٹ ہے۔"

"بیمار ہیں۔"

''ظاہر ہے۔''

دونوں ہنس پڑیں۔

''کب واپس آئیں گی۔'' جینی نے ماں کو بیگ اٹھاتے دیکھ کر پوچھا۔

''بارہ بجے تک..... تم ایسے کیوں بیٹھی ہو..... کپڑے بھی نہیں بدلے ابھی تک۔''

''میں نے کال بک کرائی ہوئی ہے۔''

''کال۔''

''ہاں۔''

''کہاں۔''

''دامن کہسار..... لال حویلی۔'' جینی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''خیریت؟ ابھی چند دن ہی تو ہوئے اماں جانی کا خط آیا تھا۔'' شائستہ نے پوچھا۔

''برتھ ڈے کی دعوت دینی ہے انہیں۔'' جینی ناخن رگڑتے ہوئے بولی۔

''اوہ جینی۔''

''کیوں مام۔''

''بھلا وہ آئیں گی؟''

''کیوں نہیں آئیں گی۔ انہیں آنا چاہیے۔''

''اماں جانی سفر کب کر سکتی ہیں۔ تمہیں پتہ ہے ان کے گھٹنوں میں خاصی تکلیف رہتی ہے۔''

''بینا تو آ سکتی ہے نا۔''

''بینا..... وہ انہیں اکیلا چھوڑ کر نہیں آئے گی۔''

''غلط بات ہے ممی..... بینا کو ضرور آنا چاہیے بلکہ اکثر آتے رہنا چاہیے۔''

وہ ناخن صاف کر کے صوفے میں ٹھیک طرح سے بیٹھ گئی..... ''یہ تم نے کیسے کہہ دیا جینی..... بینا کو میں پچھلے ماہ ہی مل کر آئی ہوں۔''

''قطعاً سوشل نہیں..... اسے دنیا کے ساتھ چلنا چاہیے۔ اماں جانی نے تو اس کے اندر اپنی بوڑھی روح حلول کر رکھی ہے۔''

شائستہ پھر ہنس پڑی..... ننھے سے رومال سے اپنا چہرہ تھپکتے ہوئے بولیں۔ "مگر تمہارا خیال ہے۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ فنکار ہے اتنی اچھی تصویریں بناتی ہے..... سمجھ بجھا سیکھ رہی ہے۔"

"ہونہہ۔" جینی اٹھ کر لاؤنج کے شیشے کی دیوار کے آگے پردے ہٹاتے ہوئے بولی۔ "پرانی چیزیں پرانی باتیں..... بینا کو ہماری سوسائٹی کے آداب آنے چاہئیں اور یہ اسی طرح آئیں گے جب وہ ہمارے پاس آتی رہے گی۔ ہمارے ماحول میں کچھ عرصہ گزارہ کرے گی۔"

"تو تم اس لیے اسے بلانا چاہتی ہو۔"

"بالکل..... ویسے بھی ایک ہی تو بہن ہے اور برتھ ڈے پارٹی میں خاصے بڑے پیمانے پر کر رہی ہوں۔ بینا نہ آئی تو میں خفا ہو جاؤں گی۔"

"نہ نہ میری جان..... خفا نہ ہونا..... ضرور فون کرو..... میں تمہاری باتوں سے اتفاق کرتی ہوں..... ضرور بلاؤ انہیں..... بلکہ اماں جانی کے لیے بھی ضد کرنا..... کہ ضرور آئیں۔ تبدیلی آب و ہوا اور جگہ سے ہی شاید ان کی طبیعت سنبھل جائے۔"

"دونوں آئیں گی ممی..... فکر نہ کریں۔ میں جو بات سوچتی ہوں اسے پورا کروانے کا فن بھی جانتی ہوں۔"

شائستہ نے پیار بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

"اچھا تو میں جاؤں۔"

"ضرور۔"

"تمہارے ڈیڈی شاید گیارہ بجے فون کریں۔"

"کیوں؟"

"کچھ کاغذات اور پیسہ منگوانے کے لیے۔"

"دفتر؟"

"ہاں۔"

"زحمت یہیں ہوگا۔"

"ہاں رحمت کے ہاتھ کاغذات اور پیسہ بھجوا دینا" ساری چیزیں لفافے میں ڈال کر میں نے سیف میں رکھ دی ہیں۔"

"چابی۔"

"اوہ..... شکر ہے یاد کروا دیا..... چابیاں میں ساتھ ہی لے جا رہی تھی..... یہ لو۔" شائستہ نے چابیوں کا گچھا جینی کی طرف اچھال دیا..... جینی نے بال کی طرح اس نے کیچ کر لیا۔

"فون جانے کب ملے گا تم کپڑے تو بدل لیتیں۔"

"اچھا ممی آپ جائیں میں سب کچھ کر لوں گی۔ آج ذرا ہلکی ڈے موڈ ہے۔"

"ڈائریکٹ ڈائلنگ نہ ہو تو فون جنجال ہی ہے۔"

"اب لال حویلی کے علاقے میں تو ڈائریکٹ ڈائلنگ ہونے سے رہی..... یہ بھی شکر کریں کہ وہاں فون ہے اور کال بک کرائی جا سکتی ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" شائستہ نے اپنے گلے کی نازک سی سفید زنجیر پڑے ڈائمنڈ کو چھوا..... پھر بولیں۔

"میرا سلام کہہ دینا سب کو اور آنے کی تاکید میری اور آصف کی طرف سے بھی کرنا۔"

"فون مل گیا تو ضرور کروں گی..... آپ جائیے۔"

"خدا حافظ۔" شائستہ نے کہا۔

"خدا حافظ۔" جینی بولی۔

شائستہ بیگ اٹھا کر باہر آ گئی..... گاڑی کھڑی تھی..... ڈرائیور مودبانہ بولا۔

"آپ خود جائیں گی؟"

"ہاں..... رحمت..... تم گھر پہ ہی رہو..... گیارہ بجے کے قریب صاحب کا فون آئے گا۔ انہیں کچھ کاغذات اور پیسے بھجوانے ہیں۔ آفس دے آنا۔"

"بہتر جناب۔" وہ سر جھکا کر ہاتھ پیشانی تک لے جاتے ہوئے بولا۔

"جینی گھر پہ ہی ہے..... وہ تمہیں چیزیں دے دے گی۔" شائستہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

''اچھا جی۔''

''اکبر کچن میں ہے۔ میں نے اسے دوپہر کے کھانے کا بتا دیا ہے۔ بازار سے کچھ لانا ہو تو اس سے پوچھ لو..... شاید دہی لانے کو کہا تھا..... تم لے آؤ..... وہ دہی لینے گیا تو وہیں کا ہو جائے گا..... کھانے میں دیر کر دے گا..... اور صاحب کا تمہیں پتہ ہی ہے..... وقت پر کھانا نہ ملے تو۔''

وہ مسکرائی..... رحمت بھی سر جھکائے مسکرانے لگا۔ پچاس سالہ رحمت اس خاندان کا دیرینہ ملازم تھا..... صاحب کی عادتوں سے واقف تھا..... کھانے میں دیر ان کی برداشت سے باہر تھی۔

شائستہ نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔ ریورس کرتے گیٹ سے باہر آئی اور پھر کھلی سڑک پر لے گئی۔

رحمت ان کے بعد پچھلی طرف سے کچن کی طرف چلا گیا۔

○☆○

''بینا بیٹی۔''

''جی دادی اماں۔''

''اسد آ رہے ہیں۔''

''ہاں میں نے خط پڑھا ہے۔''

''ان کے لیے کمرے ٹھیک کروانے ہیں۔''

''کون سے دادی ماں۔''

''ان کے والدین والا حصہ۔۔۔ کیوں نہ کھول دیا جائے۔''

''وہ۔۔۔۔ وہ۔''

''ہاں عرصے سے بند پڑا ہے۔۔۔۔ باہر جانے سے پہلے اسد کا کمرہ انہیں کمروں میں سے ایک تھا نا۔''

''اب ایک کمرہ ان کے لیے ناکافی ہوگا۔ ایک نشست گاہ بھی ضروری ہے اور لائبریری بھی ادھر ہی ہے۔ وہ بھی ان کے کام آئے گی۔''

''جی۔''

''ویسے بھی وہ حصہ آباد ہوگا۔۔۔۔ تو یوں لگے گا جیسے۔۔۔۔ خیر۔''

دادی ماں کی آواز گھٹ گئی۔۔۔۔ بینا ان پر جھک گئی۔ ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر انہیں گال پر بوسہ دیا۔۔۔۔ وہ خود بھی قدرے گلوگیر آواز میں بولی۔ ''دادی ماں آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ وہ حصہ آباد ہوگا تو آپ کو خوشی ہوگی۔''

"ہاں بیٹی۔" بیگم نفیسہ کمال نے ننھے سے دستی رومال سے اپنی آنکھوں کے گوشے صاف کیے۔

وہ اس وقت اپنی نشست گاہ میں تھیں..... پرانی طرز کے بھاری قسم کے خوبصورت اور نایاب قسم کے فرنیچر اور دبیز قالین سے آراستہ نشست گاہ میں شام اتر آئی تھی۔ چھت سے لٹکے کرسٹل کے فانوسوں میں بتیاں جل رہی تھیں..... دیواروں پر لگے خوبصورت شیڈوں والے قمقمے بھی روشن تھے۔ ارغوانی قالینوں اور سیاہ آبنوسی فرنیچر پر پڑی سرخ گدیوں سے کمرے میں سرخی مائل روشنی کا غبار پھیلا ہوا تھا۔ کونوں میں کانسی کے بڑے بڑے گلدانوں میں مصنوعی پھولوں میں اصلی گھاس اس طرح لگائی گئی تھی کہ نقل پر بھی اصل کا گمان ہوتا تھا۔ پیتل کے چمکتے اور سٹینڈوں پر رکھے بڑے بڑے پیالہ نما گملوں میں خوبصورت پھول کھلے تھے..... ایک طرف خوبصورت مجسمے تھے تراشے ہوئے بدن والی حسینہ کے ناچنے کا انداز ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ساکت ہو گیا تھا اور مضبوط جسم والا مرد اس ناچ میں کھو کر ہمیشہ کے لیے بے سدھ ہو گیا تھا..... یہ مجسمے جانے کب تراشے گئے تھے..... اور جانے کب تک انہوں نے یونہی پڑے رہنا تھا لیکن ان کا انداز اور ان کی جامد حرکت توجہ یوں کھینچتی تھی..... جیسے یہ ساکت رقص اور سحر تسلسل اور عمل کا ایک حصہ ہو۔

نشست گاہ خاصی گرم تھی۔ لکڑیوں کے بڑے بڑے ٹکڑے آتشدان میں جل کر راکھ ہو رہے تھے۔ حویلی میں بجلی آ گئی تھی۔ گیس بھی لگوائی گئی تھی لیکن بیگم نفیسہ کمال کو لکڑیوں کے جلنے اور چٹخنے کا انداز پسند تھا۔ وہ اپنے کمروں کے آتشدانوں میں بجلی یا گیس کے ہیٹروں کی بجائے وزنی وزنی لکڑیاں جلانا ہی پسند کرتی تھیں۔

وہ آتش دان کے قریب سرخ مخملیں اونچے سے تکیے کی کرسی پر گھٹنوں بیٹھی رہتیں۔ ان کے قریب میز پر ضخیم ضخیم سی کتابیں پڑی رہتیں۔ وقت گزاری کے لیے وہ اکثر انہیں پڑھتی رہیں۔

زمانہ بدل گیا تھا۔ زمانے کی قدریں بدل گئی تھیں۔ زندگی کے رویے اور مزاج میں تبدیلی آ گئی تھی۔

ان کا مزاج اپنا ہی تھا انداز اپنے ہی تھے۔ حویلی میں ان کی شخصیت حکمران ملکہ کی سی حیثیت رہتی تھی۔ نوکر چاکر جو غلام بھی تھے اور ان پر خود مختار بھی ہوتی تھی۔ سب ان کے تابع فرمان تھے۔ منشی لطف الٰہی زمینوں جائیداد اور کاروبار کا حساب کتاب رکھتے تھے۔ جب وہ کسی معاملے میں ان سے صلاح مشورہ لینے آتے تو حساب کتاب دیتا ہوتا تو بالکل یوں حاضری دیتے جیسے کسی مطلق العنان ملکہ کے حضور میں پیش ہوئے ہوں..... سر جھکائے نگاہیں نیچی کیے جب تک بیٹھنے کا حکم نہ ملتا کھڑے رہتے۔ دوسرے ملازموں کا بھی یہی حال تھا۔ بیگم کا رویہ ان کے ساتھ مشفقانہ بھی ہوتا تھا لیکن رعب داب اپنی جگہ تھا۔

وہ خاصی صاحب علم تھیں۔ ذوق بھی بلند تھا۔ نفاست پسند بھی تھیں۔ رکھ رکھاؤ اور آداب واصول کی پابند تھیں..... یہی چیزیں وہ بچوں میں بھی دیکھنے کی متمنی تھیں..... بہت حد تک انہوں نے اپنے ہی سانچے میں ڈھالا تھا۔

شائستہ ان کی اپنی بیٹی تھی لیکن بڑے شہر میں آباد ہو کر اس نے نئے طرز نئے طریق اپنا لیے تھے۔ انہیں یہ باتیں بالکل پسند نہ تھیں۔ جینی کا نظریہ حیات تو ان سے ٹکراتا تھا۔ جب کبھی وہ حویلی میں آئی اس کے بے باک قہقہے حویلی کے در و دیوار سے ٹکراتے..... اس کے جدید ترین قسم کے لباس وہ دیکھتیں..... اس کے کٹے بال نظر آتے تو انہیں خوشی کی بجائے دکھ ہوتا۔

لیکن جہاندیدہ عورت تھیں..... اپنی پسند و ناپسند کو اس پر ٹھونسنا کبھی پسند نہ کرتی تھیں۔ ان سے کتراتی ضرور تھیں۔ بہت کم ہوتا تھا کہ وہ شائستہ کے پاس جانے کی خواہش کا اظہار کرتیں۔ دوسرے تیسرے برس وہاں جاتیں بھی تو چند دن یوں گزارتیں جیسے کسی بند قفس میں پھڑ پھڑا رہی ہوں..... اور اب تو کئی برسوں سے وہ اس کے پاس نہیں گئی تھیں..... گھٹنوں میں درد رہنے لگا تھا۔ یہ بہانہ کافی تھا۔ شائستہ ہی آ جاتی اور دو ایک دن ماں کے پاس گزار کر چلی جاتی۔

کبھی کبھی اس کے ساتھ جینی اور آصف بھی آ جاتے۔

شائستہ اکثر کہتی۔ "اماں جانی..... کیا کر رہی ہیں یہاں..... بند کر دیجیے حویلی کو

اور شہر میں رہائش اختیار کیجئے۔"

یہی اصرار جینی کا ہوتا۔ "اماں جانی صرف دس میل پر تو شہر ہے۔ اتنا خوبصورت اتنا بڑا اور ایسی گہما گہمی والا..... آپ وہاں بنگلہ کیوں نہیں خرید لیتیں..... کیا اچھا ہو آپ وہاں رہیں..... ہم پھر ہر ماہ بائے ایئر آپ سے ملنے آجایا کریں۔"

بیگم نفیسہ کمال مسکرا دیتیں۔

آصف بھی کچھ ایسی ہی باتیں کرتے..... ایئرپورٹ سے دس میل حویلی کی سڑک دامن کہسار میں آنا گراں گزرتا۔ "ہوائی جہاز میں اتنا وقت میلوں فاصلہ طے کرنے پر نہیں لگتا..... جتنا یہ دس میل طے کرنے پر لگتا ہے۔ سڑک بھی جگہ جگہ سے ٹوٹی پھوٹی ہے۔ گاڑی میں اچھل اچھل کر ہڈیاں چٹخنے لگتی ہیں۔"

یہ باتیں جب بھی آصف یا شائستہ اور جینی آتے ہوتیں..... اکثر وہ مسکرا کر چپ ہو جاتیں۔ کبھی کبھی اتنا ضرور کہتیں۔ "تم لوگوں نے کونسا مہینوں کے لیے آنا ہوتا ہے۔ تھوڑی سی تکلیف برداشت کر لیا کرو..... حویلی تو میری آنکھیں بند ہونے ہی کے بعد بند ہو تو ہو..... جیتے جی تو ایسا نہیں ہوگا۔"

حویلی انہیں بے حد عزیز تھی۔ اس کے در و دیوار میں ان کی زندگی کے ایک ایک لمحے کا عکس پیوست تھا..... یہ حویلی ان کی ذات' ان کی شخصیت اور ان کے وجود کی شناخت تھی..... اسی کے حوالے سے تو وہ جانی پہچانی جاتی تھیں۔ پھر بھلا وہ بچوں کے کہنے پر اپنی شناخت کیونکر کھو دیتیں۔

بینا مخملیں کرسی کی پشت پر دادی ماں کے گلے میں بانہیں ڈالے کھڑی تھی۔ کمرے کی سرخی کا عکس اس کے خوبصورت چہرے پر لہرا رہا تھا..... سیدھے بالوں کی لمبی سی چٹیاں جھول کر آگے آ گئی تھیں..... ناگن کی طرح بل کھاتی اس کے کندھے سے ہوتی سینے پر آ رہی تھی..... اس کی آنکھوں میں بڑی سحر آفریں چمک تھی۔ انتظار جب خوشیوں کے سوتوں میں ڈوب ڈوب کر ابھرے تو آنکھوں میں کیف آمیزی بے اطمینانی بس جاتی ہے۔

دادی ماں نے جو کرسی پر نیم دراز تھیں' بینا کا نرم و گداز ہاتھ اپنے کندھے پر سے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

بینا گھوم کر ان کے سامنے آ گئی۔ ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ ملائمت سے بولی۔

"دادی اماں..... ٹھیک ہے کل سے لال حویلی کے اس حصے کی صفائی شروع کر دو دیتے ہیں۔"

"ہاں۔" انہوں نے گھٹنے پر رکھا بینا کا ہاتھ تھپتھپایا..... پھر کرسی کی پشت پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں..... ان کے نازک سے سراپا پر غیر محسوس سی تھکن طاری تھی..... بینا نے ان پر اک بھرپور نگاہ ڈالی۔

اس وقت وہ بے حد افسردہ نظر آ رہی تھی۔ بینا جان گئی کہ بند آنکھوں کے پیچھے ماضی کے دریچے کھل گئے ہیں اور دادی ماں ان دریچوں میں اپنے بھرے پرے گھر کو دیکھ رہی ہیں..... ہلاک ہو جانے والوں کو ہنستے مسکراتے اور بستے رستے دیکھ رہی ہیں۔

بینا چپ رہی..... اپنے ماں باپ کی اسے قطعاً پہچان نہ تھی۔ صرف دو سال کی تھی تب..... اسے تو ممتا کی گرمی بھی یاد نہ تھی۔ یہ گرمی اس نے دادی ماں کے سینے سے پائی تھی۔ اس لیے اس کی محبت اور پیار انہی کے لیے تھا۔

اس وقت بھی وہ اپنے ماں باپ کو یاد کر کے پریشان نہ ہو رہی تھی۔ اسے تو پریشانی دادی اماں کی پریشانی سے تھی۔ وہ انہیں افسردہ نہ دیکھ سکتی تھی۔

چند لمحے وہ چپ رہی۔

پھر بات بدلنے کی غرض سے ان کا گھٹنا آہستگی سے ہلاتے ہوئے پکارا۔ "دادی ماں۔"

بیگم نفیسہ کمال نے آنکھیں کھول دیں۔ ان کی روشن اور خوبصورت آنکھیں گلابی رنگت لیے تھیں۔ ان کا صندلی چہرہ کچھ بے رنگ سا تھا۔

بینا مسکرائی۔ "دادی ماں۔"

"ہوں۔"

"ستار لاؤں۔"

"ہوں"

"دادی ماں..... آج میں ستار پر راگ بہاری آپ کو سناؤں گی۔ سننا پسند کریں گی۔"

وہ کرسی میں سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے دھیرے سے مسکرائے۔

"تو لے آؤں ستار۔"

"پہلے اسد کے کمروں کا مسئلہ تو طے کر لو۔"

"وہ تو ہو گیا..... کل سے صفائی شروع ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے کل کمرے کھلوا دیں گے۔ منشی جی کے پاس چابیاں ہوں گی۔ وہ اور شادا کمرے صاف کر دیں گے..... اور جہاں کہیں نیا سامان رکھنا ہو گا وہ بھی، کیا لیں گے۔"

"جی بہت اچھا۔"

"ویسے وہاں آبنوسی فرنیچر ہے۔ دو کمروں میں ساگوان کا سامان پڑا ہے۔ پتا نہیں جانے اسد کو یہ چیزیں پسند ہوں گی بھی یا نہیں۔"

بینا چپ رہی۔

وہ خود ہی بولیں۔ "حالانکہ وہ سارا فرنیچر اس قدر خوبصورت اور نایاب ہے..... لیکن آج کل کے بچے اپنی اپنی ہوتی ہے۔"

بینا اب بھی کچھ نہ بولی..... وہ جانتی تھی۔ وہ شاہی قسم کا فرنیچر بے حد خوبصورت نایاب اور اچھوتا ہے لیکن جینی جب بھی آتی تھی ان کو دقیانوسی کہتی تھی..... ہو سکتا ہے اسد کی پسند بھی اس جیسی ہو۔ وہ تو پانچ ساڑھے پانچ سال امریکہ میں رہ کر آ رہے تھے..... کون جانے ان کی پسند اب کیا ہو۔

O☆O

بیگم نفیسہ کمال کے بلانے پر معمر منشی جی آ گئے..... وہ اس وقت مشرقی بالکنی میں کرسی پر بیٹھی تھیں..... یہ پرانے طرز کی اونچی پشت والی مخملیں نشست تھی۔ ان کے سامنے بھاری پایوں والی منقش میز پڑی تھی۔ آج کا تازہ اخبار اور کچھ میگزین بھی پڑے تھے۔ قریب ہی فون رکھا تھا۔ ان کی قریبی دوست اکثر اس وقت فون پر ان سے گپ شپ لگایا کرتی تھی۔ دو تین کرسیاں جو ان کی کرسی سے نیچی تھیں ذرا ہٹ کر پڑی تھیں۔

''منشی جی۔'' بیگم نفیسہ کمال نے چشمہ اتار کر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''جی بیگم صاحبہ فرمائیے۔ آج صبح صبح یاد فرمایا آپ نے۔'' وہ قدرے جھکتے ہوئے بولا۔

''دس بج چکے ہیں۔'' وہ مسکرائیں۔

''جی ہاں۔''

''بیٹھئے۔''

منشی جی ایک کرسی پر بیٹھ گئے..... دھوپ آج بڑی چمکیلی تھی، رات بھر جو برفانی ہوائیں چلتی رہی تھیں اور سونا اگلتی یہ دھوپ بہت بھلی لگ رہی تھی۔ بیگم نفیسہ نے بے حد قیمتی کشمیری شال کندھوں اور گھٹنوں پر ڈال رکھی تھی۔ انگورا وول کی نرم و گرم جرسی بھی پہنی ہوئی تھی۔

''اسد آ رہے ہیں منشی جی۔'' بیگم اپنے ننھے سے معطر رومال سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولیں۔

''جی بیگم صاحبہ..... خدا انہیں بخیریت لائے۔''

"ان کے لیے کمرے ٹھیک کروانے ہیں۔"

"کون سے بیگم صاحبہ موزوں رہیں گے۔"

"میرے خیال میں تو حویلی کا وہ حصہ جو ان کے والدین کے تصرف میں تھا۔ ان کے لیے کھول دیا جائے۔"

"درست فرماتی ہیں آپ..... خدا اسد میاں کو زندگی دے..... وہی یہ حصہ آباد کریں گے۔"

"ہاں انشاء اللہ..... شادی کے بعد وہی حصہ ان کے تصرف میں آتا ہے..... کیوں نہ ابھی سے وہاں رہنے لگیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

"صفائی کی ضرورت ہوگی۔"

"جی ہاں..... کروالیں گے..... ابھی تو ان کے آنے میں کافی دن ہیں۔"

"ان کے آنے سے پہلے ہر چیز تیار ہو جانی چاہیے۔"

"جیسے حکم فرمائیں ویسے ہی ہوگا..... ویسے سال میں دو تین دفعہ تو ہر طرح سے صفائی کرواتا رہتا ہوں..... تین چار ماہ ہی تو ہوئے ہیں رنگ و روغن کروائے تھے۔ میرے خیال میں اب جھاڑ پونچھ ہی کرنا ہوگی۔"

"ٹھیک ہے..... میرا مطلب ہے اسد کے آنے تک ہر چیز تیار ہو انہیں تکلیف نہ ہو۔"

"نہیں ہوگی بیگم صاحبہ۔"

"سیفو گاؤں میں ہے اسے بھی بلانا ہے۔"

"بہتر..... اسد میاں کے آنے پر وہ بھی آ ہی جائے گا..... ویسے بھی سیفو میاں ان کے لیے بہت اداس رہتے ہیں۔"

"خوش ہو جائے گا..... اسد کا ذاتی خدمتگار جو ہے۔ اسی کو ان کی خدمت کے لیے اب بھی یہاں ہونا چاہیے۔"

"بالکل بالکل۔"

بیگم نفیسہ کمال منشی جی کو ہدایات دینے لگیں۔ کئی باتیں تھیں۔ منشی جی کے مشورے

اور صلاح بھی درکار تھی..... دونوں باتیں کرنے لگے۔

''اسد کے آنے سے میرے بوجھ بھی کم ہو جائیں گے..... اب تو وہی.....'' بیگم نفیسہ کمال بات ختم بھی نہ کر پائی تھیں..... کہ فون کی بیل بج اٹھی۔

بیگم نفیسہ کمال نے بات ادھوری چھوڑتے ہوئے فون اٹھایا۔

''ہیلو۔''

''آداب اماں جانی۔'' دوسری طرف سے جینی کی آواز آئی۔

''کون جینی بیٹی..... اوہ..... کیسی ہو میری بچی..... تمہاری آواز پر تو مینا کا دھوکا ہوتا ہے۔ پہلا خیال یہی آیا کہ مینا کی آواز ہے۔''

''ہاں اماں جانی..... مینا ہی مینا آپ کو نظر آتی ہے نا..... ہم بیچارے تو اتنی دور ہوئے ہمیں آپ کہاں اتنی لفٹ دیتی ہیں۔''

''چل ہٹ شریر کہیں کی..... کہو کیسی ہو..... شائستہ اور آصف تو اچھے ہیں۔''

''سب ٹھیک ٹھاک اماں جانی..... آپ کہیں کیسی ہیں..... مینا کا کیا حال ہے۔''

''ٹھیک ہے سب۔''

''مینا کہاں ہے؟''

''اندر کہیں ہوگی..... کمرے ٹھیک کروا رہی تھی..... بلاؤں اسے؟''

''آپ سے پہلے بات کرلوں۔ پھر اس سے کروں گی..... بلوا بھیجیں اسے بھی۔''

نفیسہ بیگم نے فون قدرے ہٹاتے ہوئے منشی جی سے کہا۔

''منشی جی ذرا مینا کو بلائیے گا..... کہیے گا جینی کا فون ہے۔''

''بہت اچھا۔'' منشی جی اٹھے اور سامنے والے دروازے سے اندر چلے گئے۔

''ہاں تو کہو جینی..... کتنا عرصہ ہو گیا تمہیں دیکھے ہوئے۔ یہ نہیں کہ کبھی ماں کے ساتھ چکر ہی لگا جایا کرو۔''

''اماں جانی میں کالج میں پڑھ رہی ہوں..... مینا کی طرح ایف اے کے بعد گھر نہیں بیٹھی۔''

''اچھا اچھا ٹھیک ہے۔''

"ہاں تو اماں جانی آپ لوگوں کو دعوت ہے۔"

"کیسی؟"

"میری انیسویں سالگرہ ہے۔"

"ہاں ہاں مبارک ہو..... اسی ہفتے تو ہے پندرہ کو۔"

"یاد ہے نا آپ کو؟"

"کیوں نہیں ماشاء اللہ دونوں بہنیں انیس کی ہو رہی ہو۔"

"مینا تو شاید چپکے چپکے سالگرہ گزار دیتی ہے لیکن میں ہر سال مناتی ہوں۔ اس سال تو بڑی دھوم دھام سے منا رہی ہوں۔"

"خدا مبارک کرے۔"

"خالی مبارک ہی نہ دیں۔ آپ اور مینا بھی شامل ہوں۔"

"ہوں۔"

"اماں جانی چپ ہو گئیں..... کیوں میں آپ کی کچھ نہیں لگتی نا..... آپ کو ضرور آنا ہوگا ورنہ میں روٹھ جاؤں گی۔"

"جینی بیٹی بات دراصل یہ ہے۔"

"کوئی بات وات نہیں سنوں گی۔"

"سنو تو....."

"جی۔"

"اسد آ رہے ہیں۔"

"کب! بچی..... کب آ رہے ہیں۔"

"اگلے ماہ کی پہلی کو پہنچیں گے۔"

"خوشی کی بات ہے اماں جانی۔ آپ تو بہت خوش ہوں گی۔"

"ہاں..... شکر ہے جیتے جی ان کے آنے کی خبر سنی ہے۔"

"اوہ اماں جانی..... ابھی آپ نے بہت بہت لمبا عرصہ جینا ہے۔"

"کون جانے۔"

''اماں جانی اچھا تا کیں کس دن آ کیں گی۔''

''جمیں بتایا ہے نا اسد آ رہے ہیں۔''

''وہ پہلی کو آ رہے ہیں اور میری برتھ ڈے پندرہ کو ہے۔''

''ان کے لیے گھر بھی تو ٹھیک ٹھاک کروانا ہے..... دوسرے میرے گھٹنوں میں خاصی تکلیف ہے۔''

''یہاں آ کر کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھائیں..... وہاں کیا گاؤں میں بیٹھی ہیں۔ وہی دقیانوسی ڈاکٹر کریم الدین کا علاج..... توبہ! اماں جانی میڈیسن میں بڑی طوفانی تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ یہاں آ کر کسی اچھے ڈاکٹر سے علاج کروائیں۔''

''بینا آ گئی۔''

بیگم نفیسہ نے فون اس کی طرف بڑھانے سے پہلے..... ''لو بینا آ گئی ہے۔ اس سے بات کر لو۔''

''ہیلو۔''

''ہیلو جینی۔''

''کیا حال ہے بینا۔''

''تم سناؤ۔''

''بھئی میری برتھ ڈے ہے۔''

''میری بھی تو ہے۔''

''تم تو شاید منانا بھول جاتی ہو..... میں ہر سال بڑے تزک و احتشام سے مناتی ہوں۔''

''خیر بھولتی تو نہیں داؤی اماں حویلی میں اس دن چھوٹی سی محفل جما ہی لیتی ہیں۔''

''اس دفعہ تمہیں اور اماں جانی کو بھی آنا ہوگا۔''

''خوشی ہوگی۔''

''اماں جانی کی شاید آنے کی مرضی نہیں..... سنا ہے اسد آ رہے ہیں۔''

''ہاں۔''

''وہ تو ابھی کافی دنوں بعد آئیں گے۔ تم لوگ زیادہ دنوں کے لیے نہ سہی دو تین

دن کے لیے ہی آ جاؤ۔"

"دادی اماں کی مرضی ہوئی تو ضرور آئیں گے۔"

"تو بہ بینا..... تم نے اپنے آپ کو ان کی مرضی کا اس قدر پابند کر رکھا ہے۔ آخر خود بھی تو کچھ ہو کوئی فیصلہ خود بھی کر لیا کرو۔ تمہاری اپنی ذات، اپنی شخصیت اور وجود ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن میں جو کچھ بھی ہوں انہی کے حوالے سے ہوں۔"

"حد ہو گئی..... پرانی باتیں..... خیر تم لوگ نہ آئے نا..... تو کمی ہو جائے گی۔"

"دادی اماں سے بات کر لو۔"

"تم نہیں کر سکتیں۔"

"میں ان کے ہر حکم کی پابند ہوں۔"

"بے وقوف ہو۔"

بینا ہنس پڑی۔

"کیا کہہ رہی ہے۔" دادی اماں نے پوچھا تو بینا نے فون ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ضد کر رہی ہے کہ ہم اس کی برتھ ڈے میں شامل ہوں..... آپ بات کر لیجیے۔"

"تم چلی جانا۔"

"میں اکیلی..... آپ نہیں جائیں گی۔"

"میرے گھٹنے اجازت نہیں دیں گے۔"

"کوئی بات نہیں دادی اماں..... دوائیاں ساتھ لے چلے گا۔"

وہ مسکرانے لگیں۔ "تو گویا جی تمہارا بھی چاہ رہا ہے۔"

"جینی کو دیکھے کافی مہینے ہو گئے ہیں۔"

"پھر ٹھیک ہے۔"

"آپ خود کہہ دیں لیں فون۔"

بیگم نفیسہ کمال نے فون اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ہیلو۔"

"جی اماں جانی۔"

''ٹھیک ہے بیٹے میں اور بینا شامل ہوں گے۔''

''اوہ اماں جانی..... آپ میرے قریب ہوتیں تو آپ کا منہ چوم لیتی۔''

''خوش رہو۔''

''کب آئیں گی۔''

''اطلاع کر دیں گے..... ایک دن پہلے تو پہنچیں گے ہی۔''

''بہت اچھی ہیں آپ۔''

چند ادھر ادھر کی باتوں کے بعد انہوں نے فون پھر بینا کو دے دیا۔ دونوں بہنیں چند لمحے باتیں کرتی رہیں۔ بینا بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔

O☆O

چائے پینے کے بعد بھی بڑے صاحبان اور بیگمات بیٹھی رہیں۔ ادھر ادھر کی باتیں ہو رہی تھیں..... بزنس، سیاست، حالات حاضرہ، فیشن اور مہنگائی بھی موضوع زیر بحث آئے تھے..... پھر ایک ایک کر کے مہمان اٹھنا شروع ہوئے۔

چائے بیگم شائلہ زیدی کے ہاں تھی۔ زیدی کاروباری سلسلے میں تقریباً ساری دنیا کا چکر لگا کر آئے تھے۔ بیگم نے جھٹ سے اپنے ملنے والوں اور دوستوں کو پارٹی دے ڈالی تھی۔ اس بزنس سے متوقع منافع بھی تو لاکھوں تک پہنچتا تھا۔

آصف، شائستہ اور جینی بھی آئے ہوئے تھے۔ جینی شائلہ کی بیٹی اور بیٹے گلو اور جانو کی دوست تھی۔ ان کے اور بھی ڈھیر سارے دوست اور سہیلیاں آئے ہوئے تھے۔

آصف اور شائستہ نے جانے کی اجازت چاہی۔ دونوں کچھ مہمانوں کے جانے کے بعد اٹھے۔

''تھوڑی دیر اور رکو شائستہ۔'' شائلہ نے کہا۔

''شام اتر چکی ہے۔'' شائستہ بولی۔

''کوئی بات نہیں ڈنر بھی یہیں ہو جائے۔''

''ڈنر کی کسر چھوڑی ہے..... اتنی ہیوی چائے کے بعد رات کھانا کون پسند کرے گا۔''

''بالکل۔'' آصف نے کہا۔

پھر

وہ جینی سے بولے ''چلو بیٹے''

"نہیں ڈیڈی۔" جینی اٹھ کر ان کے قریب آتے ہوئے بولی۔ "ابھی تو ہمارے سب ساتھی یہیں ہیں۔"

"ہلا گلا تو ابھی ہم نے کیا نہیں۔" گلو بولا۔

"بزرگ صاحبان جائیں پھر اپنی محفل سجے گی۔" جینی بولی۔

"تو پھر تم ابھی ٹھہرو گی۔" آصف نے کہا۔

"جی انکل۔" سلیم بھی ان کے قریب آ گیا۔

"اچھا بھئی..... زیادہ دیر نہ لگانا۔" آصف نے کہا۔

"شکریہ۔" جینی کے دوست اور سہیلیوں نے کہا۔ چند روز ہیں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ابھی ہلا گلا کرنے کو یہیں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

آصف اور شائستہ سب کو خدا حافظ کہہ کر باہر آ گئے..... جہاں گاڑیاں کھڑی تھیں۔ جینی اور عنصر بھی ان کے ساتھ آئے..... شمائلہ اور زیدی بھی باہر آ گئے۔

"گاڑی تو ہم لے جا رہے ہیں۔ تم کیسے آؤ گی۔" شائستہ نے سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں ہم چھوڑ آئیں گے۔" زیدی بولے۔

"میں چھوڑ دوں گا۔" عنصر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" شائستہ نے کہا۔

خدا حافظ کا تبادلہ ہوا۔ آصف گاڑی نکال کر گیٹ سے باہر لے گئے..... جینی اور عنصر اندر چلے گئے۔

شمائلہ اور زیدی دوسرے مہمانوں کو رخصت کرنے کے لیے وہیں کھڑے رہے۔

بزرگوں سے ڈرائنگ روم خالی ہوتے ہی لڑکے لڑکیاں اس پر قابض ہو گئے..... پرانی قدروں کے قائل تو نہ تھے کہ بزرگوں کے سامنے سمٹے سمٹائے بیٹھے رہتے..... اونچی آوازوں میں بولتے نہیں اور تہذیب و شائستگی کے دائرے میں ہر حرکت آتی۔ پھر بھی جتنا فری ان کے جانے کے بعد ہو سکتے تھے ان کے سامنے نہ ہو سکتے تھے۔ اب تو لڑکے لڑکیوں کی تمیز ہو رہی تھی۔ صوفے پر لڑکی بیٹھی ہے تو بازو پر لڑکا براجمان ہے۔ قالین پر لڑکا نیم

دراز ہے تو برابر میں لڑکی جا بیٹھی ہے..... ہنسی مذاق قہقہے فواروں کی طرح چھوٹ رہے ہیں۔ ایک کو دوسرے کے حوالے سے چھیڑا جا رہا ہے۔ کسی پر آوازہ کسا جا رہا ہے۔ کسی پر چوٹ کی جا رہی ہے..... کسی کو ستایا جا رہا ہے۔

شائلہ اور زیدی بھی ان لوگوں کو چھوڑ کر دوسری طرف جا چکے تھے۔

"لاؤ بھئی۔" تانی نے کہا۔

"کیا؟"

"ڈسکو پارٹی ہو جائے۔"

"بالکل بالکل۔" سب نے پرزور آوازوں سے تائید کی۔

"میوزک میوزک۔" سب چلائے۔

"ڈیک کدھر ہے تمہارا..... یونیم کے گانے ہو جائیں۔"

"ڈسکو میوزک۔"

"ڈانس۔"

"واہ واہ۔"

"لائٹس بھی تو ہیں تمہارے پاس۔"

"بالکل بالکل..... ابھی لو..... سب کچھ تیار مل جائے گا۔ تم ڈانس کے لیے جوڑے تیار کرو۔"

"سب ہی ڈانسر ہیں۔"

"نہیں بھئی ہارون، لیلیٰ اور افقی بہتر ڈانسر ہیں۔"

"اچھا جی..... تو جینی کا کسی کو پتہ ہی نہیں۔"

"ڈانس کرتی ہیں..... ہم جانتے ہیں بھئی..... ان کا پارٹنر کون بنے گا۔ یہ تو بتا ہی چکا ہوتی ہیں ناچتے ہوئے۔"

سب ہنس پڑے۔

ٹکو اور جانو ڈیک اور لائٹس فٹ کرنے لگے..... ان کا ساتھی عنصر نے بھی دیا۔ باقی سب چاندی کی طشتریوں میں پڑے ڈرائی فروٹ سے شغل کرتے ہوئے باتوں

میں مشغول ہو گئے۔

ڈسکو پارٹی کے لیے ماحول بنا دیا گیا۔ ہیڈ لیٹر میں جلنے والے دو دھیا روشنی کے قمقمے گل کر دیے گئے..... پردے کھینچ کر باہر سے آنے والی روشنی کا بھی سدباب کیا گیا..... دیوار گیر لائٹس بھی بجھا دی گئیں..... ہلکے ہلکے رنگا رنگ بلب جلنے اور بجھنے لگے۔

ایک جوشیلی انگریزی دھن کا کیسٹ لگا دیا گیا۔ موسیقی ہولے ہولے فضا کو مترنم کرنے لگی۔

"اٹھو بھئی۔"

"کون ناچے گا پہلے۔"

"نقی اور تاشی۔"

"جینی اور ہارون۔"

پھر تھوڑا سا تکلف ہوا۔ "پہلے آپ۔"

"پہلے تم۔"

ساتھیوں نے شور سا مچا دیا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"تکلف کیسا۔"

"چلو اٹھو۔"

"شروع ہو جاؤ۔"

"وقت ضائع کیا جا رہا ہے۔"

ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں۔

"جینی تم اٹھو۔" عنصر نے جینی سے کہا۔

"میرے پارٹنر بنو گے۔" جینی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کہو تو عمر بھر کے لیے بن جاؤں۔" عنصر نے شوخی سے کہا۔

"ہوں جی۔" جینی نے شرمانے کی ایکٹنگ کی۔ سب نے اک قہقہہ لگایا۔

عنصر نے جینی کا ہاتھ پکڑا اور اسے صوفے سے اٹھا کر ڈرائنگ روم کے درمیان

اپنے مقابل کھڑا کر لیا۔

''شاباش.... شاباش۔''

''ہرا۔''

''شروع ہو جاؤ۔''

''عنصر تم بھی ناچ سکتے ہو۔''

کسی نے پوچھا تو وہ مزاحیہ انداز میں بولا۔ ''ناچ سکتا ہوں' نچا سکتا ہوں۔''

کسی نے اس کی بات پر سیٹیاں بجائیں تو کسی نے تالیاں۔

جینی نے ہنس کر کہا۔ ''دیکھ لیتے ہیں۔''

پھر اس نے اپنے پہنے ہوئے رسی نما دوپٹے کو گلے سے اتارا دائیں کندھے پر سے لے جاتے ہوئے بائیں پہلو پر دونوں سروں کو پکڑ کر گرہ لگائی.... کرتے اور موری والے پائنجامے کو ٹھیک ٹھاک کیا۔ بالوں کو جھٹکے سے پیچھے کیا۔ دونوں ہاتھوں سے چٹکیاں بجاتے ہوئے اس نے بازو پھیلا کر عنصر سے کہا۔ ''تیار ہو جاؤ۔''

''بالکل۔'' وہ بھی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''میوزک۔'' جینی ککو سے بولی۔ ''ریورس کرو پھر سے شروع.... آواز بھی اونچی ہو۔''

ککو اٹھ کر ڈیک کے قریب جا بیٹھا۔ گانا ریورس کرنے لگا۔

کیسٹ نئے سرے سے شروع کرنے سے پہلے وہ بولا۔ ''ریڈی۔''

''او کے۔'' عنصر نے کہا۔

سب جیسے پوزیشن سنبھال کر بیٹھ گئے۔ صوفوں پر' سٹولوں پر' سیٹی اور میزوں پر لڑکے لڑکیاں چڑھ بیٹھے۔

ہینڈسم اور سمارٹ پیئر ڈانس کرنے والا تھا۔ جینی کو ناچتے تو بارہا دیکھا تھا.... عنصر آج پہلی دفعہ جینی کا پارٹنر بن رہا تھا.... نئے جوڑے کی کارکردگی سب کے لیے تجسس بنی ہوئی تھی۔

ککو نے کیسٹ آن کیا۔ ''ایک دو تین۔''

اور تین کی آواز کے ساتھ ہی میوزک بج اٹھا اور جینی عنصر کے جسموں میں ارتعاش پیدا ہوا..... دونوں کے پاؤں تھرکنے لگے۔ ہاتھ تھرکنے لگے..... جسم تھرکنے لگے..... جینی کے جسم کا لوچ اور گداز پن بڑا خوبصورت تھا..... یوں لگتا اس کے جسم میں ہڈی نام کی کوئی چیز نہیں..... نرم نرم گوشت اور ریشمی لچھوں سے ہی اس کا وجود ترتیب پایا ہے۔

عنصر بھی بے حد سمارٹ اور دلکش مرد تھا..... اس کی حرکات بھی سنبھلی ہوئی تھیں۔ اس پارٹی میں وہ پہلی بار ناچ رہا تھا لیکن وہ ناچنا واقعی خوب جانتا۔ اس کے پہلے تلے سٹیپس ڈانس پر مہارت کا پتہ دیتے تھے۔

میوزک آہستہ آہستہ شروع ہوا تھا۔ ڈانس بھی آہستہ آہستہ آغاز پذیر ہوا..... عنصر اور جینی ایک دوسرے کے سامنے اپنے اپنے جسموں کو میوزک کے سنگ دھمال رہے تھے۔ میوزک آہستہ آہستہ تیز ہو رہا تھا..... ڈانس بھی اسی رفتار سے زور پکڑ رہا تھا..... پاؤں میں اضطراری حرکت تھی۔ بازو لہرا لہرا کر سٹ رہے تھے۔ کبھی کبھی ہاتھ چٹکیاں بجاتے کبھی اپنی اپنی رانوں کو بجاتے۔ تو ہو ہا کی آوازیں زوردار ہو جاتیں۔

میوزک تیز ہوتا جا رہا تھا..... اس کے ساتھ ہی قدموں میں تیزی آ رہی تھی۔ گھماؤ زوردار ہو رہے تھے۔ بازو پانی میں تیرتی مچھلیوں کی طرح اٹھتے گھومتے اور سمٹتے تھے..... داد دی جا رہی تھی۔ کسی کسی خوبصورت ایکشن پر بے ساختہ داد دی جاتی زور سے سیٹیاں بجائی جاتیں۔

جوں جوں میوزک تیز ہو رہا تھا..... دیکھنے والوں کا اشتیاق بھی بڑھ رہا تھا..... ہوائے شوق شور شرابے پر اکسا رہی تھی..... میوزک کے ساتھ ساتھ سب تالیاں بھی بجانے لگے تھے..... چیخیں بھی بلند ہو رہی تھیں۔ شور مچایا جا رہا تھا۔

عنصر اور جینی تو جیسے سب سے بے نیاز اپنے آپ ہی میں گم تھے۔ دونوں جب آمنے سامنے رقص کرتے آتے تو ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرا دیتے۔ جب وہ کندھے سے کندھا ٹکراتے یا کولہے سے کولہا ٹکرا کر قریب سے دور ہوتے تو داد کا شور مچ اٹھتا..... جینی کے پہلو میں دل دھڑک اٹھتا اور عنصر کے جذبات مچل جاتے۔

میوزک تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا تھا..... لال نیلی پیلی اسکولائٹس بجھتی

تھیں..... ہاؤ ہو کا غلغلہ تھا داد دی جا رہی تھی۔ تالیاں زور زور سے پیٹی جا رہی تھیں..... دم کے ساتھ تالیوں کی گونج بھی جوش و خروش میں اضافہ کر رہی تھی..... رقص بھی تیز تر ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا بجلیاں لپک رہی ہیں۔

پھر میوزک تیز ترین ہو گیا۔

رقص بھی اسی رفتار سے بجلیوں کی لپک بننے لگا۔

اب میوزک انتہا کو پہنچ کر ایک دم رک جاتا..... یہ لمحہ رقص کا انتہائی خوبصورت لمحہ ہوتا..... رقص رکتا تو جیسے کائنات رک جاتی لیکن دوسرے ہی لمحہ میوزک کی شوریدہ سری شروع ہو جاتی اور ساکت وجود پھر سے متحرک ہو جاتے۔ اب کندھوں اور کولہوں کا ٹکراؤ بار بار ہوتا..... چنگیاں سرعت سے بجتیں..... اور رقاص ایک دوسرے کے اوپر تیزی سے جھکتے چلے جاتے۔ کبھی عنصر اپنا پورا وجود پیچھے کو لے جاتا اور جینی پورے جذباتی انداز میں جھکتی چلی جاتی۔ کبھی جینی کا لچکدار بدن بل کھاتا لہراتا پیچھے کو ہوتا جاتا۔ یوں لگتا ابھی قالین پر لیٹ جائے گی..... اسی انداز سے عنصر اس پر جھکتا چلا جاتا..... اس وقت جو شور تھا جو تالیاں گونجتیں جو سیٹیاں بجتیں..... یوں لگتا جوانوں کی یہ جواں محفل چھت اڑا دے گی۔

وہ دونوں گھنٹہ بھر محو رقص رہے۔ دل کی دھڑکنیں قربتوں میں ڈھلتی گئیں۔ آنکھوں کا خمار ایک دوسرے کو منتقل ہوتا رہا۔

آخری دور تو جنونی سا تھا..... میوزک چیخ رہا تھا۔ عنصر اور جینی کے جوش جذبات سے چہرے گلنار تھے..... حرکات رعد و برق کی سی تھیں۔ جوش اپنی انتہا کو چھو رہا تھا..... پاؤں تھرک رہے تھے جسم پھڑک رہے تھے۔ سر بازو کولہے سینے ٹانگیں سب متحرک تھے کہ ایک دم میوزک انتہا کو پہنچ کر رک گیا۔

جینی اور عنصر بازو پھیلائے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے ساکت ہو گئے۔ دونوں سر جھکا کر کورنش بجا لائے۔ شور مچا داد ملی..... چیخیں سیٹیاں تالیاں دیر تک گونجتی رہیں۔ عنصر جینی کو بازو کے سہارے ایک صوفے تک لے آیا۔ دونوں اس داد پر حاضرین کا شکریہ ادا کرنے لگے..... دونوں ایک ہی صوفے پر بیٹھ گئے۔ ایک دوسرے کی ہوشربا قربت سے دونوں ہی سرشار نظر آ رہے تھے..... ارد گرد کھڑے ساتھی داد دے رہے تھے۔

''بہت اچھا ڈانس کیا جینی۔''

''عنصر آپ نے بھی کمال کر دیا۔''

''یہ ریہرسل بڑا شاندار ہے۔''

''ہمیں تو اب ان کے سامنے ناچتے ہوئے شرم آئے گی۔''

''بالکل۔''

''چھپے رستم نکلے دونوں۔''

کبھی تعریف و توصیف میں مصروف تھے۔ جینی اور عنصر ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھ رہے تھے..... شکریہ ادا کر رہے تھے۔

ان کے بعد لیلیٰ اور ہارون سے ناچنے کی فرمائش کی گئی..... پہلے تو انہوں نے قدرے تکلف کیا۔ پھر دونوں جینی اور عنصر کے کہنے پر میدان میں آ گئے۔

جینی نے ہنس کر کہا۔ ''بھئی آج کے ڈانس ریہرسل کے طور پر ہو رہے ہیں..... میری برتھ ڈے پارٹی میں سب کو ڈانس کرنا ہوگا۔''

سب نے تائید کی۔

لیلیٰ اور ہارون آہستہ آہستہ میوزک پر ناچنا شروع ہو گئے۔

دیر تک یہ محفل جاری رہی۔

رات کافی اتر آئی تھی۔ جب یہ ہلا گلا کرنے والے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں سکو جانو سے اجازت لے کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔

عنصر نے جینی کو گھر چھوڑنا تھا..... جینی اس کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی۔

○☆○

بھٹے ایسے ریشمی سنہری بالوں نیلی آنکھوں اور گوری چمڑی والی نازک اندام حسینہ ڈیزی نے اسد کو الوداعی پارٹی دی تھی۔ دونوں بیچ پر ایک چھوٹے سے کیفے میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ ڈیزی نے صرف اسد کو بلایا تھا۔ اپنی اس آخری ملاقات میں وہ کسی کی شرکت پسند نہ کرتی تھی۔

ایسے ہی اس رات مونا نے بھی اسد کو ڈنر دیا تھا۔ شہر کے سب سے بڑے ہوٹل میں وہ اسے لائی تھی اور کوئی سو ڈالر اس کی خاطر مدارات پر خرچ کر ڈالے تھے۔ اسد اس کے خلوص سے متاثر بھی ہوئے تھے۔ سیاہ بالوں اور کالی آنکھوں والی یہ صحرائی سی لڑکی انہیں اچھی لگتی تھی۔ اس کے ساتھ انہوں نے کافی دن گزارے تھے۔ دوستی تھی، تعلقات تھے لیکن شادی کا مطالبہ نہ تو کبھی مونا نے کیا تھا اور نہ ہی اسد نے خواہش ظاہر کی تھی۔

اب دونوں اسی طرح بچھڑ رہے تھے جس طرح ملے تھے۔ ملتے وقت کوئی وعدے وعید ہوئے تھے نہ بچھڑتے وقت..... مونا دکھی ضرور نظر آ رہی تھی۔ اسد بھی متاثر تھے..... لیکن ایسی کوئی بات نہ ہوئی تھی..... جس میں مستقبل کے لیے کوئی بھی گنجائش ہوتی۔

مونا نے صرف اسی قدر کہا تھا۔ "تم میری زندگی سے ہمیشہ کے لیے جا رہے ہو۔"

اسد بولے تھے۔ "اک سہانی یاد ہمیشہ قائم رہے گی۔"

"اس سے کوئی فائدہ نہیں..... ہمیں حقیقت کا سامنا کرنا چاہیے۔ میں یہاں کوئی اور ساتھی تلاش کر لوں گی۔ تم وہاں اپنا ساتھی منتخب کر لو گے۔"

"ویسے یہ حقیقت ہے۔"

''تمہاری کزن تمہاری منتظر ہو گی۔''

''شاید۔''

''اسی لڑکی سے شادی کرو گے؟''

''خدا بہتر جانتا ہے۔ ویسے شادی کے معاملے میں وہاں جا کر شاید میں اتنا بااختیار نہ رہوں۔''

''کیوں؟''

''میری دادی اماں مختار کل ہیں۔''

''یعنی۔''

''بس ہمارے معاشرے میں ابھی یہ قدریں باقی ہیں۔۔۔ان کا احترام کرنا پڑتا ہے۔''

''تمہیں ضروری بات ہے کہ وہ لڑکی پسند آئے گی۔''

''شاید۔۔۔اور شاید نہ بھی آئے۔۔۔ جب میں آیا تھا تو وہ تیرہ چودہ سال کی تھی۔۔۔حالات و خیالات بدلتے دیر نہیں لگتی۔''

''تم اسے پسند کرتے ہو۔''

''اس وقت کرتا تھا۔''

''اب۔''

''اب کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''وہ بہت خوبصورت ہے۔''

''ہاں۔۔۔خوبصورتی ہمارے خاندان کی وراثت چلی آ رہی ہے جیسے زمینیں، دھن دولت اسی طرح حسن بھی۔''

''واقعی۔''

''ہاں۔''

''میرے والد بے حد خوبصورت تھے۔۔۔میرے تایا بھی اور میری دادی ماں بھی حسین ترین عورت تھیں۔۔۔اسی طرح جینی بھی بہت خوبصورت ہے اور رینا بھی۔''

''تم بھی۔''

"ہاں شاید میں بھی۔"

"تم بے حد سمارٹ، دلکش اور حسین مرد ہو۔"

"شکریہ۔"

"کاش....."

وہ چپ ہو گئی تھی..... اسد جانتے تھے کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔ چشم پوشی میں مصلحت تھی۔ انہوں نے بات ہی بدل دی..... بولے۔

"مونا تم نے جس فراخدلی سے آج کی دعوت پر خرچ کیا ہے۔ میں ممنون ہوں۔"

"معمولی بات ہے اسد..... ایسے مواقع روز نہیں آتے۔ ہم اچھے دوست رہے ہیں۔ دوستی کی خاطر یہ اہتمام ایسا نہیں کہ تم احسان سمجھو۔"

دونوں دیر تک چاندنی رات میں ڈرائیو کرتے رہے تھے۔ پھر مونا کو اس کے اپارٹمنٹ میں چھوڑ کر اسد واپس آ گئے تھے۔

وہ رات انہوں نے خاصی بے چینی میں گزاری تھی۔ ساتھ چھوٹنے اور ٹوٹنے کا احساس تکلیف دہ تھا۔

وہ سوچ رہے تھے..... کہ چپکے چپکے کئی جذبے دل کے اندر خود رو پھولوں کی طرح آپ ہی آپ اُگ آتے ہیں..... ان کو اکھاڑ پھینکنا آسان تو نہیں ہوتا..... مہک کا بھی تو انسان عادی ہو جاتا ہے۔

آج وہ ڈیزی کی صحبت میں یہاں بیٹھے تھے۔ ڈیزی خاصی جذباتی ہو رہی تھی۔ اس کا بس چلتا تو اسد کے گلے کا ہار ہو جاتی..... اس کی نیلگوں آنکھوں کے سمندر میں تلاطم بپا تھے۔

"تم مجھے بہت ڈسٹرب کر کے جا رہے ہو اسد۔"

"مجھے جانا ہی تھا۔"

"میں تمہاری محبت میں ڈوبتی جا رہی ہوں۔ میں نہیں جانتی تمہارے جانے کے بعد میرا کیا ہو گا۔"

"ہم اچھے رفیق رہے ہیں۔ یادوں میں کوئی تلخی نہ ہو گی۔"

"تلخی تو تم اب گھول کر جا رہے ہو۔ مجھے تو تمہاری ان کزنوں سے جیلسی ہو رہی

ہے..... جن کے بارے میں تم اکثر و بیشتر بتایا کرتے تھے۔"

اسد مسکرا دیئے۔

"میرا جی چاہتا ہے اڑ کر ان تک پہنچوں اور انہیں بتا دوں کہ تم مجھ سے پیار کرتے ہو۔"

"نہ..... نہ۔"

"بالکل نہیں۔"

"اور کیا ہو..... اسد تمہیں مجھے چھوڑنے کا ذرہ بھر دکھ نہیں۔"

"ہے۔"

"پھر؟"

"پھر کیا ہو سکتا ہے۔"

"تم رک بھی سکتے ہو۔"

"بالآخر جانا پڑے گا۔ میں یہاں سیٹل تو نہیں ہو سکتا نا۔"

"تمہیں اس مشرقی لڑکی کی یاد کھینچ رہی ہے۔"

"مجھے اپنی دادی ماں کی یاد کھینچ رہی ہے..... وہ بہت کمزور ہو گئی ہیں اور میرا ان کے پاس ہونا ضروری ہے۔"

"وہ لڑکی بھی تو وہیں ہو گی۔"

"کون سی؟"

"تمہاری کزن..... جس کے بارے میں تم بتایا کرتے تھے۔"

"ہاں۔"

"تم اسے بہت پیار کرتے ہو؟"

"دیکھو ڈیزی پیار ہم سب پیاری چیزوں سے کرتے ہیں۔ میں پیار تم سے بھی کرتا ہوں..... اپنے دوستوں سے بھی کرتا ہوں۔ اپنی دادی ماں سے بھی کرتا ہوں۔ اپنی دونوں کزنوں سے بھی کرتا ہوں۔"

"دونوں سے ایک طرح کا پیار کرتے ہو۔"

"پیار کی قسمیں بھی ہوتی ہیں؟"

"ہاں۔"

"میں فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

ویٹرس نے کھانے پینے کی چیزیں میز پر رکھ دیں اور شراب کے خالی گلاس اٹھا لیے۔

ڈیزی کا بس نہیں چلتا تھا کہ اسد کو دل میں چھپا لے اسے جانے سے روک لے۔ اس کی باتوں اور حرکتوں سے اسد محظوظ بھی ہو رہے تھے اور کوفت بھی ہو رہی تھی۔ انہیں اس کے مقابلے میں مونا بڑی بلند اور باوقار لگ رہی تھی۔

لیکن

ڈیزی کا بھی کیا قصور..... اسد کے ساتھ وہ کتنے ہفتوں سے رہتی چلی آ رہی تھی..... اسد کا اس لحاظ سے قصور نہ تھا کہ انہوں نے اسے بھی مستقبل کا کوئی سہانا خواب نہیں دکھایا تھا۔ یہاں کے ماحول اور معاشرے کی قدروں کے لحاظ سے وہ ڈیزی کے قریب رہے تھے۔ یہ کوئی بڑی بات نہ تھی۔ یہاں ہر لڑکی کا بوائے فرینڈ اور ہر لڑکے کی گرل فرینڈ لازمی تھی..... ڈیزی ان کی طرف بڑھی تھی' کوئی سودا نہ ہوا تھا۔ خوشی کا معاملہ تھا۔ یہ لڑکی اسد کے اپارٹمنٹ میں ان کے ساتھ کئی ہفتے گزار چکی تھی۔ شادی کا وعدہ تو لینے کی ضرورت ہی نہ ہوتی تھی..... ویسے بھی ان سے پہلے ڈیزی کئی لوگوں کے ساتھ ایسے تعلقات قائم کر چکی تھی..... یہ بات اس کے ماحول میں کسی حد تک معیوب بھی نہ تھی اور اس پر باز پرس کرنے والا بھی کوئی نہ تھا..... یہ تو روزمرہ کے معمول میں عام سی باتیں تھیں۔

ساتھ رہنے سے رفاقتوں میں بے تکلفی گھلنے سے..... اور ایک دوسرے کی ذہنی اور جسمانی ضرورتیں پوری کرنے سے لگاؤ تو ہو ہی جاتا ہے۔ یہ لگاؤ ٹوٹنے سے تکلیف بھی ہوتی ہے..... کوئی اس تکلیف کو خاموشی سے سہہ جاتا ہے اور کوئی ہائے وائے کرتا ہے۔

مونا نے شاید سب کچھ اپنے اندر اتار کر خاموشی اختیار کر لی تھی..... لیکن ڈیزی اس سے بالکل مختلف تھی..... وہ اظہار کا طوفانی طریق اختیار کیے ہوئے تھی۔

مونا نے بھی بینی اور بینا کے متعلق پوچھا تھا لیکن ڈیزی تو ان ان دیکھی لڑکیوں کے لیے دل میں نفرت کے پہاڑ محسوس کر رہی تھی۔

بڑی تلخی سے بولی۔ "تمہاری کزنز بہت حسین ہیں۔"

"ہاں۔"

"مجھ سے بھی زیادہ۔"

"میں نے انہیں پانچ چھ سال سے نہیں دیکھا..... جوان لڑکیاں ہیں وہ اب۔"

"اور جوانی خود ہی حسن ہے۔"

"ویسے وہ دونوں بہت خوبصورت تھیں۔"

"تم دونوں کو چاہتے ہو۔"

"بہتر ہے کوئی اور باتیں کریں..... ہمارے ہاں چاہنا اتنا آسان کام نہیں ہوتا۔"

"دونوں میری کزن ہیں مجھے پیاری ہیں۔"

"شادی انہیں میں سے کسی ایک کے ساتھ کرو گے؟"

"ہو سکتا ہے۔"

"تمہاری پسند کا دخل ہوگا؟"

"ہونا چاہیے۔"

"تم ابھی سے ذہنی طور پر تیار ہو۔"

"ہمیں بچپن سے ہی ذہنی طور پر تیار کر دیا جاتا ہے۔"

"تم کس لڑکی کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو یا تمہیں کس کے لیے ذہنی طور پر تیار کیا گیا ہے۔"

"دیکھو ڈیزی ہم یہاں آخری بار ملنے کو آئے ہیں..... بہتر ہے کوئی اور باتیں کریں..... وہاں جا کر کیا ہوگا' یہ باتیں کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔"

"تمہاری سیٹ بک ہو چکی ہے۔"

"ہاں اٹھائیس کو میں یہاں سے چلا جاؤں گا..... دو ایک دن پیرس ٹھہروں گا۔"

"تمہارا سامان شپ ہو گیا۔"

"اسلم نے کروا دیا ہوگا۔"

"تم نے اپنی کزنز کے لیے پریزنٹ خریدے ہوں گے۔"

"ہاں۔"

''کیا خریدا؟''

''مختلف چیزیں۔''

''کوئی خاص؟''

اسد نے گلاس ہونٹوں سے لگا کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ ''تم بار بار پٹڑی سے اتر جاتی ہو..... اپنی باتیں کرو..... چھوڑو ان کو۔''

وہ بھی گلاس اٹھا کر آہستہ آہستہ سپ کرنے لگی۔

اسد کا ہاتھ اپنی جیب کی طرف گیا جس میں نازک سی ڈائمنڈ کی رنگ تھی جو انہوں نے کسی خوش کن خیال کے تحت مینا کے لیے خریدی تھی اور ننھے ننھے ڈائمنڈ کے ٹاپس تھے جو جینی کے لیے تھے۔

یہ شاپنگ انہوں نے آج ہی کی تھی۔

ڈیزی اپنی محبت کے رونے روتی رہی..... بار بار ان لڑکیوں کے لیے خریدے گئے تحائف کا پوچھتی رہی۔

اسد نے اسے دوسری باتوں میں لگا لیا۔

جب وہ ریسٹورنٹ سے باہر نکلے تو چاندنی رات میں نیچے پر دیر تک ایک دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈالے ٹہلتے رہے..... جدا ہونے سے پہلے ڈیزی اسد کی چھاتی سے لگ کر سسکنے لگی۔

اسد اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے تسلی دیتے رہے..... ڈیزی نے ان کے ہونٹوں میں اپنے ہونٹ بڑی والہانہ سپردگی سے پیوست کر دیئے..... اسد نے بھی جذبات کی گرمی اس کے ہونٹوں میں پوری شدت سے انڈیل دی۔

O☆O

''بیٹا بیٹی۔''

''جی دادی ماں۔''

''موی اور صاحباں تیار ہو گئیں؟''

''جی۔''

''تم نے اپنا سوٹ کیس دوبارہ چیک کر لیا۔ ساری چیزیں رکھ لی ہیں ناں۔''

''ہاں دادی ماں..... تین چار دنوں کے لیے تو جا رہے ہیں۔''

''پھر بھی..... ہر چیز ساتھ ہونی چاہیے..... سالگرہ کے دن کیا پہنو گی۔''

''ساڑھی۔''

''پھر وہی..... غرارہ نہیں رکھا۔''

''دادی ماں بہت بھاری جوڑا ہے وہ۔''

''تو کیا ہوا ایسے موقعوں پر ہی تو پہننے کے لیے بنوایا ہے..... وہاں جانے کتنے لوگ اکٹھے ہوں گے۔ جینی نے بتایا تھا کہ بہت بڑے پیمانے پر تقریب ہو رہی ہے۔''

''جیسے آپ کہیں رکھ لیتی ہوں وہ بھی۔''

''بچی..... یہ تو اب تمہارے سوچنے کی باتیں ہیں..... اب تم ماشاء اللہ جوان ہو..... رکھ رکھاؤ اور اوڑھنے پہننے کا تمہیں خود پتہ ہونا چاہیے..... یہ بھی احساس ہونا چاہیے کہ تم ایک جاگیردار گھرانے کی بیٹی ہو۔''

''ہائے دادی ماں..... ضرور ہے کہ امارت کپڑے اور زیور سے ہی ظاہر ہو۔''

"ظاہر کا کیا مطلب..... اللہ نے اتنا کچھ دیا ہے تو کس لیے رکھا ہے۔ میں تو تمہارا بھاری زیور بھی ساتھ لے جا رہی ہوں۔ سالگرہ پر پہننا ہوگا۔"

بینا چپ ہوگئی۔ دادی ماں کے حکم کے سامنے سر جھکانا ہی اس نے سیکھا تھا۔ وہ جو کچھ کہتیں بینا بلا چون و چرا مان لیتی..... جینی کی سالگرہ میں شریک ہونے وہ اور دادی ماں جا رہی تھیں..... دو نوکرانیاں حویلی کے معمر ملازم نظام کے ساتھ بذریعہ ریل گاڑی ایک دن پہلے بھجوانے کا اہتمام تھا..... ان کے ساتھ سامان بھی بھیجنا تھا۔

بینا اور دادی ماں نے ہوائی جہاز جانا تھا۔

"منشی جی سے پتہ کروالیا ہے..... ہماری سیٹیں بک ہو چکی ہیں۔" دادی ماں نے کہا۔

"جی ہاں۔"

"آج مومی اور صاحباں شام کی گاڑی سے نظام کے ساتھ چلی جائیں گی۔"

"جی دادی ماں۔"

"ٹھیک ہے۔"

"ان کو پوری طرح سمجھا دیا ہے نا۔"

"بالکل بالکل دادی ماں آپ بے فکر رہیں..... آپ یہ بتا دیں کہ آپ کا سوٹ کیس اور بیگ بھی ان کے ساتھ جائے گا یا ہم ساتھ لے جائیں گے۔"

"بھاری سامان ان کے ساتھ بھیجنا ہے..... ہینڈ بیگ اور زیور والی صندوقچی میں اپنے ساتھ رکھوں گی۔ تم بھی چھوٹا بیگ ساتھ لے لو..... باقی سامان وہ لے جائیں گے..... وہ ہم سے ایک دن پہلے پہنچ جائیں گے..... کمرے درست کر کے ہمارے کپڑوں الماریوں میں لگا دیں گے۔"

"جی۔"

"شائستہ کو فون کر دیا ہے میں نے۔"

"جی۔"

"ہاں..... تم چمن کر کون سے کپڑے جاؤ گی۔"

"شلوار قمیص۔"

''بالکل سادہ کپڑے نہیں پہنو گی۔''

''ہائے دادی ماں سفر میں تو سادہ ہی پہنوں گی نا۔''

''پگلی..... وہ فیروزی جوڑا پہن لینا جس کے دوپٹے کے کنارے سنہری بنے ہوئے ہیں۔''

بینا نے کچھ کہنا چاہا لیکن دادی اماں نے اس جوڑے کے ساتھ فیروزے کے ہلکے سے سیٹ کا بھی حکم دے دیا اور ہاتھوں میں نازک نازک سی طلائی چوڑیاں بھی پہننے کی تاکید کی۔

''نہیں دادی ماں۔'' بینا مچل گئی۔ ''وہاں سالگرہ کے دن جو کہیں گی پہن لوں گی۔ سفر میں کوئی زیور نہیں پہنوں گی۔''

اس نے پیار سے دادی کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

اسی شام مومی صاحبان اور نظام روانہ ہو گئے..... تین دن کے لیے تو جانا تھا لیکن دادی پوتی کے دو دو سوٹ کیس ساتھ گئے بینا کے تو انہوں نے کئی جوڑے زبردستی ہمراہ کر دیئے تھے۔

بیگم نفیسہ کمال رکھ رکھاؤ کی قائل تھیں۔ پرانی قدروں کو سینے سے لگائے تھیں..... اپنے اصول وضوابط تھے۔ انہیں پر سختی سے کاربند رہتی تھیں..... وقت بدل گیا تھا' زمانہ بدل گیا تھا..... لیکن ان کی سوچ اپنی ہی تھی..... جس شاہانہ انداز میں انہوں نے زندگی شروع کی تھی اور گزاری تھی۔ اس پر اب بھی کاربند تھیں..... بینا کو ان کی کئی باتوں سے اختلاف ہوتا تھا لیکن انہیں کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ ہاں کبھی پیار سے اپنی من مانی کر لیتی تھی۔ اس کے کردار کی ساخت بھی تو انہیں کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ دو سالہ بچی تو گندھی ہوئی مٹی تھی..... جس چاک پر چڑھائی گئی..... اسی میں ڈھل گئی..... بینا کو بھی اپنی تہذیب سے عقیدت و پیار تھا۔ اسی لیے دادی ماں کی باتیں اسے بری نہ لگتی تھیں۔

دادی ماں نے بینا اور جینی کے ایک سے کنگن تحفہ میں دینے کے لیے نکالے۔ دونوں کی سالگرہ ایک ہی دن تھی نا۔ بینا صرف ایک گھنٹہ ہی تو جینی سے بڑی تھی۔ جڑاؤ کنگنوں کی یہ دو جوڑیاں بینا اور اسد کی ماؤں کو انہوں نے چڑھاوے میں دی تھیں۔ سنبھال کر رکھے ہوئے یہ کنگن انہوں نے بڑے سوچ وبچار کے بعد سالگرہ کے تحفے کے طور پر نکال کر رکھ لیے تھے۔

اسد کی امی کے کنگن بینا کو پہنانے کا ارادہ تھا اور بینا کی ماں کے کنگن جینی کو دینے تھے۔
بینا اور اسد کے رشتے کی بات انہوں نے ابھی کھل کر تو نہ کی تھی لیکن بچپن ہی سے یہ رشتہ طے کر رکھا تھا..... اسد کی واپسی پر وہ اس کار خیر کا ارادہ کیے ہوئے تھیں۔
اس کے علاوہ بھی بہت سارے تحائف انہوں نے شائستہ اور آصف کے لیے موی وغیرہ کے سامان میں بھجوائے تھے۔ علاقائی چیزوں کا شائستہ کو بہت شوق تھا۔ نفیسہ ماں تھیں بیٹی کے ہاں جا رہی تھیں۔ روایتی طریقے سے جا رہی تھیں۔
جس سہ پہر روانگی تھی۔ لال حویلی میں خاصی ہلچل تھی۔ بیگم صاحبہ کہیں نوکروں کو ہدایات دے رہی تھیں۔ کہیں منشی جی سے مغز ماری کر رہی تھیں۔ نوکروں کی بیویوں اور بچوں تک کو نصیحتوں کا سلسلہ جاری تھا۔
بینا ان کی باتیں سن سن کر مسکرا رہی تھی۔ ''دادی ماں آپ تو یوں کر رہی ہیں جیسے ہم لوگ تین چار دنوں کے لیے نہیں تین چار برسوں کے لیے جا رہے ہیں۔''
''تم نہیں سمجھتی بینا بیٹی..... لال حویلی کو ان لوگوں کے حوالے کر کے جا رہی ہوں۔''
''لال حویلی نہ ہوئی لال قلعہ ہو گیا۔''
''اپنے دور کا یہ لال قلعہ ہی ہے..... اس سے کم تو نہیں..... انشاء اللہ دیکھنا..... اسد واپس آ جائیں گے تو یہ لال قلعے سے بھی زیادہ شان و شوکت کی حامل ہو گی۔''
بینا کا دل اک خوبصورت غوطہ کھا گیا..... اسد آ رہے تھے..... اس کی آنکھوں میں انتظار کی شمعیں روشن ہو رہی تھیں۔
''میں تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر وقت دعا گو رہتی ہوں..... حویلی کا وارث آ جائے اور ایک بار پھر یہاں وہی چہل پہل وہی رونق اور وہی زندگی بیدار ہو جائے جو کبھی اس حویلی کی پہچان اور شناخت تھی۔''
''بہت رونق ہوا کرتی تھی دادی ماں۔''
''ہاں بینا..... تمہارے دادا ابا کی زندگی میں تو اسے بالکل اک محل کی سی حیثیت حاصل تھی..... اب تو نوکر چاکر بھی اتنے نہیں رہے۔ ان کے خاندان بھی اٹھ گئے یہاں سے..... ملنے ملانے والے بھی اتنے نہ رہے اور ضرورت مندوں نے بھی اب کوئی خاص

رابطہ نہیں رکھا..... وہ تو ایک دور تھا..... بیت گیا..... اب خدا کرے اسد کے آنے پر پھر وہ دن پلٹ آئیں۔"

"آپ کو امید ہے۔" بینا نے آہستگی سے کہا۔

"اللہ کی بارگاہ سے میں ناامید نہیں ہوں۔"

"اگر..... اگر انہوں نے اس پرانے طرز کی عمارت میں رہائش پسند نہ کی تو؟"

"ایسا نہیں ہوگا۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے۔ پانچ چھ سال امریکہ کی خوبصورت ترین سٹیٹ میں رہنے کا اثر ان پر ہو بھی سکتا ہے دادی ماں۔"

دادی ماں کا چہرہ اک لمحہ کو متفکر ہوا پھر مسکرا کر بولیں..... "میرا بچہ بالکل ویسا ہی ہوگا..... جیسا گیا تھا' بالکل بدلا نہیں ہوگا۔"

"جینی کے متعلق بھی آپ اکثر یہی کہتی تھیں لیکن وہ تو سرتاپا بدل چکی ہے۔"

"ہاں..... ہاں..... مجھے اس کے طور طریق بالکل پسند نہیں..... چند ماہ پہلے وہ آئی تھی تو میں نے خوب سمجھایا تھا..... لڑکیوں کو اتنی آزادی نہیں ملنی چاہیے۔ میں نے شائستہ کو بھی کہا تھا۔"

"بالکل لونڈا سا بنی پھرتی ہے وہ تو..... یہاں تو اس کا جی ہی نہیں لگتا۔ میرا کتنا دل چاہتا تھا کہ وہ میرے ساتھ مہینہ نہ سہی دو ہفتے ہی رہے۔"

"ہوں..... خیر..... چلو تم تیار ہو جاؤ..... میں نے سب کو ہدایات دے دی ہیں..... ہمیں فلائٹ سے بہت پہلے گھر سے نکلنا ہوگا..... بس پندرہ میل گاڑی میں جانا ہے۔"

"جی دادی ماں..... ہم ایک گھنٹہ پہلے یہاں سے چلیں گے۔"

"ایک گھنٹہ..... پگلی کہیں کی..... ہم ٹھیک ایک بجے یہاں سے چل دیں گے۔ کھانا آج جلدی کھا لیا جائے گا۔"

دادی ماں نے پیٹی رنگ کا خوبصورت ریشمی لباس پہنا..... سویٹر اور کشمیری اموں سی شال اوڑھی..... گلے میں سچے موتیوں کے کئی لڑیوں والا ہار پہنا..... کانوں میں اس کے ساتھ کے ٹاپس پہنے..... سنہری فریم کی نازک سی عینک پہنی۔

وہ بہت رعب دار خاتون تھیں..... اس لباس میں بڑی پروقار لگ رہی تھیں۔ بینا نے خوبصورت سرمئی رنگ کے سادہ سے کپڑے پہنے..... سردی کافی تھی..... اس لیے کوٹ اور جرسی بھی پہن لی..... دادی ماں کے اصرار پر گلے میں لاکٹ کانوں میں بندے اور ہاتھوں میں نازک طلائی چوڑیاں پہن لیں..... کامدانی دوپٹہ اس نے ان کے اصرار کے وجود نہیں اوڑھا۔

○☆○

جینی نے فون کان سے لگا رکھا تھا۔ وہ بڑی عجلت میں تھی۔ اس کی نظر بار بار وال کلاک پر پڑ رہی تھی..... لمبی چوڑی بات سننے کے بعد وہ مسکرائی..... اور بڑے پیار سے بولی۔

"عنصر..... اس وقت میں ایئرپورٹ جا رہی ہوں۔ رات فون کر لینا یا خود آ جانا..... ہاں بھئی میری اماں جانی اور بہن بینا ساڑھے چھ کی فلائٹ سے پہنچ رہی ہیں۔ انہیں ایئرپورٹ لینے جانا ہے۔"

عنصر گپ شپ لگانے کے موڈ میں تھا۔ ہنس کر بولا۔ "بڑی امپورٹنس دے رہی ہو ان لوگوں کو..... ہماری تو کچھ اہمیت ہی نہ ہوئی نا۔"

جینی مسکرائی پھر شوخی سے بولی۔ "اماں جانی اور بینا آ رہے ہیں..... کوئی لڑکا یا مرد نہیں آ رہا..... جو یوں جیلس ہونے لگے ہو۔"

"لڑکا ہو یا لڑکی..... جسے ہم سے زیادہ اہمیت ملے گی ہم ظاہر ہے کہ جیلس ہوں گے۔"

"بڑے بیک ورڈ ہو۔"

"اس سلسلے میں تو ہوں۔"

"توبہ خدایا لڑ بعد میں لینا..... مجھے ایئرپورٹ پہنچنا ہے پلیز..... اچھا بائے..... رات باتیں ہوں گی..... اچھا ہوگا..... تم بھی آ جانا..... میری اماں جانی اور بہن سے بھی مل لینا۔"

"وہی تمہاری جڑواں بہن؟"

"ہاں بینا..... ہزار مرتبہ اس کے بارے میں تمہیں بتا چکی ہوں۔ میری جڑواں بہن جس کی شکل مجھ سے بالکل نہیں ملتی..... لیکن جس کی آواز بالکل مجھ جیسی ہے۔"

"گڈ۔"

"اچھا بھئی خدا حافظ۔"

جینی نے فون رکھ دیا۔ گھڑی دیکھی اور تقریباً بھاگتے ہوئے ماں کے بیڈ روم کی طرف گئی۔

"ممی۔"

"وہ گاڑی میں بیٹھ چکی ہیں۔" ملازم لڑکے نے بتایا۔

"اوہ خدایا..... عنصر کے بچے نے خوامخواہ اتنا ٹائم ضائع کر دیا۔" وہ کوریڈور سے تقریباً بھاگتی ہوئی لاؤنج میں آئی..... ساتھ والے بیڈ روم میں لگے آئینے میں اپنے سراپا پر نگاہ ڈالی..... کھلے تراشیدہ بالوں میں جلدی جلدی برش کیا..... ہونٹوں پہ ہلکی سی لپک اسٹک کی تہہ جمائی اور بیگ جھلاتی باہر آ گئی۔

لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر آئی..... تو آصف شائستہ اپنی گاڑی اسٹارٹ کر چکے تھے۔

"بہت دیر ہو گئی جینی۔" شائستہ نے انگریزی میں کہا۔

"ہاں۔" آصف نے جواب دیا۔

"تم اپنی گاڑی لے جاؤ گی۔"

"ہاں ممی مینا کو میں لے آؤں گی..... اماں جانی کو آپ۔"

"ٹھیک ہے..... ہم نکل رہے ہیں۔ تم بھی پہنچو۔"

آصف گاڑی نکال لے گئے..... شائستہ نے اپنے بٹوے سے سنہری فریم والا چھوٹا سا آئینہ نکال کر اپنے چہرے کا جائزہ لیا۔

آصف مسکرا کر بولے۔ "بہت خوبصورت لگ رہی ہو..... زیادہ اہتمام کی ضرورت کیا ہے۔ تمہاری ماں ہی تو آ رہی ہیں۔"

"جی صاحب۔" شائستہ بولی۔ "آ تو ماں ہی رہی ہیں لیکن جا میں ایئرپورٹ رہی ہوں جہاں بہت سے جانے پہچانے چہرے ملنے کا امکان ہے۔"

"ویری گڈ۔" آصف نے ہنس کر کہا۔ "مجھے تو خیال ہی نہ رہا تھا۔ ہو سکتا ہے اسی فلائٹ سے کچھ جان پہچان والے اور لوگ بھی آ رہے ہوں۔"

"بالکل۔"

دونوں باتیں کرتے ہوئے ایئرپورٹ کی طرف جا رہے تھے۔ جینی کی گاڑی پیچھے نہیں آ رہی تھی۔

"جینی نہیں آ رہی پیچھے۔" شائستہ نے گردن موڑ کر دیکھا۔

"آ جائے گی' وہ اب بچی نہیں ہے شائستہ..... ایئرپورٹ کے راستے سے بھی بخوبی واقف ہے۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔"

"پھر دھیان ہماری طرف دو بیگم۔"

آصف شوخی کے موڈ میں تھے..... بولے۔ "کبھی کبھار تو اتنی اپنائیت بھری تنہائی میسر آتی ہے۔"

"تو کیا خیال ہے گاڑی کا رخ سمندر کے کسی سنسان ساحل کی طرف نہ موڑ لیا جائے۔" شائستہ نے بھی ہنس کر جواب دیا۔

اور آصف لہرا کر بولے۔ "وہ دن ہوا ہوئے وہ زمانہ گزر گیا۔"

"لگتا تو نہیں..... آپ تو آج بڑے رومینٹک ہو رہے ہیں۔"

"کہاں شائستہ..... اس مصروف زندگی میں تو رومانس کی جیسے گنجائش ہی نہیں رہی..... میں تو کبھی کبھی سخت بور ہو جاتا ہوں..... اس مشینی اور تیز زندگی سے۔"

"کچھ دنوں کے لیے لال حویلی چلے جاؤ۔" شائستہ نے شوخ سا طنز کیا تو آصف سنجیدگی سے بولے۔ "بہت جی چاہتا ہے۔"

"پھر۔"

"پھر یہ مصروفیات ہی دامن نہیں چھوڑتیں..... ورنہ جی تو بہت چاہتا ہے..... وہاں زندگی کتنی معصوم' خوبصورت اور سادہ ہے۔"

"اور یہاں؟"

"تصنع' بناوٹ..... ہر ایک نے اپنے چہرے نقابوں تلے چھپا رکھے ہیں..... کوئی اپنی اصل نہیں دکھاتا..... کوئی اپنا آپ ظاہر نہیں کرتا۔"

''تمہیں کوئی خوبی نظر نہیں آتی یہاں کی، ہما ہمی دوڑ بھاگ اور مصروفیت میں۔''

''نہیں..... یہ بات نہیں..... میں انکار نہیں کرتا..... نئی روشنی اور جدید تہذیب کے کچھ پہلو روشن بھی ہیں..... اور وقت کے ساتھ ساتھ چلنے کو میں برا نہیں کہتا..... ترقی کے لیے ہمہ وقت کوشاں بھی ہوں۔''

''پھر.....''

''پھر بھی..... کبھی کبھی جی چاہتا ہے کہ لال حویلی کا پرسکون ماحول ہو..... زندگی سچائی ہو..... خلوص اور پیار ہو..... بے لوث جذبات ہوں..... یہاں انسان انسان سے دور ہو گیا ہے..... وہاں ابھی یہ قدریں موجود ہیں کہ انسان کی انسانوں سے قربتیں باقی ہیں۔''

شائستہ ہنس پڑی..... آصف نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔

''کیوں؟''

''وہاں کا ماحول یہاں کے مقابلہ میں بالکل دیہاتی لگتا ہے۔''

''دیہاتی؟ تم نے غلط لفظ استعمال کیا ہے۔''

''چلو لفظ غلط ہے..... لیکن میرا مفہوم تم سمجھ گئے ہو۔''

''وہاں اماں جانی کے اصول و ضوابط کارفرما ہیں..... یا یوں کہہ لو..... کہ پرانی قدروں سے شناسائی ہے۔''

''جو اچھی علامت نہیں۔''

''اپنا اپنا خیال ہے۔''

''ٹھیک ہے..... اسد آ رہے ہیں..... انہیں ملنے تو جانا ہی ہے تم اپنا قیام طویل کر لینا۔''

''اگر کاروبار سے فرصت ملی تو۔''

''کوئی بات نہیں منیجر سنبھال لے گا..... ارشد اچھا ذمہ دار آفیسر ہے۔''

''ہوں۔''

''وہ جینی آ رہی ہے۔'' شائستہ نے گردن گھما کر دیکھتے ہی کہا۔

''ساتھ کون ہے؟''

''شاید کوئی دوست یا سہیلی۔''

''اسی لیے دیر کر دی ہو گی..... اب بہت تیز رفتاری سے آ رہی ہے۔''

''اب آپ سے آگے نکلنے کی کوشش کرے گی۔''

''ہاں میں جانتا ہوں..... تو میں خود ہی رفتار کم کر دیتا ہوں۔ نکل جائے آگے خوش ہو جائے گی ہماری بیٹی..... کہ باپ کو مات دے لی۔''

''بچوں کو ننھی منی خوشیوں کے لیے ماں باپ خوشی سے مات کھا جاتے ہیں۔''

''واقعی۔''

دونوں سپیڈ کم کر کے باتیں کرتے جا رہے تھے کہ جینی زن سے گاڑی قریب سے نکال کر لے گئی..... اس کی شوخ سی خوشی سے بھری چیخ نما آواز سن کر شائستہ اور آصف مسکرانے لگے۔

ایئر پورٹ پر جینی پہلے پہنچی تھی۔ اس کے ساتھ لیلیٰ بھی تھی۔ دونوں گاڑی پارک کر کے باہر آ رہی تھیں۔

''ہیلو ڈیڈ۔'' جینی نے چابی گھماتے ہوئے کہا۔ ''ہم پہلے پہنچے۔''

آصف نے بھی گاڑی پارک کر کے لاک کر دی۔ ''بھئی تمہاری..... ڈرائیونگ کے سامنے ہم کہاں ٹھہر سکتے ہیں۔''

''ہا انکل۔'' شائستہ بولی۔

لیلیٰ نے آنٹی اور انکل کو سلام کیا۔ وہ بھی جینی کی طرح جاگرز اور ٹراؤزر پہنے ہوئے تھی..... اس کے بال پشت تک تھے جو کھلے چھوڑ رکھے تھے۔ سانولی سلونی سی لڑکی بے حد دلکش اور سمارٹ تھی۔

چاروں باتیں کرتے ہوئے لاؤنج میں چلے گئے۔

جہاز آنے میں چند منٹ باقی تھے۔ لوگوں کا اک بڑا ہجوم تھا..... کئی فلائٹس آتی جاتی تھیں۔ کچھ جانے والے تھے، کچھ آنے والوں کا استقبال کرنے کو جمع تھے..... ہمل ایسٹ کے ملکوں کو جانے اور آنے والے کثیر التعداد لوگوں کی وجہ سے یہاں کافی رش تھا..... اور ایئر پورٹ کا یہ لاؤنج جو کبھی کسی زمانے میں صاف ستھرا اور مخصوص لوگوں کے لیے ہوا کرتا تھا..... کسی کباڑ خانے کی طرح لوگوں اور سامان سے اٹا پڑا تھا۔

آصف اور شائستہ ایک طرف کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگے..... جینی اور لیلیٰ ان سے پرے ہٹ کر اپنی باتیں کرنے لگیں..... جینی لیلیٰ کو عنصر کے بارے میں بتانے لگی۔ ان دنوں اس کا عنصر سے بڑا جوڑ تھا..... لگاؤ بڑھ رہا تھا..... دونوں بہت بے تکلف ہو چکے تھے..... وہ کئی دفعہ اس کے ساتھ کلب جا چکی تھی۔ ریسٹورنٹ میں چائے پی چکی تھی..... اور ڈنر بھی دو تین دفعہ اس کے ساتھ ہوٹل میں کر چکی تھی..... عنصر بھی اس کے ہاں بے تکلفی سے آتا جاتا تھا اور فون تو بلا روک ٹوک کر لیتا تھا۔

جہاز آ گیا۔ مسافر آنا شروع ہو گئے۔ جینی اور لیلیٰ اپنی باتیں چھوڑ کر ادھر متوجہ ہو گئیں۔

آج یہاں موسم بے حد خوشگوار تھا۔ چند دن پہلے جو سرمائی سردرد آئی تھی۔ اس کا اثر زائل ہو چکا تھا..... شام سہانی اور دلکش تھی..... ہلکی ہلکی خنکی تھی۔

''اماں جانی۔'' بیگم نفیسہ کمال کو دیکھتے ہی جینی ان کی طرف لپکی اور ان کے باہر آتے ہی ان سے لپٹ گئی۔

شائستہ نے بینا کو گلے لگا لیا..... بینا نے بڑے مودبانہ اور تعظیمانہ انداز میں آصف کو سلام کیا۔

اماں جانی نے جینی کو پیار کیا۔

''ہائے اماں جانی آپ نہ آتیں تو میں کبھی بھی آپ سے نہ بولتی۔'' اس نے اپنے ہاتھ دادی کے دونوں کندھوں پر رکھ دیئے..... اور مسکراتے ہوئے ان کے گال پر بوسہ دیا۔

وہ مسکرائیں لیکن شاکی سے انداز میں بولیں۔ ''یہ کیا لونڈا بنی ہوئی ہو..... مجھے لینے آنا تھا تو ساڑھی ہی پہن آتیں۔''

''اوہ گریٹ۔'' وہ شوخی سے ہنسی اور بینا سے لپٹ گئی..... اس کے گالوں پر اتنی بے باکی سے بوسے دیئے کہ بینا شرما کر بوکھلا سی گئی۔

اماں جانی شائستہ اور آصف سے ملنے لگیں۔

لیلیٰ شوق سے ملنے والوں کو دیکھنے لگی۔

ڈرائنگ روم کی روشنیاں مدھم مدھم تھیں۔ سب فینسی لائٹس بند تھیں۔ صرف کونوں میں سٹیل کے لیمپس رکھے تھے۔ جن کے شیڈوں سے لائٹ دائروں کی صورت میں بکھر رہی تھیں..... ماحول پراسرار سا لگ رہا تھا۔ دھیمی دھیمی مغربی موسیقی کی دھنیں پھیل رہی تھیں اور صوفوں پر بیٹھے لیٹے اور نیم دراز وجود موسیقی کی سنگت پر ہولے ہولے تھرک رہے تھے۔

جینی کے بہت سے دوست اور سہیلیاں باتوں میں مصروف تھے۔ وہ سب بینا سے ملنے آئے تھے۔

بینا جھجکی سمٹی ایک صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس نے شلوار قمیض کے ساتھ کھلا دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا..... سیدھے بال چٹیا کی صورت میں گندھے تھے۔ میک اپ نامی کوئی شے نہ تھی۔ ہاں اس کی گالوں کی سرخی اور جھکتی اٹھتی لمبی لمبی پلکوں کی جھالروں کی سیاہی ہر قسم کے میک اپ پر بھاری تھی۔ وہ بہت پروقار اور سنجیدہ لگ رہی تھی۔ نوجوانوں کے اس ٹولے میں وہ جچتی نہ تھی..... سبھی مغربی رنگ میں رنگے تھے' شوخ شوخ رنگوں کی قمیضوں اور پینٹوں میں ملبوس لڑکے' دوپٹوں سے بے نیاز جینز پہنے لڑکیاں' کسی کا لونگ ڈریس تھا' کسی نے بلاؤز کے ساتھ پتلون پہن رکھی تھی۔ عجب عجب سے لباس تھے' گریبان کھلے تھے..... بٹن تھے بھی تو بند کرنے کی زحمت نہ کی گئی تھی۔ بال تراشیدہ کسی کے بوائے کٹ' کسی کی فرنچ کسی کے شولڈر کٹ..... لڑکیوں کا میک اپ بھی کچھ انہی کے لباسوں کی قسم کا تھا۔

بینا کا تعارف جینی نے اپنے ساتھیوں سے کرایا۔

"یہ لیلیٰ ہے۔"

''یہ سلمیٰ..... یہ لکی..... سیفی افقی۔''

بینا نے شرما کر مسکرا کر ان سے ہاتھ ملایا..... ملنے والی یہ لڑکیاں بہت شوخ و شنگ تھیں۔

''میری بہن بہت شرمیلی ہیں۔'' جینی نے مسکرا کر ان سے کہا۔

''بہت پیاری ہیں۔'' لڑکیوں میں سے کوئی بولی۔

بینا نے مسکراہٹ لبوں میں دبا کر ان کی طرف دیکھا۔

لیکن جب جینی نے لڑکوں سے اسے متعارف کروانا شروع کیا۔

''یہ سلیم ہے موٹو۔'' اس نے سلیم کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

اور سلیم نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا..... تو بینا کانوں تک سرخ ہو گئی..... کسی غیر لڑکے سے ہاتھ ملانے کی جرأت وہ کبھی نہ کرتی۔ اپنا سیک سا نازک سا ہاتھ ماتھے کی طرف لے جاتے ہوئے اس نے بڑی مشکل سے کہا۔ ''آداب۔''

اس بات پر جینی ہنس پڑی اور دیکھا دیکھی سب نے قہقہہ لگایا۔

بینا شرم سے پانی پانی ہو گئی۔

''بالکل مشرقی انداز ہے۔''

''بھئی اس انداز میں بھی تو حسن ہے۔''

''یوں لگ رہا ہے مغل دربار میں کوئی آداب بجالایا ہو۔''

''واہ وا۔''

''ہو ہو۔''

''کھی کھی۔''

سب نے اودھم سا مچا دیا۔

بینا کو گھبراہٹ ہونے لگی..... ایسی بے ہودہ سی محفل میں آنے کا اس کا پہلا ہی اتفاق تھا۔ وہ تو جیسے زمین میں گڑی جا رہی تھی۔

''ہم سے ملیے جناب ہم ہارون ہیں۔'' ذرا طوفان تھما تو سینے پر ہاتھ رکھ کر ہارون سر جھکا کر بینا کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''اور مابدولت تاشی ہے۔'' ہارون کو دھکا دے کر پرے کرتے ہوئے تاشی بولا۔

یوں تقریباً سات آٹھ لڑکے اس کے سامنے آ آ کر اپنا تعارف کرواتے رہے۔ جینی تالیاں بجا بجا کر ان کی ہمت افزائی کرتی رہی اور لڑکیاں بھی اس ہلا گلا میں شریک رہیں۔

عنصر بائیں ہاتھ کے صوفے پر بیٹھا تھا۔ بینا کی حیا اور جھجک سے وہ بہت متاثر ہوا تھا..... اسی لیے اس نے اس طوفان بدتمیزی میں حصہ نہ لیا تھا۔ اس کی پرورش بھی کچھ پرانی روش کے لوگوں کے درمیان ہوئی تھی۔ اب وہ اونچی سوسائٹی کا رکن تھا..... بہت جی دار رکن تھا لیکن اس کے اندر کا انسان وہی سادہ اور پرخلوص تھا۔

جینی عنصر کے قریب آئی۔ اس پر جھکتے ہوئے بولی۔ ''تم میری بہن سے نہیں ملو گے؟''

''جینی۔'' وہ قدرے رک کر بولا۔

''فرمایئے۔''

''میرے خیال میں مس بینا تمہاری اس محفل میں ایزی فیل نہیں کر رہیں۔''

جینی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ''اسی لیے تو میں سب کو انکرج کر رہی ہوں..... تاکہ بینا ذرا یہ جھجک دور کرے۔''

''یہ جھجک ان کی طبیعت کا خاصہ لگتی ہے۔''

''الگ تھلگ رہ رہ کر اور کچھ اماں جانی کی صحبت نے اسے بالکل معمر سوفیسٹی کیٹڈ لیڈی بنا دیا ہے۔ حالانکہ اس کی عمر اور شوخی و شرارت کا چولی دامن کا ساتھ ہونا چاہیے۔''

''شوخی اور بدتمیزی میں یقیناً بہت فرق ہے۔''

''اوہ..... مسٹر عنصر..... یہ آپ بول رہے ہیں۔''

''یقیناً یہ میں ہی بول رہا ہوں۔''

''کب سے اتنے سنجیدہ ہوئے۔''

''جب سے مس بینا کے وقار سے مرعوب ہوا ہوں۔''

''یعنی ابھی ابھی۔''

''ہاں۔''

''ہوں ہوں۔''

"...نے یہ نہیں کہا۔"

"لیکن...شرما رہی ہیں۔"

"یہ عورت کا حسن ہے۔"

"اوہ عنصر...دماغ مت کھاؤ...ایسی فضول باتوں کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہوتا...آؤ بیٹا سے ملو۔"

اس نے عنصر کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا...عنصر اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹا۔" بھینی نے کہا۔

بیٹا نے جھکی جھکی نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا...عنصر کو اپنی طرف دیکھتے دیکھ کر ایک بار پھر گھبرا گئی۔

لیکن

عنصر نے بڑی تعظیم سے آداب کیا۔

بیٹا نے بھی جواب دیا...اس کی گھبراہٹ اس کے تعلیمی انداز سے کچھ کم ہو گئی۔

"عنصر رشید۔" اس نے اپنا تعارف کروایا۔

"بیٹا۔ بھینی کی بڑی بہن۔" بھینی بیٹا کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بولی۔

"آپ سے بڑی ہیں۔" عنصر نے حیرانگی سے پوچھا۔

"صرف ایک گھنٹہ۔" لیلیٰ نے قہقہہ لگایا۔

"بچی۔" کئی آوازیں آئیں۔

"ہاں دونوں جڑواں ہیں۔" وہ بولی۔

"لیکن شکلیں تو نہیں ملتیں۔" قہقہوں سے باہر دون اور تاشی بیک وقت بولے۔

"آوازیں ملتی ہیں۔" لیلیٰ نے انکشاف کیا۔

"واقعی؟" سب حیرانگی سے بولے۔

"ہاں بالکل...کل بھینی کے ساتھ میں بھی ایئر پورٹ گئی تھی...پہلی دفعہ ان کی

"ہماری ہم عمر ہیں...ہم انہیں اپنے حصار میں لے لیں گے۔" لیلیٰ نے آنکھیں مٹکا کر کہا۔

"بھئی ان کا قصور بھی کیا ہے۔" ہارون بولا۔ "سنا ہے یہ شہر سے دس میل دور اپنی

محل نما حویلی میں رہتی ہیں۔"

"بھئی شادی آن بان ہے۔" عنصر کے منہ سے نکل گیا۔ بیٹا پلکیں جھپک کر رہ گئی۔

"بیٹا بھئی بہت ہو گیا تم بھی تو باتیں کرو۔" بھینی اس کے قریب بیٹھ کر انہیں

اس کے گھٹنے میں ڈال کر پیار سے سہلانے لگی۔

"تم لوگ چپ ہو تو میں بولوں۔" بیٹا نے پیار سے اس کی طرف دیکھا۔

"گونگے ہو گئے۔" لیلیٰ نے منہ پر انگلی رکھ لی۔

"اب باتیں کرو۔" بھینی نے بیٹا کے گال کے ساتھ اپنا گال لگاتے ہوئے اسی انداز میں باقیوں کے لیے فرمائش کی۔ سب اس کی بات سننے کے منتظر نظر آئے۔

"صدمہ ہو گئی۔" بیٹا مسکرائی۔ "سب لوگ تو یوں چپ ہو گئے ہیں جیسے میں واقعی تقریر کرنے لگی ہوں۔"

"اللہ بالکل لگتا ہے بھئی بول رہی ہو۔" تاشی نے کہا۔

"بھئی اور میں سگی بہنیں ہیں۔" بیٹا نے کہا۔ "جڑواں بھی...اسی لیے آواز ایک ہی ہوتا ایسے اچنبھے کی بات تو نہیں۔"

"ہے تو۔" گھوما بولا۔ "بڑا عجیب سا لگتا ہے۔ ہائے گاڈ اگر آپ سامنے نہ ہوں...تو بالکل پتہ نہ چلے بھئی بول رہی ہیں یا آپ۔"

گھوما سب اسی بات پر تبصرہ کرتے رہے۔ عنصر کچھ زیادہ نہیں بولا۔ وہ تو بیٹا کے سحر انگیز حسن انداز تکلم اور پروقار حرکات سے مرعوب ہو رہا تھا۔

○☆○

"اب انہیں تو مجھ لے دو ہم بھی بیٹھیں۔" کئی آوازیں ابھریں۔

"ہاں ہے ٹھیک بات ہے۔" بھینی نے ہنس کر کہا۔ "ہم دونوں کی آنکھیں ہیں ہاتھ

عادات اور حرکات ملتی ہیں لیکن آوازیں بالکل ایک جیسی ہیں۔"

"کیا یہ بات ٹھیک ہے مس بیٹا؟" عنصر نے پوچھا۔

"جی...شاید۔" بیٹا بولی۔ سب نے بھینی اور اس کی آواز ایک سی محسوس کرنے کی کوشش کی۔

"بھئی اس طرح پتہ نہیں چلتا۔" گھوما نے کہا۔

"ٹیسٹ ہونا چاہیے۔" جاوید بولا۔

"بالکل بالکل۔" سب بیٹا کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔ بیٹا ان لوگوں کی بے تکلفی اور بے باکی سے الجھن ہونے لگی۔

"تقریری مقابلہ ہونا چاہیے۔" تاشی بولا۔ "پہلے بھینی تقریر کریں پھر بیٹا تاکہ ہم لوگ ٹھیک طرح سے جان سکیں کہ دونوں کی آواز ایک جیسی ہے۔"

بہت سوں نے تائید کی۔

لیکن عنصر بولا۔ "یار کیوں مجمع کر رہے ہو انہیں...جڑواں بہنیں ہیں۔ آواز ایک ہی ہوگی باتیں کریں گی تو پتہ چل جائے گا۔ تم لوگ خوامخواہ بولے جا رہے ہو...انہیں بولنے کی مہلت ہی نہیں دے رہے۔"

بھینی اٹھلا کر بولی۔ "مہلت دو گے جب بھی وہ نہیں بولیں گی۔"

"کیوں؟"

"شرماتی ہیں۔" بھینی بولی۔

"اوہ...نہیں۔" رفعتی نے کہا۔ "یہ سب فرسودہ باتیں ہیں۔"

"لیکن سوری ڈیئر...بیٹا اور فرسودگی دو مختلف چیزیں ہیں۔" بھینی نے کہا۔

"لیکن خیر بہت جلد میں انہیں اپنے سانچے میں ڈھال لوں گی۔"

بیٹا کو بھینی کی باتیں اچھی نہیں لگیں...لیکن بس تھی بڑی باتوں پر بھی وہ ان

سالگرہ کی تقریب کلب کے ہال میں منائی گئی...مہمان زیادہ تھے...گھر کا ڈرائنگ روم خاصا بڑا تھا اسی لیے سب کے لیے کافی تھا۔ یوں بھی گھر پر صرف کا اہتمام تو ہو ہی نہیں سکتا تھا...کلب میں تو آرڈر دینا ہوتا تھا...اور پیسے کی یوں بھی کمی نہیں تھی...ایک شاندار دعوت کا اہتمام ہو گیا۔

اماں جانتی تھیں کہ بیٹا کو کیا پسند ہے...وہ اتنی بڑی دنیا میں جن کا کوئی قصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ گھر پر ہی کیا کرتی تھی۔ حال حویلی کی تو خوش نصیبی سمجھ لیں کہ وہ اور کہیں آ سکتی تھی۔ اس بڑی سی جدید طرز کی کوٹھی میں آ کر انہیں احساس ہوا...یوں بھی یہاں کا طریق زندگی بالکل مختلف تھا۔ ہر کوئی اپنی ذات کے خول میں قید تھا۔ قہقہوں کی گونج نہیں سنائی دیتی تھیں۔

آصف اور ثنائلہ کا اپنا طور طریق اور اپنا طرز فکر تھا۔ آصف کاروبار میں مگن تھے۔ ثنائلہ گھریلو ذمہ داریوں کے علاوہ اپنے ہم عمر سہیلیوں سے منسلک تھی...بیٹی کا اپنا طرز فکر تھا۔ ماں بیٹی اور باپ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے مختلف نظریات کے حامل تھے۔ کوئی کسی کی مخالفت نہیں کرتا تھا کسی کی حمایت بھی نہیں کرتا تھا۔

آصف کو کام پر جانے کے لیے جلدی اٹھ جانا...ملازمہ کو انہیں ناشتہ کروانا...ان کی کپڑوں کی دیکھ بھال کرنا...ثنائلہ ان کے جانے کے کافی دیر بعد بیدار ہوتی...بیٹی کبھی اپنے وقت کی آپ مالک تھی۔

ناشتہ کر کے ثنائلہ کمال کے ہاں کو نکل جاتی...وہ بھی سو کر اٹھنے کے بعد ناشتہ کرتی...اس کے بعد وہ دوستوں کا بندہ ہوتا تھا...اور پھر وہ گھنٹوں تک...کہیں بھی

تھی۔ اس ہم آہنگی کی عادی نفیسہ کہاں تو یہاں کی بے انگلی نا پسند تھی۔

وہ یہاں صرف تین دن کے لیے آئی تھیں۔ تین نوکر ساتھ آئے تھے۔ لیکن پھر بھی رہنا کے بغیر انہوں نے ناشتہ نہیں کیا۔ کھانے پر بھی وہ ساتھ رہی۔ جینی کے دوستوں اور سہیلیوں کی رات گئے تک محفل جمانے کے باوجود دادی اماں کو الوداعی بوسہ دینے۔ ان کے سر کو ٹھیک کرنے اور ان کے آنکھیں بند کر کے لیٹ جانے پر لیمپ بجھا دینے کا فرض اس نے اس محبت اور والہانہ پن سے ادا کیا۔ جیسا گھر پہ کرتی تھی۔

پہلے دن تو نفیسہ کمال سب سے مل جلنے پر خوش ہوئیں لیکن دوسرے دن انہوں نے اجنبیت سی محسوس کی۔ دوسرے دن اہل خانہ کے معمولات وہی ہو گئے تھے جو وہ کے تھے۔ آصف کام پر چلے گئے تھے۔

ثانیہ اپنی سہیلی مسز ہوائیں کے ہاں اس بچے کو ان ٹھن کرکانی پارٹی میں چلی گئی۔ اماں جانی کو آرام کرنے کی تاکید صرف کرتی گئی۔

اور

جینی کلب چلی گئی۔ جہاں اس نے رات کی ابتدائی شفٹ کا چارج لینا تھا۔

نفیسہ کمال بور ہونے لگیں۔ رہنا انہیں اخبار کی پیپہ وہ سرخیاں پڑھ کر سنا رہی تھی۔ دونوں لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔

"جینی بھی کہیں گئی ہے؟" انہوں نے خبروں میں عدم دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں دادی اماں۔ کلب گئی ہے ثانیہ۔ اس کی سہیلی رفعتی اور منصور آئے تھے۔"

انہوں نے اک تھکی تھکی سی سانس کھینچتے ہوئے سرسری کے انداز میں بتایا۔ "خدا نے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔"

"کچھ نہیں دادی اماں۔" رہنا ہولے سے مسکرائی۔ اخبار میز پر رکھتے ہوئے اس دادی کی طرف دیکھا۔ "یہ شہری زندگی ہے۔ جس ماحول اور معاشرے میں وہ رہ رہے ظاہر ہے اس کو اپنائیں گے۔ سب لڑکے لڑکیاں ایک جیسے ہی ہیں۔"

"شرم و حیا چیز ہے دادی اماں۔ تین ماحول ہوتا ہے۔ وہ بدل جاتا ہے۔"

"مجھے یہ سب بکواس لگتا ہے۔"

"آپ کی بات اپنی ہے۔ ان لوگوں کی اپنی۔ ہر بات آپ پر لاگو نہیں ہوتی۔ آپ اپنی اس پر۔ پھر ہم کو ہمارے حالات پر رہنے دیں۔ ہم اپنا فیصلہ خود کر لیں گے۔"

"لگتا ہے۔ ان لوگوں نے اور طریق تھیں بدل دیے ہیں۔"

رہنا ہنس پڑی۔ پھر بولی۔ "یہ بات نہیں دادی اماں۔ ہم یہاں صرف تین دن رہنے آئے ہیں۔ وہ بے تحاشا اپنی جینی کے ساتھ رہتے ہوئے محسوس کرتا ہے۔ وہ میری بھی پیاری بہن ہے۔"

"ہاں وہ بہت پیاری ہے۔ اس کا بس چلے تو مجھے بالکل نہ جانے دے۔ اب مجھے میں باتیں ڈال کر بھول جاتی ہے۔ نہ جانے کیا کرنے والی ہے۔"

"واقعی۔ یہ خون کی کشش ہے شاید۔"

"بالکل۔ ورنہ کچھ ہی عرصہ۔ کیا خاک ہو جانی۔"

"ہائے نہیں دادی اماں۔ ہاں تو رات تھکتی ہوتا ہے۔ اس کا جانا ضروری تھا۔ مجھے بھی ساتھ لے جا رہی تھی۔"

"چلی جاتیں۔"

"آپ کو یہاں اکیلا چھوڑ کر۔"

"کیا فرق پڑتا۔ صاحباں بھی تو تھیں۔ ویسے بچہ کیا ہے؟ لڑکی ہے؟"

"کیوں۔"

"وہ جو ان سانولا سا بھی نوجوان کے ساتھ گیا ہے۔"

"ہاں وہ جینی کا دوست ہے۔"

نفیسہ کمال کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ رہنا نے مسکراتی نظروں سے دیکھا۔

"نہیں دادی اماں۔ ہم صرف تین دن کے لیے یہاں آئے ہیں۔ اور بڑے شہروں میں ایسی باتوں کو برا نہیں مانتے۔"

جینی اسے اصرار کرتے رہ گئی۔ "ثانیہ باجی تم سے ملنے کے لیے بے چین ہوں گی۔"

"کیوں خیریت؟" رہنا نے کتاب بند کی۔

"پتہ نہیں ہو گا۔"

"ہو بھی ہے۔"

"چارج چھوڑ دیا۔"

"خدا شاید سارے ہی ماحول خراب ہو گا۔"

"سمجھ ہے تک۔ ہم لوگوں کو تو وہاں ہونا چاہیے۔ فلاں تک کھلتے ہیں۔ ہم ابھی میں نے ہال بیت کروانے جانا ہے۔"

"ہاں۔ پھر تو واقعی وقت کم ہے۔"

"تم ہال خراب نہیں جاؤ گی میری پیاری۔"

"نہیں جینی۔ میرے بال میرے ہیں۔ میں جیسے چاہوں رکھوں۔"

"ہائے میرا تمہارے بالوں کا کتنا خوبصورت جوڑا بن سکتا ہے۔"

"میں نے کبھی بنایا نہیں۔ کھلے کھلے اماں پر اچھے لگتے ہیں۔"

"آج تو میں پیار سے لے جا کر تمہارے بال ہوا کروں گی۔"

"نہیں تم جاؤ۔ ویسے کہو تو ساتھ چلی چلوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں نہا لوں۔ ہاں اماں جانی کہاں ہیں۔"

"لیٹ گئی ہیں۔"

"آج تو میں بہت سے لوگوں سے آپ دونوں کا تعارف کروں گی۔"

رہنا مسکرا کر بولی۔ "مردوں سے نہیں صرف عورتوں سے۔"

"بے وقوف۔ جانوں کی باتیں کرتی ہو تم رہنا۔ کبھی کبھی ایسی باتیں۔ اب اتنی دیر تک بھی نہ ہو۔ آخر تم تعلیم یافتہ ہو اور ایک ذہنی سطح سے تمہارا تعلق ہے۔ مردوں سے ملتے ڈرتی کیوں ہو؟"

"عادت نہیں۔"

آج رات بھی قمیص و پتلون کی جادر تھلے ہوئے تھے۔ وہ بھی ایک طرف
ہو گئی تو ہوا نے قمیص و پتلون کی آستینوں پر آہیں بھرنے شروع کر دیں۔ کچھ دیر بعد
آ گئے۔ موسیقی کے سر اونچے ہونے لگے۔ ہوا کا شور بھی اس میں شامل ہو گیا۔

"طوفان بھی ادھر متوجہ ہو گئے۔ اپنے ہاں بلانے کے لیے کیا ہمارے
ہی گھر تو جوانوں کی طرف آ گئے۔" اور ان کے ساتھ شور مچاتے اور ناچنے لگے۔
بعض تو خود بھی آگے بڑھے۔ باپ بیٹی کے ساتھ اور ماں بیٹے کے ساتھ ناچنے کے لیے
مظاہرہ کرنے لگی۔

خوب دادا ہوئی۔

ہاہا کا ہوتی رہی۔ دوستوں نے عنصر اور بھتی کو ناچنے کی دعوت دی۔ دونوں
میدان میں آ گئے۔ اور اس جوڑے کی دیر تک داد دیتے رہے۔ دونوں فنکارانہ
مہارت سے ہونے لگا۔

سب جیسے خوشی سے پاگل ہو رہے تھے۔ شائستہ اور آصف بھی تالیاں بجا بجا کر
داد دے رہے تھے۔ موسیقی کے سر چیخنے تو لوگ خود بھی خوشی سے چیخنے لگتے۔ دونوں بے
خود ہو رہے تھے۔

نجم نجیبہ کمال بالکل چپ تھیں۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ بھی نہیں تھیں جن کے
کے انسان ابھی جدید تہذیب کی ان حدوں تک پہنچنے سے کترا رہے تھے۔

ریحانہ بھی شش و پنج میں تھی۔ بھتی بازوؤں اور گردن میں ایک قسم کے ساتھ
اس طرح ناچ رہے تھے۔ وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی۔ اسے تو کپکپاہٹ سی محسوس ہو رہی تھی۔
جو نہی منصر اپنے قسم کو طرح دیتے ہوئے اس کے اوپر جھکتا یا اور بھتی پیچھے کو جھکے
ہوئے سر نیچے کی طرف لے جاتی تو اس کے تاروں بھرے لوگ اور بھی کانپ کر یوں اکڑ
سرک جاتا کہ اس کی چھاتی کے ابھار نظر آنے لگتے۔

ریحانہ کی اندر ہی اندر گھبرا جاتی۔ شرم سے پانی پانی ہو جاتی۔ یہ محفل رات گئے تک
جاری رہی۔

○○○

بھتی... جانم تم بھی... ہو سوری ہے۔"
میں اس کے کمال پر اسے داد دیتی کہ دیتی۔ پھر اپنے قدموں پر جھوم کر
اپنے کمرے میں چلی گئی۔

رات خاصی بیت چکی تھی۔ سب ہال میں نشستوں کا انتظام تھا۔ سوچ قالینوں
سے ڈھکے فرش پر سوئے ہوئے تھے۔ تکیے گدے اور چھوٹے تکیے تھے۔ فانوس تھے
گلے ہوئے اور پھولوں کی لڑیاں تھیں۔ ایک گونے میں ڈانس میوزک پارٹی براجمان تھی جو
فلمی اور مقامی گیت گاتی۔ اور اسے ہوا کے خنک جھونکے مزید ہوا دیتے تھے۔

ریحانہ کمال نے سفید دوپٹہ سادگی سے اوڑھا ہوا تھا۔ کندھوں پر نرم سا شال
تھا۔ بالوں پر دوپٹہ کے کنارے اور گلے میں تکیہ سفید دوپٹہ میں دوپٹہ کا کنارہ تھا۔

وہ بڑی متین اور پر وقار نظر آ رہی تھیں۔ ملائمت ان پر جیسے ختم تھی۔ چہرے پر
پختگی اور جاذبیت بکھری تھی۔ وہ شائستہ آصف اور بھتی کے جملوں سے نسبت سے عمل رہی
تھیں۔ لوگ ان کی شخصیت سے مرعوب تھے۔

منصر اور دیگر لوگ ان کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ ادھر ادھر کی باتیں ہونے
لگیں۔ نجم نجیبہ جلد ہی جان گئیں۔ کہ بہت سے چہرے مصنوعی ہیں۔ بہت سے
چہروں پر جن کی سیاہی ہے۔ معصومیت اور ملائمت کا کوئی رنگ ان کے چہروں پر نہیں۔ میک
اپ کی تہوں میں بہت سی بے اطمینانیوں کو چھپانے کی کوشش کی گئی ہے۔ بہت کم لوگ
انہیں حقیقی مسرت آشنا نظر آئے۔

بھابھی بھتی سب سے متعارف کروا رہی تھی۔ بھابھی نے بھتی کی فیملائل پر خوارہ
لیس پہنا تھا۔ لیڈی کی مخصوص اوچ سادگی و گہرائی تھی۔ ڈاڑھی ماں نے ساتھ لائے ہوئے
ہندی کے گھر میں بہت بھتی نے پہنے لیں دیے تھے۔ وہ آج آج جدید قسم کا لباس
پہنا ہوا تھی۔ ڈبل دوپٹہ نئی طرح فٹ کی تھیں۔ فراوز دیے تھے۔ چاک
گریبان قمیص کے اوپر اور خوبصورت کاموں والی جیکٹ پہنے ہوئے تھے۔ لوگ ان کی تعریف
کر رہے تھے۔

لیکن بھابھی صرف اتنی بات ان لی تھی کہ بھابھی غرارہ نہیں پہنتا تھا۔ بلکہ پھلکی
شلوار پہنا کرتی تھی۔ اور پاؤں میں جوتے تھے۔ نہ سلیپر۔ اس لیے

گال پر ہاتھ رکھے ہوئے بولی۔

"اتنے سادہ ماں جانی... ہم بھی آپ کے بارے کہتے ہیں۔"

"بیٹا ہم لوگوں کو جانا ضرور ہی ہے۔" کہیں نے بھتی کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" وہ اٹھلائی۔

"صبح آنے ہیں نا۔"

"اوہ خدایا... صبح کے لیے میں ابھی امید اور سوچ رہی ہوں۔"

"وہ تو ہیں لیکن گھر کی صفائی وغیرہ بھی تو ہونی ہے۔"

"صفائی تو جیسے آپ نے سر پر کھڑے ہو کر کرنی ہے۔ آخر آپ نے کس لیے
فوج ظفر موج کس دن کی ہوئی ہے۔"

"ٹھیک ہے... لیکن میں خود گرانی میں سب کچھ کروانا چاہتی ہوں۔"

"ہائے اللہ۔" بھتی نے ادا کے کندھے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔
شائستہ بولی۔ "ماں جانی... آپ یہ بات نہ چھوڑیں۔ ہم آپ کو ایک تجویز دیتے ہیں۔"

"تجویز ہی جھوٹ جا چکے ہیں کہ ماں جانی رہ رہی ہیں۔" آصف نے مسکراتے
"ویسے بھابھی کا جی چاہتا ہے یہاں رہنے کو... ہیں بھابھی"

بھتی نے خوشی سے بھابھی کی طرف دیکھا۔ جو بوکھلا کر یوں ہلانے لگی
رنگ کا دوپٹہ کندھوں اور چھاتی پر پھیلائے ہوئے تھی۔ بھتی نے بھی آج شلوار قمیص پہنا ہوا تھا
لیکن دوپٹے قسم کی کوئی چیز اس کے گلے میں نہ تھی۔

بھابھی نے بھتی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس میں شک نہیں۔"

"ماں ماں جانی۔"

"تو بھابھی کو روک لو جدون۔"

"ماں ماں جانی... میں کہوں گی تو آپ بھی رکیں گے... نجیبہ تو میں کہتی ہوں آپ
کے ساتھ جائیں گی۔" بھابھی نے۔

بھتی اٹھ کر ماں کے پاس آ بیٹھی۔ "بھتی بھابھی ہم لوگ ان کے بغیر بھی
نہیں رہ سکتے کوئی گپ شپ لگائیں... صبح دیکھ لیں گے ہم لوگ ان کے

"نہیں نہیں... یہ کیسے ہو سکتا ہے ماں جانی۔"
"تو یہ کریں۔ ہم آپ کو اب جانے تھوڑا ہی دیں گے۔"
"ہم سے تو یاری نہیں نہ ماں جانی کو۔"
"بھابھی کو تو ہم نے یہاں محبت بھر رکھنا ہے۔"
"ماں جانی تو کہ ہم دونوں بہنیں ہیں اور ہمیں ساتھ رہنے کا کہو تو حق ہے۔
کیوں بھابھی۔"
"بھابھی کی دعوتوں نے آپ کو دعوت دینے کا پروگرام بنایا ہے۔ مسز رفیع کا
فون آیا تھا۔ نجم شعیب نے کل رات ہی کہہ دیا تھا۔ نجیبہ بھی آپ کو اوکے کر گئی
تھیں۔ اور آپ ہیں کہ کل ہی واپسی پر مصر... یہ نہیں ہو سکتا۔"
"نہیں ہو گا۔"
سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے رات کے کامیاب فنکشن کی باتیں کر رہے تھے کہ
نجیبہ کمال نے اپنی والدہ کو آتے دیکھا۔
آصف شائستہ اور بھتی تو جیسے بھابھی کے پیچھے ہی پڑ گئے۔ جس محبت اور
خلوص سے وہ لوگ ملک جانے پر اصرار کر رہے تھے۔ نجیبہ کمال اپنے آپ کو تھوڑا تھوڑا
نرم ہوتے محسوس کر رہی تھیں۔
بھتی ساتھ کی کوٹھی کے گھومنے والی کرسی سے اس جھٹکے کے ساتھ اٹھی اور
ماں جانی نے آپ سے ہاتھ میں پکڑے ہوئے بانس اس کے گلے میں ڈال کر ان کے

...کوئی کمی نہ رہے بھرے ہاتھی سی کریں۔"

جیلی نے رحم محبت بھرے انداز سے کہا کہ بیچارہ دادی ماں کی طرف ترحم بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

نفیسہ کمال سمجھ گئیں کہ بڑا کچھ کہنا چاہ رہا ہے۔ بولو۔" جیلی نے کہا۔

"جی اماں جانی۔"

"تم کیوں نہیں چلتیں ہمارے ساتھ۔"

"کہاں؟"

"لال حویلی۔"

"اماں جانی... کالج میں چھٹیاں تو ہونے دیں... ضرور آؤں گی۔"

شائستہ نے کہا۔ "اسد کے آنے پر آئیں گے ہم لوگ بھی... کیوں آصف؟"

"ضرور۔" آصف نے کہا۔

"آصف کو لال حویلی کی یاد بہت ستاتی ہے اماں جانی۔" شائستہ شوخی سے آصف کو چھیڑ کر بولی۔

"یاد ستاتی ہو... تو آؤ کیا مشکل ہے۔" نفیسہ کمال نے شکوہ کے انداز میں کہا۔

"قسم اماں جانی... بعض اوقات تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ آپ کے حضور حاضر ہو جاؤں... لال حویلی میں قیام کروں... اس مشینی زندگی سے چند دن کے لیے جان چھڑا لوں... لیکن۔"

"لیکن کی کیا گنجائش ہے۔"

"پتا نہیں کن خیالوں میں کھو گئے ہیں۔ ان سے چھٹکارہ ملتا ہی نہیں۔ ویسے اب اسد آ گئے ہیں... تو میں جس طرح بھی ہو سکا بہت جلد ہفتے کے لیے آؤں گا۔"

"ضرور آئیں گے۔" چچا نے کہا۔

"جیلی بیٹی بات کرو ہاں... یہاں بھی کچھ طے کر جاؤ۔"

"ہم بھی ضرور ہوں گے۔ اسد ابھی مہینہ بعد آئے ہیں۔" جیلی بولی۔ "پھر ہفتے کے لیے کب آ رہے ہیں۔"

"کب کا؟" آصف بولے۔

"چھٹیاں کی شاید ہی جب ہم لال حویلی گئے تھے۔"

"اتنی مدت ہو گئی۔" وہ تعجب سے بولی۔

"ہاں۔"

"جب وہ گئے تھے۔"

"میں ڈیڈی کے ساتھ لندن گئی ہوئی تھی۔ یاد ہے وہ ڈیڈی سے ملنے جانے کا پروگرام بھی تو بنایا تھا ہاں۔"

"ہاں ہاں۔"

"واقعی... تم یہاں نہیں تھیں۔" چچا نے کہا۔

"پورے سات سال ہو گئے انہیں دیکھے ہوئے۔" جیلی بولی۔ "لندن جانے سے پہلے جب وہ کراچی آئے تھے تو میں بیمار پڑ گئی ہوئی تھی۔ ہے آئی کے پاس... اور جب ہم لال حویلی گئے تو وہ یہاں آئے تھے۔"

پھر

اسد کے حوالے سے باتیں ہونے لگیں... نفیسہ کمال ان کے بچپن کے قصے سب کو سنانے لگیں۔

"بے حد شریر تھے اسد۔" آصف نے کہا۔ "اماں جانی یاد ہے ایک دفعہ کریموں کی دوپہر جب وہ کھو گئے تھے۔"

"اسد کھو گئے تھے؟" جیلی نے اشتیاق سے پوچھا... چچا یہ قصہ پہلے بھی سن چکی تھی... زیر لب مسکرانے لگی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"ہاں ہاں مجھے بھی یاد ہے... تو یہ... تو یہ کتنا پریشان کیا تھا انہوں نے۔" شائستہ بولی۔

"واقعی۔" نفیسہ کمال زیر لب مسکرائیں۔

"کیا ہوا تھا کہ۔" جیلی شوخی سے بولی۔

"...ے بہت شوق تھا۔"

"جب بھی زرات پڑھتے پڑھتے جاتے اماں جانی کے حضور قیلولہ کیا کرتے تھے۔" آصف نے کہا۔

"بہت ڈرتے تھے اماں جانی سے۔" شائستہ بولی۔

جیلی نے اماں جانی کی طرف دیکھا۔ "آصف نے شوخی سے نفیسہ کمال کی طرف دیکھا۔

"واپس کر دیں۔" "کیوں اتنی محبت ہوتی تھیں دادی اماں؟"

"بہت کیا بہت ہی محبت۔" آصف بولے۔ "ہمارے کم کھل جایا کرتا تھا ناں۔"

"ہی ہاں ایسے تھے۔" نفیسہ کمال اداس ہو گئیں۔

"اپنے اماں جانی نے آپ بھی ہم سے بہت ہیں۔" آصف نے کہا۔

"ہیں تو نہیں اور ہی۔" جیلی اٹھ کر ان کے قریب آ بیٹھی اور حسب عادت پیار سے گلے میں بانہیں ڈال کر انہیں پیار کر لیا۔ "آپی بیاری بیاری اماں جانی ہیں۔ مجھے تو ان سے بالکل ڈر نہیں لگتا... بس پیار بہت آتا ہے۔"

اس نے پھر دادی کا کامل ہاتھوں سے چھو لیا... سب مسکرانے لگے۔ جیلی بولی۔

"ہاں تو اماں جانی آپ اسد کے کھو جانے کا قصہ سنا رہی تھیں۔"

"بھی کھو سے کب تھے۔" آصف نے کہا۔

"پھر؟" جیلی نے پوچھا۔

"دادی اماں کے ساتھ رات پر بیٹھے ہوئے تھے۔" چچا جی۔ "وہ کیوں؟"

نفیسہ کمال نے قصہ شروع کیا۔ وہ دوپہر کو اسد لڑکوں اور بالوں کے بچوں کے ساتھ باہر نکل جایا کرتے تھے... اس دوپہر بھی سب حادث زرات پر جمع تھے۔

"ہوں۔" جیلی بولی۔ اشتیاق ٹپک رہا تھا۔

"اتفاق سے میں اپنے کمرے سے نکلی... اسد کو دیکھا کمرے میں نہیں تھے۔ میں نے نوکروں سے پوچھا... پھر گھر میں تلاش کیا... بچے سب تھے دیکھ کر بھاگ گئے۔ اسد کے متعلق کسی نے نہ بتایا کہ باہر گئے ہوں گے۔"

"پھر اماں جانی۔" جیلی نے کہا۔

"اسد کسی وقت ہم بیٹھے تھے۔ ان کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکا... دوپہر بیت رہی تھی۔ تھی کہ شام ہو گئی... حویلی کا کونہ کونہ چھان مارا گیا... ہر طرف تلاش ہوئی... ہر فرد و تلاش میں لگ گئے... ہمیں بلوا لیا گیا۔"

"ہائے۔" جیلی نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔ "آپ نے کہاں سے ڈھونڈا؟"

"کوئی پتا نہ تھا۔" نفیسہ بولیں۔

"ان کے بارے۔" آصف نے کہا۔ "جانے تھے نا تو فوراً جانے کی۔"

"ہائے ڈیڈی سارا دکھ انتظار پریشان ہوا ہو گا... بے چارے۔"

"بھی چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ حماقتیں تو کرتے ہیں۔"

"پھر کیسے ملے... اماں جانی اور آپ سب تو بہت پریشان ہوئے ہوں گے۔"

"ہونے کی بات بھی تو تھی... اسد لال حویلی کے وارث تھے بھی... معمولی شخصیت تو تھے جو پریشان نہ ہوا جاتا۔" آصف بولے۔

"نہیں بھی... اس وقت یہ خیال تھوڑا ہی تھا... بچے کے گم ہو جانے سے پریشانی تو لازمی تھی۔" شائستہ بولی۔

"تو... تو یہ... کبھی وہ وقت یاد آتا ہے تو روئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

"پھر ملے کیسے؟"

"رات گئے... شاید اندھیرے سے ڈر گئے یا پرندوں کے گھونسلوں میں پھر پھرانے سے وحشت زدہ ہوئے... رونے سے پتا چلا۔" نفیسہ نے کہا۔

"آپ سب اوڈ پڑے ہوں گے۔" جیلی نے کہا۔

"کس ہاں۔" شائستہ نے بات بڑھائی۔ "اماں جانی تو غش کر رہی تھیں۔ میرے ہاتھ پاؤں بھی شل تھے۔ آصف رہنماؤں پر دوڑے جا چکے تھے۔ وہ تو رحمو بابا نے جنت سے باغ میں تھے... ورنہ پتا کون لگا پاتا۔"

"رحمو بابا نے سب کو اطلاع دی ہو گی؟"

"نہیں وہ تو... انہیں اندر کر لایا اماں جانی کی خلوت میں لے آیا۔"

"ہاں چاچی خوب بچالی کی ہوگی آپ نے۔"

"توبہ کرو۔ بچا کیا۔" شکر کیا ہوگا۔"

"ہاں۔ یہ شکر۔ کہ کئی دن خیرات ملی رہی۔ تم تو دانے گئے۔ غریبوں میں بٹتے تقسیم ہوتے۔ یہ نہیں کہ کس کس جگہ اماں جانی نے مٹھیاں بھر بھر بھیجیں۔"

"واہ۔ واہ۔" بھتی نے کندھے اچکاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "تو اس کا یہ مطلب ہوا۔ کہ اسد ہمارے خاندان کی بے حد اہم شخصیت ہیں۔"

"ہوتے ہی۔" نفیسہ کمال مسکرائیں۔

"بہت اچھے لگتے ہیں آپ کو۔" بھتی نے بچوں کی معصومیت سے سوال کیا۔

"ہاں۔ تم جیسی ہی اچھے لگتے ہو۔" نفیسہ کمال نے اس کے بالوں کو بوسہ دیا۔

"میں بھی اماں جانی۔" بھتی نے بے بھتی سے پوچھا۔

"ہاں۔ تو کیوں نہیں۔"

"میں بھی تھی۔"

"کب؟"

"بھی کہ شاید میں آپ کو اچھی نہیں لگتی۔"

"پگلی۔ تو بھی بچے اسد اور بچا کی طرح پیاری ہے۔"

"ہائے شکر ہے۔ اب تو اماں جانی آپ کو میں زبردستی روک لوں گی۔"

نفیسہ کمال نے اصرار کرنا چاہا۔ لیکن بھتی اور آصف شائستہ پیچھے ہی پڑ گئے۔

مجبوراً انہیں چند دن اور رک جانے کا اقرار کرنا پڑا۔

بھتی اچھل کر چچا کے پاس آ بیٹھی۔

"ہائے کتنا مزہ آئے گا چچا۔ آج سے ہم دونوں ایک ہی کمرے میں سوئیں گی۔ خوب باتیں کریں گی۔ خوب خوب خوب۔"

فضا خوشی سے مچل اٹھی۔ بھتی دن بھر اور نفیسہ کمال نے وہاں قیام کیا۔

آصف جاوید اور بھتی کے دوستوں کے ہاں دعوتیں ہوتی رہیں۔

○○○

جہاز کا دروازہ ایئر ہوسٹس نے کھولا اور ایک طرف ہو کر مسافروں کے باہر نکلنے کے لیے جگہ بنالی۔ مسافر آگے پیچھے باہر نکلنے لگے۔ بھتی بھی رک رک کر مسافروں کے ہجوم پر دور تک کے ساتھ لگے لوگوں پر نگاہ ڈالتی۔ کبھی کوئی آشنا اور مانوس چہرے نظر آتا تو دل بلیوں اچھلتا۔ بے اختیار دائیں بائیں اور اپنی آمد کا پرجوش اعلان کرتے ہوئے ہاتھ میں بڑا بیگ تھامے ہوئے بھی۔ جنہیں کوئی بھی اپنی صورت نظر نہ آتی۔ مایوسیاں اڑتے ہوئے بھی لوگوں کے ہجوم میں آشنا نگاہیں تلاش کیے جاتا۔

جہاز سے باہر آنے والے اسد بار دو بیس مسافر تھے۔ خالی ہاتھ ہوں میں سامان ہاتھ میں خوبصورت بریف کیس لیے وہ بھی دوسروں کی طرح چلتے رکے۔ اور گھرے مسافروں پر نگاہ ڈالی۔

اور

پھر ان کے چہرے پر شناسائی پھیل گئی۔ آصف انہیں وہیں سے ہاتھ ہلاتے نظر آ گئے تھے۔

انہوں نے بھی ہاتھ اوپر کیا ہوا میں لہرایا اور تیزی سے جھریاں اترنے لگے۔ سر زمین وطن پر قدم رکھتے ہوئے انہیں عجیب سی خوشی کا احساس ہوا۔ آنکھوں کو نم کرتی خوشی وہ چند ہو گئی۔

ایئر پورٹ پر آصف کے ساتھ شائستہ اور بھتی بھی آئی تھیں۔ اسد نے کن سے پہلے ہی انہیں اپنی آمد اور جہاز کی اس پرواز سے مطلع کر دیا تھا۔

ایئر پورٹ کی ضروری کارروائیوں میں خاصا وقت لگ گیا۔ استقبال کو آنے والے لوگوں سے بچتے وہ باہر تھے۔

آصف، شائستہ اور بھتی بھی اب لاؤنج میں آ گئے تھے۔ ایک ایک کر کے مسافر باہر آ رہے تھے۔

"ارے۔" آصف نے اسد کو دیکھ کر دور ہی سے پرجوش نعرہ مارا۔ اسد بھی سب تھا پا اور جوش سے بڑھے تھے۔ بے اختیار وہ ان کی طرف بڑھے۔ شائستہ ان کے بائیں اور بھتی بائیں کھڑی تھیں۔

شائستہ آصف سے بھی پہلے آگے بڑھی۔

"اسد بھائی۔" اس نے اسد کو گلے لگا لیا۔

اسد نے بھی بھیجے کے گلے میں بازو حمائل کر دیا۔ شائستہ نے ان کے بالوں پر والہانہ انداز میں بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

"اوہو۔ تم کتنے بڑے ہو گئے ہو۔ بھتی میں۔"

پھر انہوں نے آصف کی طرف دیکھا۔ "دیکھو آصف کتنا گریس فل لگ رہا ہے اسد۔"

"بھتی پہلے ہم جنگیر ہو کر انہیں اپنے پسینے کی گرمی پہنچا لیں۔ پھر جائزہ لیں گے۔" آصف نے ہنستے ہوئے کہا۔

اسد ان کی طرف بڑھے۔ اور ان کی نظر بھتی پر پڑی۔

خالی بلیو جینز اور وائٹ ٹی شرٹ میں وہ بڑی سادہ اور خوبصورت لگ رہی تھی۔ چھوٹی سی ٹوپی سے اس نے بالوں کا کچھ حصہ چھپا رکھا تھا۔ وہ اسد کو بڑے شوق سے دیکھ رہی تھی۔

اسد اور آصف بغلگیر ہوئے۔

"ہائی ہو آئے ہو یار۔ دل واقعی راضی ہو گیا تمہارے۔" انہوں نے آصف کو چھوڑتے ہوئے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔

دونوں الگ ہوئے معانقہ کرتے ہوئے اسد نے بھتی کی طرف دیکھا۔ آج شاید پہلی بار انہوں نے بھتی کو غور سے دیکھا تھا۔ وہ ہنسی اور ہنسی کے ساتھ ہی جیسے کئی طرح سے

"بیٹا۔" اسد نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے خوشی سے کہا۔ "تم شاید بھتی ہو۔"

"اور آپ شاید اسد بھائی کے دوست۔ اسد اللہ خان صاحب۔" بھتی نے بھی ہنستے ہوئے انداز میں کہا۔

سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ خالص خوشی۔ خالص ہنسی۔

"بھتی بڑی ہو گئی ہو تم۔" اسد اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

"میرے خیال میں تو تم اتنی ہی تھیں۔"

انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"سات سال میں اتنی ہی رہتا تھی؟" وہ بولی۔ "اسد شکر کریں۔ انہیں واقعی بھتی کو دیکھ کر تعجب بھی ہو رہا تھا۔

"میں سات سال بعد تو نہیں آیا۔" اسد نے کہا۔

"جی میں آپ سے سات سال بعد ملی ہوں۔"

"واقعی۔"

"جی ہاں۔ آپ کو بھی معلوم ہونا چاہیے تھا۔ آپ جب گئے تھے میں اپنی کے ساتھ لندن گئی ہوئی تھی۔"

"اوہ ہاں۔ یاد آ گیا۔ یاد آ گیا۔"

دونوں ہنس پڑے۔

"تمہارا سامان؟" آصف نے چند باتوں کے بعد پوچھا۔

"بکنگ ہے کیا تھا۔ کچھ ساتھ ہے۔" اسد نے آصف اور شائستہ کی تحیر بھری دریافت کرنے کے بعد کہا۔

"گھر لے چلیں۔" آصف نے پوچھا۔

"اوہ نہیں اکمل۔"

"کیوں۔"

"میں چھوکی خدمت سے عار ہا ہوں۔"

"گھر۔"

"اچھا تو یہ گھر نہیں ہے کوئی۔" شائستہ نے کہا۔

"نہیں آنٹی ۔۔۔ یہ بات نہیں ۔۔۔ دراصل میں نے ٹکٹ خریدا ہوا ہے۔ صرف تین گھنٹے کا ہے یہاں۔"

"کیوں۔" بھینی نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں چھ بجے کی فلائٹ سے جانا ہے۔"

"بری بات۔" آصف نے شاکی لہجے میں کہا۔ "اتنا طویل سفر کر کے آئے ہو۔۔۔ اور۔"

"نہیں انکل طویل نہیں ۔۔۔ میں روز ہی سے آ رہا ہوں۔"

"روز ہی سے۔" شائستہ نے پوچھا۔

"ہاں ۔۔۔ وہاں کل آیا تھا ایک دوست کے پاس ۔۔۔ ویسے میں نے امریکہ سے یہاں تک کا سفر بے ہتھے میں کیا۔"

"کدان گھنٹے تھے۔"

"کدان ۔۔۔ بیس بائیس گھنٹے۔" اسعد نے ہنس کر کہا۔ "کہیں ایک دن کہیں دو دن قیام کیا۔ کل رات آیا تھا۔۔۔ اس لیے طویل سفر والی بات نہیں۔"

"ہائے۔" بھینی بولی۔ "کتنا خوار ہوا ہوگا۔ اپنی بیچاری گھومتے پھرتے۔"

"ہاں۔" اسعد بولا۔ "زیادہ بیچاری نہیں رہا۔ پھر بھی تھوڑا بہت اچھا رہا۔"

پھر لمحے سب وہیں کھڑے باتیں کرتے رہے۔ مسافر آ جا رہے تھے ۔۔۔ شاید کوئی دوسری فلائٹ آنے والی تھی ۔۔۔ ایک جانے والی ۔۔۔ اس لیے خاصا رش اور ٹرانزٹ لاؤنج بھی تھی۔

"چلو بھی۔" آصف نے کہا۔ "گھر تو چلیں۔ چائے وغیرہ پی کر آ جانا۔"

"ہاں نہیں گھنٹے تو ہیں ابھی۔" شائستہ بولی۔

"نہیں آنٹی ۔۔۔ بہت امپورٹنٹ ہے ۔۔۔ چائے یہیں کہیں قریبی ریسٹورانٹ میں پی لیتے ہیں۔ گھر آنے جانے میں بہت وقت لگے گا۔"

"تو گویا آپ ضرور ہی چلے جائیں گے۔" بھینی نے کہا۔

"ہاں ۔۔۔ وہاں والی ماں کو اطلاع دے چکا ہوں۔"

"ڈرتے ہیں ان سے۔" بھینی ہنسی اور پھر کھلکھلا کر ہنستے ہوئے بولی۔ "تو پھر تو پٹائی ہو جائے گی۔"

اسعد بھی ہنس پڑا۔

آصف اور شائستہ کو اسعد کی بات سمجھ آ گئی۔ تین گھنٹے تھے۔ ایئرپورٹ کے قریب ہی کسی ہوٹل یا ریسٹورانٹ میں چائے پی کر اور کچھ وقت گزار کر یہ وقت گزارا جا سکتا تھا۔

سب باہر آ گئے۔ بھینی آج بھی اپنی گاڑی میں اکیلی آئی تھی۔ وہ شمی اور بھینی کے ہاں گئی ہوئی تھی۔ مختصر کہ وہاں آیا ہوا تھا۔ چند گھنٹوں کی مہلت۔ تنگ کر وہ یہاں آئی تھی۔

آصف اور شائستہ اپنی گاڑی کی طرف آئے۔

"بھینی بیٹے۔" آصف نے کہا۔

"جی ڈیڈی۔" بھینی چابی انگلی کے گرد گھماتے اس کی طرف آئی۔

"تم ہمارے ساتھ چلو گی۔"

"ہاں ڈیڈی ۔۔۔ تین گھنٹے تو آپ لوگوں کے ساتھ ہوں گی۔"

"پھر کہاں جا رہی ہیں۔" اسعد نے پوچھا۔

"ایک دوست کے ہاں ۔۔۔ آپ بھی رک جاتے ۔۔۔ تو بھی مزہ آ جاتا۔"

"اب میں پاکستان آ گیا ہوں ۔۔۔ انشاء اللہ جلد ملاقات ہوتی رہے گی۔" اسعد نے سر قدرے جھکا کر کہا۔

بھینی نے۔ "وہ شوخی سے ہوئی پھر ڈیڈی سے پوچھا "کہاں جا رہے ہیں۔"

"کسی ریسٹورانٹ میں چلتے ہیں۔"

"سمندر کے کنارے کیوں نہ چلیں۔"

باپ بیٹی نے جگہ کا تعین کیا۔

"چلیں۔" آصف نے کہا۔

"چلیں جی۔" بھینی نے اسعد سے کہا۔ پھر بولی۔ "ڈیڈی ۔۔۔ آپ اپنی کار

"ٹھیک۔"

دونوں چل دیے۔

"آیئے۔" وہ اسعد سے مخاطب ہوئی۔

"چلیے۔" اسعد نے کہا۔

بھینی اپنی گاڑی کی طرف آئی۔ اسعد اس کے پیچھے پیچھے آیا۔ بھینی نے گاڑی کھولی۔ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے دوسری طرف کا دروازہ کھولا۔ اور اس سے بولی۔ "آیئے۔"

اسعد اس کے برابر سیٹ پر بیٹھ گئے۔

بھینی نے چابی گھما کر گاڑی سٹارٹ کی اور پھر گاڑی وہاں سے نکال لے گئی۔

اسعد نے سر گھما کر اسے دیکھا اور مسکرا کر بولے۔ "بھینی واقعی حیرت ہو رہی ہے تمہیں دیکھ کر ۔۔۔ اتنی بڑی ہو گئی ہو۔"

بھینی ہنس پڑی ۔۔۔ پھر ایک دم بولی۔ "آپ مجھے دیکھ دیکھ کر حیرت زدہ ہو رہے ہیں ۔۔۔ ذرا اور دیکھیں گے تو ۔۔۔"

"تو بھی تمہاری طرح ہی ہوں گی۔" اسعد کے دل میں بڑی حسین سی گدگدی ہوئی۔

"او ۔۔۔ ہو۔" بھینی ہنس پڑی۔

"کیوں؟"

"وہ تو نوبل لیڈی تھی ہے۔"

"واقعی۔"

"جا کر دیکھ لیجیے گا۔"

"تم اس سے ملتی ہیں؟"

"کبھی کبھی ایک ہفتہ ہوا ۔۔۔ ہاں جاتی اور رہتی ہوں۔"

"یہاں آئی ہوئی تھیں۔"

"ہاں ۔۔۔ اس نے اپنی بچی کے پرانے کپڑے بھی بھیجے تھے۔"

اسعد کی جانکاری سے بھینی کچھ حیران ہوئی۔ پھر بولی۔

انہوں نے جانا ہے۔ شوق کو دل ہی میں دبا لیا۔ چلنے ہی تو تھے۔ پھر وہ جا کے پاس ہوں گے۔

دل میں خوبصورت اور حسین سی کھد بد ہو رہی تھی ۔۔۔ اپنے آپ میں بھیجتے ہوئے انہوں نے دوسرا انداز اختیار کیا۔

"دادی جان کا کیا حال ہے ۔۔۔ ٹھیک تو رہتی ہیں نا۔"

"ہاں ۔۔۔ کبھی کبھی تکلیف میں مبتلا ہو جاتی ہے ۔۔۔ ویسے ٹھیک ہیں۔ آپ کو بہت مس کرتی تھیں۔ اچھا ہوا آپ آ گئے۔"

"ہوں۔"

"بیٹے کے لیے آ گئے ہیں یا واپسی کا پروگرام ہے۔"

"یہ تو حالات پر منحصر ہے۔ ویسے میرا واپس جانے کا فی الحال کوئی ارادہ نہیں۔"

"گڈ۔"

دونوں باتیں کرتے کرتے ریسٹورانٹ تک جا پہنچے۔

آصف اور شائستہ پہلے پہنچ چکے تھے۔

چائے تو بنانے کا ہم ہی پی جا رہی تھی۔ چاروں مل کر باتیں کر رہے تھے۔ بھینی تو امریکہ کی دیوانی تھی۔ ڈیڈی کے ساتھ اس نے ان کریمیں میں وہاں جانے کا پروگرام بنا رکھا تھا ۔۔۔ وہ بڑے شوق اور تجسس سے اس سے وہاں کے متعلق باتیں کر رہی تھی۔

تھوڑی دیر سب سمندر کے کنارے بھی ٹہلتے رہے۔

اسعد کو بھینی بہت اچھی لگی ۔۔۔ اتنی جلدی بے تکلف ہو گئی تھی ۔۔۔ دونوں مل کر باتیں کر رہے تھے ۔۔۔ پیار کے خون کے پتے جاگ اٹھے تھے۔

○○○

بدایہ کے گھروں کا آخری جائزہ لے رہی تھی۔ نشست گاہ الماریوں اور ڈائننگ روم سے ہوتی وہ خوابگاہ میں آ گئی۔ یہ بھی خواہ مخواہ ہی خوبصورتی سے آراستہ تھی۔ پرانی طرز کی شاہی قسم کی مسہری پر ریشمی جھالروں والا بیڈ کور پڑا تھا۔ باریک جالی کے پردے مسہری کے چاروں طرف پڑے تھے۔ ان کی سنہری ڈوریاں لٹک رہی تھی۔ سیاہی مائل سرخ قالین نے فرش کا سینہ ڈھانپ رکھا تھا۔ کچھ اسی قسم کے پردے تھے۔ ایک دیوار پر خوبصورت کی پینٹنگ تھی جس کا فریم کمرے کے فرنیچر کی مناسبت سے گہرے براؤن رنگ کا تھا۔ ایک کونے میں کائنی کا مجسمہ تھا۔ محو رقص وہ مجسمہ وقت کی قید میں ساکت ہو گئی تھی۔

کھڑکی کے قریب گدے دار آرام دہ چیئر تھی۔ بھاری پایوں اور مخملی سیٹ والی بہت قریب ہی بڑی تھی جس پر چاندی کی ایش ٹرے اور سگریٹ رکھنے کا چھوٹا سا ڈبہ پڑا تھا۔ ایک طرف آتش دان تھا جس میں موٹی موٹی لکڑیاں جل رہی تھیں۔ کمرہ خاصا گرم ہو رہا تھا۔ باہر تو برفیلا موسم تھا لیکن چیخ چیخ کر بہنے والی لکڑیوں نے کمرے کی فضا معتدل بنا رکھی تھی۔

آج شام کی ملاقات سے اسد آ رہے تھے۔ ایئر پورٹ فون کر کے جہاز کی آمد کا وقت اس نے معلوم کیا تھا۔ تو وہ آدھ گھنٹے تک انہوں نے یہاں پہنچنا تھا۔

وہ خوابگاہ میں تھی دروازہ کھلا۔ آج اس کے من میں ہلچل سی مچی تھی۔ اسد آئے تھے۔

بدایہ کے اس پھاڑ سے ساری کائنات میں پیاری لگ رہی تھی۔

وہ کھڑکی کے سامنے کھڑی رہی۔

اس کی آنکھوں میں کبھی ماضی کے جھولے بکھر جاتے۔ بچپن اور لڑکپن کی کئی یادیں تھرک کر اس کی پلکوں میں اتر آتیں۔

کبھی مستقبل کا خواب کسی حسین تصور کو دے کر جاتا۔

"بیبا بی بی" صوفی نے چند لمحے چپ کھڑے رہنے کے بعد اسے پکارا۔

وہ اپنی آنکھوں میں کھلی۔ اپنی ذات سے وہ بالکل بیگانی تھی۔ وہ تو اسد کی ذات میں غائب تھی۔ بیبا خود کہاں تھی جو اس آواز پر پلٹ کر دیکھتی۔ وہ تو اسد کے حوالے سے اس وقت اپنے آپ کو پہچان رہی تھی۔

صوفی نے ذرا متعجب پا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونکی سے بولی۔ "بیبا بی بی۔"

بیبا ہاتھ کے لمس سے اپنے آپ میں لوٹ آئی۔ وہ جھینپ سے گھوم کر صوفی کو دیکھنا۔

صوفی ہنس پڑی۔ خوشی سے بولی۔ "کہاں ہیں آپ بیبا بی بی۔"

"کیوں۔ نظر کم" نے لگا ہے۔ ویسے آنکھیں تو تمہاری ماشاء اللہ خاصی بڑی ہیں۔"

بیبا اس کی شوخی سے محظوظ ہوتے ہوئے ہنس کر بولی۔ "تمہارے سامنے تو کھڑی ہوں۔"

"اوں ہوں۔" صوفی موٹی کاجل سیاہ کی بالکل ٹھیک کرتے ہوئے بولی۔

"یہ کیا۔ مطلب ہوا؟" بیبا نے اس کے بالوں میں پیار سے انگلی پھیرتے ہوئے اس کا سر دھیرے سے ہلایا۔

صوفی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ بیبا کو مگن کرنے میں اسے مزہ آتا تھا۔ وہ اس کی صورت تو ویسے ہی خوبصورت تھی۔ سانولی سلونی سی بھی تو تھی۔ اسی لیے اکثر اس سے بے تکلف بھی ہو جاتی تھی۔

آج تو بیبا بھی بے تکلفی اور خوشی سے بہہ جانے کے موڈ میں تھی۔

"میں بتاؤں آپ اس وقت کہاں ہیں۔" صوفی بال چھڑاتے ہوئے مسکرائی۔

اسد

جو اس کے تایا زاد تھے۔

اور

جن کے متعلق وہ اپنی ماں سے بچپن سے ہی عجیب سے تصور لیتے رہتی تھی۔

جو اس کے ہونے والے۔۔۔ سب کچھ تھے۔

بیبا کے من میں خیالات کی یورش تھی۔ اس سے اس کا پورا وجود بے خبر تھا۔ وہ تو اپنے آپ سے شرما رہی تھی۔۔۔ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اسد کا سامنا کیسے کر سکے گی۔

کمرے کی صفائی سے وہ مست تھے۔۔۔ وہ ایک ایسے انسان کی رہائش گاہ کے لیے موزوں اور مناسب تھے۔ تایا ایسی قسم کی چیزوں اور موسمی پھولوں سے ان کے کمروں کو سجایا گیا تھا۔ بیبا نے سارا کام وہ اپنی ماں کے کہنے پر اپنی نگرانی میں کروایا تھا۔ مطمئن ہو کر وہ باہر نکل آئی۔ چوڑے سے کوریڈور سے ہوتی وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔

وہ سیدھی فرانسیسی طرز کی چوڑی کھڑکی کے پاس گئی۔ اس کے پردے ہٹا کھسکائے اور صاف و شفاف بڑے بڑے شیشوں سے باہر دیکھا۔۔۔ وہ برف باری ہو رہی تھی اور پچھلے پہر کی نحیف سی دھوپ برف پر پھسل رہی تھی۔ برف تک کی شدت میں نکھر رہی تھیں۔۔۔ برف باری دامن کہسار میں بھی ہو رہی تھی۔ اطراف پر بیت اور درختوں کی شاخوں پر سفید سفید برادہ بکھرا ہوا تھا۔۔۔ پتھروں اور خود رو گھاس پر بھی سفید بھاری برف باری تھی۔ پرلی طرف کی پہاڑی ندی کی جولانی میں سستی آ چکی تھی۔ کسی کسی سال اب سرد شدت اختیار کر جاتی اور برف باری کچھ زیادہ ہوتی تو یہ ندی بھی جم کر تھم جایا کرتی تھی۔

باہر بڑا خوبصورت موسم تھا۔ بیبا کو یہ موسم ویسے بھی بہت اچھا لگتا تھا۔۔۔ سردیوں کے دنوں پر۔۔۔ دھوپ نکلی ہو۔۔۔ اور برف پڑی ہو۔۔۔ وہ اکثر اس موسم میں اپنی جولی کی پشت پر سے اٹھتی پہاڑیوں پر گھومتا پھرا کرتی تھی۔۔۔ گھومنے کے لیے پہاڑ کے اوپر تو قدم رکھنے میں بھی بہت لطف آتا تھا۔

آج تو بیبا کو اس موسم پر پیار آ رہا تھا۔ پیار اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہا تھا۔۔۔ اسے یوں لگ رہا تھا۔۔۔ جیسے وہ برف کی سفید چادر کا سرا پا تھی۔۔۔ اس کی ذات سے پھوٹتی کرنیں۔۔۔ کہاں ہوں۔" اس نے مسکراہٹ دباتے ہوئے پوچھا۔

"آسمانی غلافوں میں۔" وہ بولی۔

"کیا؟" بیبا ٹھیک طرح سے سمجھ نہ پائی۔

"جناب آپ اس وقت کرۂ ارض اور آسمان کہسار کے درمیان آسمانی غلاف میں تیر رہی ہیں۔" صوفی ہنستے ہوئے بولی۔

"بہت شریر ہو گئی ہے تو۔"

"ابھی تو اور ہو جاؤں گی۔"

"کیوں؟"

"چھوٹے صاحب آ تو لیں۔۔۔ پھر۔"

"پھر کیا ہو گا۔"

"پھر۔۔۔ پھر میں آپ کو خوب ستایا کروں گی۔"

"کس جرم کی پاداش میں۔"

"بتاؤں۔"

"نہیں بتانا۔۔۔ کوئی نیا کھوج ہی کرو گی۔"

"ہائے بیبا بی بی۔۔۔ میں کھوج کرتی ہوں۔۔۔ کہ آپ کے دل کی باتیں کرتی ہوں۔۔۔ آپ خود تو دل کی باتیں کہنے سے رہیں۔"

بیبا نے اک شرمگیں ادا سے صوفی کو دیکھا۔

صوفی جرأت پا کر بولی۔ "سچ سچ بتائیں بیبا بی بی۔"

"کیا؟"

"آپ کتنی خوش ہیں؟"

"سب ہی خوش ہیں۔ وہ ادی ماں کو نہیں دیکھتیں۔ یوں لگ رہا ہے۔ اس کی عمر کی برس پیچھے لوٹ گئی ہے۔"

"میں آپ کی بات کر رہی ہوں۔"

"میں۔۔۔ میں بھی خوش ہوں۔۔۔ بہت خوش۔ اسد آ رہے ہیں۔"

چاندکی چادر تھی کے دامن کی صورت گھوم گھوم جاتے۔ اس نے موی کے
کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے موڑتے ہوئے کہا۔

"تھا آپ کی نوٹی کو نظر نہ لگے چاچی۔" موی بولی۔

چندا کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ "خوشی زیادہ ہو تو اسے نظر بد لگ بھی جاتی ہے۔ اللہ نہ کرے ایسا ہو۔" اس نے دل ہی دل میں کہا۔

پھر

اس رات اس کے اندر ہی اندر جاگ گیا۔ خوشی پر غیر محسوس سے سائے لرزاں ہوئے تو موی بولی۔ "کیوں چاچی بی؟"

"موی۔"

"جی۔"

"خوشیوں کو نظر لگ جاتی ہے نا۔"

"یہ خیال کیوں آیا آپ کو۔ میں نے تو یہی دعا کی تھی۔"

"نہیں۔ مجھے اپنی بے پایاں اور بے تاب خوشیوں کو دیکھ کر خوف بھی محسوس ہو رہا ہے۔"

"کوئی وجہ تو نہیں۔"

"اگر۔"

"جی۔"

"موی۔"

"کہئے چاچی بی۔ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔"

"موی۔ اسد کے آنے کی خوشی میں باؤلی ہوئی جا رہی ہوں۔ اگر۔"

"آپ خانیا یہ کہنا چاہ رہی ہیں کہ اگر چھوٹے صاحب کے جذبات ایسے نہ ہوتے تو؟"

"ہو سکتا ہے نا۔ وہ پانچ چھ سال امریکہ میں گزار کر آ رہے ہیں۔ ضروری تو نہیں۔ ان سے من میں بھی کوئی نشش کوئی ہلچل ہو۔ پانچ چھ سال ایک مدت ہے۔

رات اتر رہی تھی۔

سرمائی راتوں کی فضا ٹھہری ہوئی تھی۔ دالیں تاروں کا چاند طلوع ہو کر غروب ہو چکا تھا۔ اب رات کوتاروں کی چھاؤں نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ آسمان کی نیلاہٹیں سیاہ ہوتی تھیں اور تاروں کی چمک سیاہی کے ہالوں سے نکھر نکھر آتی تھی۔

دال حویلی میں معمول سے زیادہ ہی رونق تھی۔ کچھ عزیز اور رشتہ دار اسد کے استقبال کے لیے آئے ہوئے تھے۔ اسد کے دو ماموں، تین خالائیں دو ایک رشتہ کی خالائیں اور دو پار کی پھوپھیاں بھی آئی تھیں۔

عورتیں دادی اماں کی نشست گاہ میں تھیں۔ بچے برابر والے کمروں میں کھیل رہے تھے۔ خوب اودھم مچا رکھا تھا۔

مرد بھی زنانگ روم میں بیٹھے تھے۔ چندا ایئر پورٹ پر گئے ہوئے تھے جو ڈھائی گھنٹوں کا مختصر سفر کہنے کے باوجود ابھی آ دھی رات کے قریب پہنچے تھے۔ سب بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔

چندا کا جی چاہتا تھا کہ وہ اور دادی اماں بھی ایئر پورٹ جاتیں لیکن یہ تو ڈھائی رات کے بعد کا سوال تھا۔ عورتیں صرف ہی ان کا استقبال کرنے والی تھیں۔ بیگم نصیر کمال کی بیٹیاں تو تھیں۔ ان کی نظریں بار بار دروازے کی طرف پڑتی تھیں۔ وہ ایک ایک منٹ انتظار کی کیفیت سے دوچار ہو کر رہ گئی تھی۔

ملکی حال چال کا بھی تھا۔ اس کی موجودگی بار بار گفتگو ہو جاتی تھی۔ اسد کا سامنا کرنے کے لیے ہر ایک بے حد بے تاب تھی۔ چندا دیکھ رہی تھی کہ خود بھی انھیں اسے دیکھنے کی

اس نے بار بار اپنے دل کو سمجھایا۔ "ابھی سے کوئی اچھی بری بات نہ سوچ۔ پھر خدا جانے کیا بات ہے۔ وہ اپنے ہوائی اڈے پر ہیں۔ بس۔ ابھی تو کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔ خواہ مخواہ ہی امیدوں کا رنگ اڑا گرد نہ کیے جا۔ کیا خبر کیا خبر۔"

لیکن

دل کہاں سمجھتا تھا۔ چندا نے کہا اب کھڑا جائے تو جھک جھک پڑتا تھا۔ اسے یاد نہیں پڑتا تھا کہ عمر کی پینتیس اس نے کن تمنا میں کب روتی ہوئی تھی۔ وہ جیسے ازل سے ہی انہیں چاہ رہی تھی۔ جیسے ان کے لیے واقعات اس کے دامن میں تھے۔ وہ انہیں پا کر ہی تو محسوس ہوتا کہ اسد کے لیے اس کے دل میں شروع ہی سے کھڑکنے والے جذبات تھے۔ وہ اسے ہمیشہ سے اتنے لگتے تھے۔ ان کی ادائی تکلیف دہ تڑپ جاگا کرتی تھی۔

اسے وہ واقعہ آج بھی اسی انداز اور اسی جذبے سے یاد تھا۔ وہ ان دنوں کوئی پانچ چھ سال کی تھی۔

اسد دادی ماں کے حضور محرم بنے کھڑے تھے۔ جانے کس بات پر انہیں ڈانٹ پڑی تھی۔

وہ دادی ماں کے گھٹنے سے لگی بیٹھی تھی۔

اچانک ہی دادی ماں کا ہاتھ تھپڑ مارنے کے لیے اٹھا۔

لیکن

وہ تھپڑ اس کے کر تھپڑ اسد کے منہ پر پڑتا۔ وہ بجلی کی سرعت سے دادی ماں کے بازو کو پکڑ کر جھول گئی۔ اور وہ کریہہ سا منہ بناتے ہوئے بولی۔

"مجھے مارئیں دادی ماں۔ مجھے ماریں۔ اسد کو نہ ماریں مجھے ماریں۔"

اسد دادی اماں کی گود میں سر رکھ کر گھٹنوں سے لپٹ گئے تھے۔ "دیکھیں دادی ماں بڑا تھپڑ مجھے پڑا ہے۔ اس کی بات مان لیں۔"

اسد کی جان بچوں اس نے بچائی تھی ورنہ دادی ماں اس وقت غضب کی حالت میں تھیں۔ اسد کی طرف چل ہو گئی تھی۔

اس بات سے وہ اپنے جذبات کا اظہار کرتی۔ قریبی رشتہ داروں میں بھی اس کی شادی ہو چکی تھی۔

اسے وہ دن بھی یاد تھا۔ اسد نے اپنی گاڑی چلانا سیکھی تھی اور پہلے دن ہی جب اکیلے گاڑی لے کر گیا تو ایکسیڈنٹ کر دیا تھا۔ بات تو ہو گئی تھی لیکن سر پر چوٹ آئی تھی۔ ماتھا اور بازو بھی زخمی ہوئے تھے۔

ہفتے کی تھرین کروم ہے ہوش کی ہو گئی تھی۔

اور اب ہر ہاتھوں اور پاؤں پر پٹیاں باندھے اسد گھر آئے تھے تو وہ ڈر کر ان سے لپٹ گئی تھی۔ اور رونے لگی تھی۔ اس وقت اس کی عمر بمشکل نو سال تھی۔ لیکن وہ اسد کے ہاتھوں کا درد بانٹنے کے لیے بے چین تھی۔ وہ اور گڑیا ہی سنبھالتی رہتی۔ کھانا کھاتی تو کہ یہ منہ لقمہ بھی بھول جاتی تھی۔ ماسٹر پڑھانے کے لیے آتا تو وہ صاف جواب دے دیتی۔

"جب تک اسد بھائی کی پٹیاں نہیں اتریں گی میں نہیں پڑھوں گی۔"

اور

ان دنوں شاید وہ گیارہ برس کی تھی۔ جب اسد کی کوئی چیز ہو گئی تھی۔ اسے وہ دن بھی یاد تھے۔

کسی مسئلہ اور چائنا پر چونہ اس کی طرف ان کی تیمارداری کی ذمہ داری اس نے اٹھائی تھی۔

گیارہ سال کی بچی سے اتنی کم سے خدمت کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

لیکن

وہ پٹیاں ان کے کھولتی رہتی۔ حالانکہ خدمت گزاری کے لیے نرس بھی آتی تھی اور بھی کئی لوگ موجود تھے لیکن کھانا کھلانے، دوا دینے کی خدمت میں غلطی سے بھی پانی نہ ڈالتی۔ اسد کے ہاتھ ریلنگ تھی۔ لیکن یہ بھی وہی جانتی اور اس سے دادی نے کہ کبھی اسد کو کھانا کھلاتی پلاتی۔

بھولے بھی کی بات تھی اس کے ذہن میں تھے۔ اور شاید ابھی واقعات

سے بیشتر ہو کر دادی ماں نے اس کا اسد کے ساتھ جانا بند کر دیا تھا۔ اور وہ گڑیا تھا۔ اس اور اسد کی جھگڑے بھی ہوتے تھے۔

ہاتوں میں الزام دیتی کہ اس کی وجہ سے دادی اس سے روٹھی ہوئی تھیں۔

اسی لیے بچا کے من میں بھی یہی بات تھی۔ "آپ نے دادی اماں سے بات کیوں نہیں کی؟" اسد نے پوچھا تھا۔ "میں نے کوشش کی تھی۔ لیکن وہ ناراض ہیں۔" بچا نے جواب دیا تھا۔ "یہ بھی کوشش کرنا چاہیے۔ اسد بھائی کی وجہ سے ناراض ہیں۔" اسد نے کہا تھا۔ "اسد بھائی کی وجہ سے ناراض ہیں۔" بچا نے دہرایا تھا۔ وہ اس سے مخاطب ہوتی تھی۔ "خدا کے واسطے اس بات کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔"

لیکن

اس نے یہ سب کچھ اپنے من میں سوچا تھا۔ یوں جیسے اس کا یہ واصول سارے ان کی ناراضی بھی نازل ہو گی تو یہ اسے خطرناک ہو گا۔ اور یہ بھی ناراض ہو جائے گی۔ مگر بچا نے شدت سے محسوس کیا تھا۔

بیچارہ دادی کے لیے بہت ہی تھی۔

کہ آج آمد کا سالگرہ تھا۔

کمرے میں بے چینی کی انتہا تھی۔

"اسد آ گئے۔"

"وہ آ گئے۔"

ہر کسی کی زبان پر تھا۔ ہال سجاوٹی کی سرخ جھالروں والی سٹرک پر کے ہال گاڑیوں کے پیچھے جا چکا رہے تھے۔

دادی ماں اپنی جوڑی سے ٹوٹا کرسی پر بیٹھی تھیں۔ ان کے اردگرد بیٹھی عورتیں بھی اٹھ کھڑی ہو گئیں۔

دادی ماں کا وجود خوشی سے کپکپا رہا تھا۔ آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ ان کے پیچھے سے رہا تھی کھڑی تھی۔ بے انداز خوشیاں اس پر بھی کپکپا رہی تھیں۔ ہال تھا۔ دھک کر رہا تھا اور سرخ و سپید بے داغ چہرہ خوشی سے لال ہو رہا تھا۔

بیگم عائشہ عنصر نے بیچھے لیے کمال کو ہار کا سہارا دیتے ہوئے۔ سب کے سر سے ہوا نکل نہ جائیں۔

ایک کا جواب دے دیتے تھے کہ دوسرا سوال کر دیتی۔ "مبارک ہو۔" کی آوازیں گونجتی رہی تھیں۔ ہال کے چاروں طرف بتی برقی روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ بچے دوڑ رہے تھے۔ کھیل رہے تھے۔

"بھئی واہ۔ تو چلو۔" عنصر نے کہا۔ "کھانے کے لیے ہمارے آنے ہیں۔ راستے ہی میں کھڑے کر دیا انہوں نے۔"

"معاف کرنا۔ ابھی طرح نہیں کیا۔ کھانا ہی تو ہے۔ کھا لیں گے۔" اسد مسکرائے۔

"ہاں۔ بیٹے؟" عنصر نے سوال کیا۔

"ہاں دادی ماں۔ تین گھنٹے ہاں آنا خدا آنا کھل ہو رہے ہیں۔ ہم ہو رہے تھے۔ دادی ماں۔ بھی کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ ایک دم آگ دادی ہو گئی ہے۔"

"ایک دم۔" شوخ سی بچا بھی مخاطب ہو کر ہنس پڑی۔ سب ہنسنے لگے۔ وہ بولی۔

"پانچ چھ سال کے عرصے کو تم ایک دم کہہ سکتے ہو۔"

"اوہ۔" تارے بچا کی طرف خوفی سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "بچا کو دیکھ کر حیرانی نہیں ہوتی۔ یہ بھی تو ایک دم آئی ہوئی ہو گی ہے۔"

سب نے قہقہہ لگایا۔ اسد نے اک نظر بچا کی طرف دیکھا۔

بچا کے چہرے پر مسکراہٹ ہونی تھی اور گہری ہو گئی۔ وہ اب کمرہ کمال کے بالکل ہی پیچھے چھپ گئی۔

سب ہنستے مسکراتے آگے بڑھ گئے۔

سے ملتے ہوئے تھے۔ ایک کر آگے بڑھ آئے۔

"دادی ماں۔" وہ نفیسہ کمال سے بڑے والہانہ انداز میں لپٹ گئے۔

"شکر ہے پروردگار تیرا۔" عنصر کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ انہوں نے اسد کو سینے سے کی سیاہ نظر لگائے رکھا۔ ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ "زندگی میں تمہیں دیکھ لیا۔ بہت ہے۔" ان کو اپنے سامنے کھڑے کر کے بغور دیکھتے ہوئے بولیں۔ ان کی آنکھیں گھومتے بلبلے رہے تھے۔

"دادی ماں۔ میری دادی ماں۔" اسد فرط جذبات سے مغلوب ہو کر پھر ان سے لپٹ گئے۔

دونوں کے بیٹے بالکل اندازہ لگا رہے تھے کہ چہرے مسکراتے چہروں پر بھی سوز کا گہرا پھیل گیا۔

پھر

ملنے ملانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسد کسی کے سامنے جھک گئے۔ کسی کو سلام کیا۔ کسی سے معانقہ ہوئے۔ کسی کا ہاتھ دبایا۔

اور

پھر ان کی نظریں بچا پر پڑیں۔ وہ دادی ماں کے پیچھے چھپی جا رہی تھی۔

"بیٹھو بچا۔" کاجل میں لمبائے خمار آلود آنکھوں سے وہ بچا کو دیکھتے ہوئے بولے۔ بچا کا رنگ تو پہلے ہی ہو رہی تھی۔ نگاہوں کی حدت اور جذبات کی شدت سے چہرہ گلنار ہو گیا۔

اک معنی خیز نگاہ ان پر ڈالی۔ نگاہ مسکرائی اور آنکھیں جھک گئیں۔ من موہنی ادا دیکھ کر اسد ایک طرف ہٹ گئے۔

"شرم نہیں آتی تمہیں۔" دادی ماں کے سوال پر وہ چونک گئے۔

پھر

وہ طرف سے سوالوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ اسد حیرانی میں گم ہو گئے۔

اسد کو یوں لگا جیسے اطف لیلوی ماحول میں آنکھیں کھولی ہوں۔ بھاری بھرکم کے ریشمی اور مخملی ڈاریوں سے بندھے پردے۔ جنہیں چاروں طرف سے سرخی مائل مرمئی غبار نے لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ کونوں میں پڑے بڑے بڑے مشرقی طرز کے گلدان اور دھاتوں کے خوبصورت نقش غبار کی لپیٹ میں بڑے پراسرار لگ رہے تھے۔ کمرے میں صبح کی ہلکی ہلکی روشنی بے قاعدوں داخل ہو رہی تھی۔ ہلکے سردی میں گلابی مومبتی کی کوئی دھیمی خوشبو تھی۔ صبح کا کوئی راگ تھا جو بڑے غیر محسوس طریق سے کمرے کی فضا اور ماحول کو رات سے جدا کر کے صبح کی آغوش میں ڈال رہا تھا۔

دن چڑھے بیدار ہونے کے عادی اسد کی آنکھ کھل گئی۔ تو پھر آنکھیں بند کرنے کو جی نہ چاہا۔ پانچ چھ سال مختلف ہاسپٹلس میں رہنے کے بعد یہ خوبصورت فضا من کو بھا رہی تھی۔ مومبتی روح کی غذا ہوتی ہے۔ اسد کو شروع ہی سے اس سے خاص لگاؤ تھا۔ پانچ چھ سال وہاں بھی وہ مومبتی کی غذا روح میں اتارتے رہے تھے۔

اس وقت نرم گداز اور ہلکے سردی کی مومبتی سیدھی روح میں اتر رہی تھی۔ اسد کچھ چھوٹے وقت انہیں وہاں کی پرفیشن اور آزاد زندگی سے چھوٹنے کا کچھ افسوس ضرور ہوا تھا۔ لیکن اب وہ کیف آور میں ڈوب رہے تھے۔ بھی خیال تکلیف دے ہاتھ کر اس حسین اور پرسکون ماحول سے کٹ کر انہوں نے کچھ اچھا نہیں کیا۔

اک انگڑائی لیتے ہوئے انہوں نے ٹائم پیس سے ٹائم دیکھنے کے لیے ہاتھ گھڑی نکال کر وقت دیکھا۔ بہت زیادہ سو رہے تھے۔

پھر انہوں نے سائیڈ ٹیبل سے سگریٹ اور ماچس اٹھائی۔

سگریٹ کے کش لیتے ہوئے وہ چائے کا انتظار کرنے لگے۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ یہاں کے معمولات میں کوئی خاص فرق نہیں آیا۔ جانے سے پہلے وہ اسی وقت بیدار ہوتے تھے۔

ہوتے تو نیا۔ بیدار کیے جاتے تھے۔

سلطان کا ذاتی ملازم تھا۔ لیکن یہ وہاں اس کی ذاتی خدمت کے لیے نہیں تھا۔ صبح انہیں جب روشنی خاصی پھیل جاتی تھی تو سلطان کے ملازم بیدار کرنے کے لیے آتے تھے۔ پھر وہ چائے کے کئی دور اور ناشتہ خوب ہنگامی کی چائے پیتا تھا۔ صبح کی چائے میں اسد ذرا سا تلک ضرور استعمال کرتے تھے اور وہ بھولی بھی تلک لائی چائے کے ساتھ لانا کبھی نہ بھولا کرتا تھا۔

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"کون؟" اسد نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے نوکر سے بھائی آواز میں پوچھا۔

"چائے لایا ہوں صاحب۔"

"لے آؤ۔"

ملازم چائے کی ٹرے لیے اندر آ گیا۔

"کپ دو تھے بھیجے ہیں صاحب۔" اس نے ٹرے ایک طرف رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔"

اس نے ڈوری کھینچی۔ پردے آپس کے بیچ ایک طرف ہو گئے۔

اسد نے ایک ایک کر کے سوٹ کیس کھولنا شروع کر دیا۔ وہ بھی ساتھ ہی جانا تھا۔

"تم۔" اسد نے پہچان نہ سکے۔

"جی میں ہاصر ہوں۔ سالی بابا کا چیلا۔"

"اوہ۔ یاد آیا۔" اسد ہاصر میں اٹھ کر پرانی چیزے سے لیے لگاتے ہوئے مسکرائے۔ "کتنے بڑے ہو گئے ہاصر۔"

"جی۔ صاحب۔" وہ شرمایا۔

"کیا کرتے ہو۔ پڑھائی وغیرہ بھی کی یا ایسے ہی ہو۔"

"تھوڑا بہت پڑھ لی تھیں صاحب۔"

"اب۔"

"آپ کی خدمت پر مامور ہوا ہوں۔"

"سلطان کہاں ہیں؟"

"گاؤں میں۔ وہ بھی آ جائیں گے۔ دو چار دنوں میں۔ ان کے پوتے کی بڑی ہے۔ جوان پوتا پچھلے سال مر گیا تھا۔"

"اوہ۔"

"جتنے دن وہ نہیں آتے۔ میں حاضر خدمت رہوں گا۔"

"ہوں۔"

"چائے بناؤں۔"

"نہیں۔ ادھر کھڑے میں خود بنا لوں گا۔"

اسد نے بستر سے باہر لٹکنے کو پاؤں پلنگ سے نیچے کیے اور سنبھل کر اپنے سلیپر پہننے لگے۔

ہاصر نے جلدی سے جھک کر سلیپر ان کے پاؤں میں ڈال دیے۔

اسد نے ہنس کر کہا۔ "بھئی میں خود ہی پہن لوں گا۔ ایسے چونچلوں کی مجھے اب عادت نہیں رہی۔ وہاں سارا کام خود ہی کرنا پڑتا تھا۔"

"جی صاحب جی۔"

"ہاں۔ کبھی کبھی خود کھانا بھی خود ہی پکانا پڑتا تھا۔ اور برتن دھونے پڑتے تھے۔ ہی اور اپنے کپڑے استری کرنے اور دھونے پڑتے تھے۔"

ہاصر حیرانی سے انہیں دیکھنے لگا۔

اسد مسکرائے۔

ہاصر نے ٹرے محل ان کے سامنے کر دی۔

چائے کی وہی پرانی مہک تھی۔ باہر جانے سے پہلے ان کے لیے بیڈ ٹی میں استعمال ہوتا تھا۔ ناشتے کی بھی کی پیالی بھی تھی۔

اس نے حیرانی سے چائے کے برتنوں کی طرف دیکھا۔ چائے کے ساتھ بھولی کی تلک والی بھی پڑی تھی۔

"تمہیں بھی یاد ہے ہاصر کہ میں بیڈ ٹی میں بھی تلک لگی لیتا ہوں۔" اسد کچھ حیران سے ہو گئے۔ انہیں تو کیا ان کی عادتوں کا بھی یہاں بھلا پا کیسے گیا تھا۔

ہاصر ان کی بات سے کچھ نہیں سمجھا۔ جلدی سے بولا۔ "یاد صاحب جی۔"

"چائے تم بنا کر لائے ہو؟"

"چھوٹے صاحب لایا ہیں۔ بالی میں نے بھیر۔"

"کس نے بنائی ہے۔ سلطان بابا نے۔" اسد نے پرانے خانساماں کا سوچا۔

"جی نہیں۔ جہانارا بی بی نے چائے بنائی ہے۔ سلطان بابا نے انہوں نے کہہ دیا تھا۔ کہ وہ خود آپ کے لیے بیڈ ٹی بنایا کریں گی۔ جب تک سلطان نہ آ جائیں۔"

"اوہ۔" اسد کے دل میں پیار نے انگڑائی لی۔ آنکھیں بھیگ گئیں۔ ان کے لب مسکرا اٹھے۔

وہ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے چائے بنانے لگے۔ ہاصر ہونے کی وجہ سے چائے پینے لگے۔ وہ کھڑکی کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے۔ چائے پیتے ہوئے ہاصر سے باتیں کرنے لگے۔

ہاصر خالی برتن واپس لے گیا۔ وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگے۔

اسد پھر بستر پر آ کر لیٹ گئے۔ نرم و گرم بستر میں گھس کر انہوں نے سگریٹ سلگایا۔ ان کی آنکھوں میں جیسے کسی نے کوئے ہوئے سنہرے خوابوں کی چمک بھر دی تھی۔ اس خیال سے ہی محظوظ ہو رہے تھے کہ چائے انہی کے لیے بنائی گئی تھی اور پانچ چھ سالوں میں وہ ان کی عادت کو بھول نہ پائی تھی۔

اسی حوالے سے ان کے ذہن میں کئی سوال آ گئے۔

انہوں نے جلدی جلدی کھل لے کر کوٹ بدلی۔ سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر
دوا پیالے سے کھا لی پھر بولے۔
جاؤ مہتابی انہیں یہاں سے وہاں لے گیا۔

وہاں
جہاں ایزی اور صوفے تھیں۔

وہ
جن کے ساتھ انہوں نے زندگی کے رومانس لڑائے تھے۔ جن کے ساتھ
انہوں نے میاں بیوی کے سے مراسم روا رکھے تھے۔ جوان کی بھولی میں شاخ سے خود
بخود ٹوٹ کر گرنے والے پھول کی طرح آن گری تھیں۔ گو ان کے ساتھ انہوں نے شادی
کے وعدے نہیں کیے تھے۔ دی ایسا کوئی ارادہ تھا۔ پھر بھی۔۔۔ وہ ان کو چاہتے تھے۔ ان کی
رفاقت میں وقت گزارا تھا۔ ان کے شب و روز پر ان کا تسلط رہا تھا۔

وہ کچھ بے چین سے ہو گئے۔
اپنے آپ سے وہ بھی نظر آنے لگے۔
شاید پچھتاوا تھا کہ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بچا کی
ذات میں وہ اپنی عرصہ زیادتیاں کرتے رہے ہیں۔
رات بچا کی شکیلی نگاہوں نے ہی بہت سے راز افشا کر دیے تھے۔ اس کی
آنکھوں میں اس قسم کی بات دیکھی تھی جو اس کے دل میں ان کے لیے روشن تھی۔

اب
اب

اس طرح بیوقوفی کیسے کر لیں۔ اسے اس دادی کا تھا کہ جو یا جن کو دل میں ایک بار
کہی جو گئی۔۔۔ وہ بھولے نہیں۔

وہ بچا سے بچتے بچتے ہی بے چین اور مضطرب ہو گئے۔۔۔ یہ بات بے انسانی
لگی تھی۔۔۔ کسی بھی انسان کے دل میں ہوئے والے تغیرات میں لگا رہا تھا۔
بار بار انگلیوں سے انہوں نے اپنے آپ کو تسلی دلاسا دیا۔

"ٹھیک ہے۔"
"موسم بدلتا اور شوہر کی تبدیلی اثر انداز ہو رہی ہے۔ مجھے لگتا ہے میں نے
دعا مانگ لی تو بیمار ہو جاؤں گا۔"
"اللہ نہ کرے۔"
"پھر آپ یہ تو ان باتوں کا سلسلہ ختم کر دیں۔۔۔ ہر کر کھانسی ہے۔۔۔ تو زہ
مہربانی ہفتے میں صرف ایک دن دعوت رکھا کریں۔"
"ایسا ہو سکتا ہے۔"
"اور گھر پہ بھی دعوتوں کا سلسلہ رکھ دیجیے۔۔۔ سارا دن لوگی گھر رہتا ہے۔"
"بھئی لوگ ملنے آئیں گے ہی۔ یہ تو ملنے والوں کے لیے اچھا ہے۔"
"ملنے آئیں لوگ ضرور۔۔۔ دادی ماں کو بھی وقت کوئی حد تو مقرر ہونا چاہیے۔
آرام کرنے کا وقت ہے اور ملنے والے آ گئے ہیں۔ سونے کا وقت ہے تو مہمان بلا رہے
ہیں۔۔۔ مطالعہ کر رہے ہیں تو لوگوں کی آمد کا تھکنا ہے۔"
"تم باہر جا کر اپنی ساتھیوں کو بلا آئے ہو۔"
"نہیں دادی ماں۔۔۔ بہت کچھ سیکھ آیا ہوں۔۔۔ مگر ہر وقت کا ملنا جلنا اور مہمانوں
کی پابندی تھوڑی تھوڑی ضرور سیکھ لی ہے۔"
"وہ لوگ رشتوں بندھنوں اور اس قسم کے جذبوں سے عاری ہوتے ہیں۔ اب
تم خود ہی سوچو۔۔۔ جو لوگ تمہیں دیکھنے تمہیں ملنے آتے ہیں۔۔۔ کیوں آتے ہیں۔"
"کیوں آتے ہیں؟"
"خلوص محبت اور پیار کا اظہار کرتے۔"
"سارا وقت تمہیں یہ لیتے ہیں۔۔۔ انہیں خلوص محبت اور پیار کے اظہار کا موقع ہی
نہیں دیتے۔"
اسد نے دادی ماں کی ادا میں فخر سے پھیلی بچی بچا کو کن انکھیوں سے دیکھتے
ہوئے ہنس کر کہا۔
بچا نے پلکیں اٹھائیں اور پھر جھکا لیں۔۔۔ اسد کی مسکراہٹ اور دادی ماں کی

کر دو۔ بیٹی۔"

دادی ماں نے پوتے کو دیکھا اور بولیں۔ "کیا ہوا بچہ، دن کی بات ہے۔ پھر تم تو ماشاء اللہ بڑے ہو گئے۔ باقی بھوپی محبت اور پیار کا اظہار تم جب چاہو کر سکتے ہو۔ کون منع کرتا ہے۔"

اسد نے بڑھ کر دادی ماں کو دیکھا۔ کیا وہ ان کی اوٹ پٹانگ بات سمجھ گئی تھیں۔ بچہ کسی قدر جھینپ سے ماں آ گئے گی۔

لیکن

اسد کچھ مطمئن سے نظر آتے۔ دادی ماں سے یہ بات عام انداز میں کی تھی۔

"بات دراصل یہ ہے دادی ماں۔ اب سے آیا ہوں۔ آپ کے پاس اطمینان سے بیٹھنے کا موقع نہیں آ سکے۔ بیٹا کو کوئی ضروری کام سے دیکھنے ہوئے دادی سے بات کی۔

"ہاں۔ یہ بات تو ہے۔" دادی ماں نے اپنی ناراضگی کی معمولی تر نیم دادی جھک کے اوپر سے اسد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھر۔ ایسا کیجئے طریقے سے آپ کی حوال ہی کی۔ نہ کچھ پوچھ گچھ ہی کر سکے۔"

"اب کہو گی۔" دادی ماں ہونے سے مسکراتے ہوئے اور اپنی سر پر آنچل کو کندھے اور کری پیچھے ڈالتے ہوئے بولیں۔

"کیسے ہیں آپ؟" اس نے گویا دادی سے پوچھا۔

"میں اچھا ہوں۔ وقت گزر گیا۔ شکر ہے جیتے جی تمہیں دیکھ لیا۔"

"ہاں دادی ماں۔ تو گویا آپ ایسی ہی تھیں گے۔ بچے کے سلسلے میں۔"

"کچھ۔ لگے تھیں خاطر تم آ گئے، میں زندہ ہوں گی۔"

"دادی ماں! کر رہا ہوں۔" اسد نے الجھ کر ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور ان سے لپٹ گئے۔ آنکھیں بھیگ گئیں۔ قریب آنے سے بولا کر گزری ہو گئی۔

"کہاں۔" اس نے دادی کو دیکھا۔

"کی۔" دیکھو کہ کیا گی۔

"ہم تو جب جہاں ہوں گے جب ہم ہیں گے۔"

"نہ، واہیں دیتا۔"

"میں دادی ماں اس وقت نہیں۔" وہ بے حد گھبرا گئی۔

اسد کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ "سنو رے ہم بھی تو استاد ہیں دادی ماں۔ ہماری استاد سیاں کر بھی ہوئی ہے۔"

"ہاں بیٹے۔ تمہاری کوئی چیز یہاں ضائع نہیں ہو سکتی۔"

"پھر کسی دن ستا بلا ہو جائے ریشمی۔" اسد نے شوخی سے کہا۔

بچہ نے مسکرا کر نفی میں سر ہلا دیا۔

"بچہ بڑے کے گلس ہوتے چاہئیں۔" اسد نے کہا۔

بچہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس ایک لمحے نظریں سے انہیں دیکھا اور سر جھکا لیا۔

اسد کچھ کہتے کہتے رک گئے۔ ماحول اداس ہو گیا تھا۔

"یہ بی بیگم صاحب۔" انہوں نے دادی سے پوچھا۔

"کیا ہے؟" نفیسہ کمال نے عینک درست کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

"کچھ لوگ گاؤں سے آئے ہیں۔ بچے نے صاحب سے ملنے۔"

"انہیں بلاؤ۔ ہم آتے ہیں۔"

"ناشتہ پانی ہے بیگم صاحب۔"

ساحلہ سر جھکائے کمرے سے نکل گئی۔ اس نے دادی کی طرف دیکھ کر کہا۔ دادی ماں کرسی سے اٹھتے ہوئے ان کے گال تھپتھپاتے ہوئے مسکرائیں۔

"جاؤ۔ چلو ان سے۔"

"دادی ماں۔" اسد سنبھل سے ہاتھ کھڑے ہوئے۔ "آپ کی خاطر ہم کیا نہیں کر سکتے۔"

انہوں نے دادی ماں کو اپنے بازو کی پوزیشن میں لے لیا۔ ان کے گال سے گال ٹکا دیا۔ پیار بھی انداز کری ہوئی۔

0:0:0

"ٹھیک ہے۔" دادی ماں نے پوتا کا چہرہ اپنا ہاتھ میں لیا۔ آنکھیں بھر آئیں۔ آنسو گالوں پر بہنے لگے۔ اسد نے آنسو پونچھ دیئے۔ دادی ماں کے گھٹنے پر سر رکھ دیا۔ دادی ماں نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

اب وہ بچہ کے پاس جا رہے تھے۔ بچہ کے گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے۔ اسد نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بچہ کو دیکھا۔

"آپ کیسی ہیں بچہ۔" اسد نے بچہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ بچہ نے بڑی مشکل سے ہاتھ چھڑا لیا۔

"ٹھیک ہوں۔" اسد نے بچہ کی آنکھوں میں جذبہ پڑھ لیا۔ "آپ کو دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی تھیں بیٹا۔"

"ہم اس دن نہیں آ سکے تھے۔ میں نے تمہارے متعلق پوچھا تھا۔"

"جی ہاں۔ یاد ہے۔"

"ہاں بیٹا تھا۔ بہت افسوس بھی ہوا۔"

اسد بیٹھ کے کنارے پر بیٹھ گئے۔ ساحلہ اپنی ہم کہانی نہیں سنا سکے۔

"آپ سب طرح سے راضی و خوش ہیں بچہ نے صاحب۔" اپنی بچہ کے بعد وہ اسد سے پوچھنے لگا۔

"بالکل بالکل۔"

"چائے پئیں گے۔"

"تم رات کب آئے؟"

"رات ہوا۔ کیا فائدہ۔ صبح صبح پہنچا ہوں۔"

"چائے آج کس نے بنائی ہے؟"

"میں نے چھوٹے صاحب۔"

"اچھی۔"

"کیوں... اچھی نہیں بنا؟"

"اچھی ہے۔" اسد بولے۔

چائے واقعی چائے کا مزہ برقرار رکھنے کے لیے ہلکے سے کھولے سے کھولے تھے کہ آج چائے خود اسی نے بنائی تھی۔ فی الحال تو یہ آج چائے میں وہ لطف نہیں جو چند دنوں سے محسوس ہوتا ہے۔"

لطف و اپنائیت کا احساس ابھی بہت حد تک ہماری سوچ اور ہمارے جذبات سے منسلک ہوتا ہے۔ چائے میں وہ تو انہی اپنے لیے اور ہم سب کا احساس ہوتا تھا۔ اسد نے اس خیال سے کہ چائے بنا باقی تھی۔

بیٹا

جس سے اتنے دن ہو گئے تھے... وہ کھل کر بات بھی نہ کر سکتے تھے۔ جو ان کا سامنا کرتے ہوئے گھبراتی تھی۔ جو ان کی باتوں کا جواب دیتے ہوئے شرماتی تھی۔

لیکن

چپکے چپکے اس کی ساری کائنات پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ مسلط ہونا چاہتی تھی... لیکن اس مسئلہ میں اتنا اعتماد اور قوتِ ارادی کہاں سے لے کر آئے۔

صبح ناشتے کی میز پر وہ اس اتفاق ہی سے قریب قریب بیٹھے تھے۔ کیونکہ ٹیبل پر آج بھی کافی لوگ تھے۔ ایک سرے پر امّاں بیٹھی تھیں۔ دوسرے کنارے پر بیٹا بیٹھی۔

جو ابھی ابھی کری اس نے ماسی رانی کے لیے بنائی تھی تاکہ وہ اپنے لڑکے کے ہاتھ بھیج سکے۔

بیٹا

اسد گھر سے چلے گئے... خاموش کرسیاں اور بھی تھیں لیکن وہ چائے کے بعد اٹھ آئے۔ جو ان چند لمحوں کا لطف ختم نہ کرنا چاہتے تھے۔ پرانے اور نوسٹلجک تھے۔ کالج لائف کی یاد دلاتے تھے۔ تنہائی اور بھری شیشیاں بھی تھیں اور اپنا پن بھی رکھتی تھی۔

وہ کوئی چیز پسند کی تھی لے۔ ہاتھ، جوتوں اور بچوں کی کمک کے ساتھ باتیں بھی ہو رہی تھیں۔

اسد چائے کے قریب آ بیٹھے تو سوچا بھی نہ تھا۔ وہ اندر ہی اندر کسی بہت محسوس کرنے لگی۔

پلیٹ اس کے سامنے پڑی تھی... لیکن وہ کوئی چیز بھی اٹھا کر اپنی پلیٹ میں نہ ڈال پا رہی تھی۔

اسد نے کہا۔ "تھوڑی توانا سنبھالو... پلیٹ میں ڈالو۔ رکھے۔"

"پلیز لیجیے نا۔" انہوں نے بائیں ہاتھ سے میز اٹھا بھی سے کہا۔

"آپ لیں گے۔" انہوں نے آنکھیں ان کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔"

"فرمائیے نا۔"

"نہیں بھئی... آج اٹھنے کا ارادہ ہے... اتنا کچھ کھا تا رہا... تو بہت جلد کیا ہو جاؤں گا۔"

"تم جیسے گئے تھے... ویسے ہی واپس آئے ہو... تھوڑا سا موٹا ہونا چاہیے۔"

"ہاں بھئی، فوراً سے... ماشاء اللہ صحت اچھی ہے... تمہارا بھی تو صحت ہے... تمہاری بیٹی تمہیں دیکھ کر نہیں سکتیں پا سکتی ہیں... ان کی طرح تم بھی گول مٹول سے کی مثل اختیار کرو۔"

سب ہنسنے لگے۔

باتوں اور کھانے میں پلیٹوں کے درمیان چلتا رہا... اس دوران بیٹا نے اسد سے کوئی بات نہ کی۔ ہاں اس کے سامنے کھانے پینے کی چیز لے کر گئی رہی۔

بیٹا

"چائے لاؤں..." بیٹا نے اس لہجے میں پوچھا کہ اسد کو اس کی طرف دیکھنا پڑا۔ چائے کے پیالی اٹھانے سے پہلے ہی وہ بولے سے بولے۔ "اچھا تو ہو گی۔"

بیٹا نے انہیں دیکھا اور ہنس پڑی۔ "اس میں اچھا کی کیا بات ہے۔"

"کیا تم بھی پیو گی؟" وہ بھی نہ بولے بولے۔

"کیوں؟" بیٹا نے کہا۔

"میرے لیے چائے بناتے ہوئے آپ کو اچھا تکلیف ہوتی ہے۔" وہ میز سے مسکرا دیے۔

"نہیں... نہیں تو۔" بیٹا گھبرا کر ہنسی سے کہہ اٹھی۔ سب باتوں میں صاف تھے، اسد ہنسی سے بولے۔

"میرا خیال تو یہی ہے۔"

"آپ غلط خیال کرتے ہیں... تو... میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"غلط کیسے ٹھیک ہے۔"

"کیسے؟"

"وہ ایسے کہ سلام بابا کے آنے سے پہلے آپ نے شروع کیا۔"

"جی۔"

"آج بیٹا کی رخصت سے آپ نے۔"

"اوہ۔"

"جی۔"

"آہا... آہا۔"

"کوئی بات نہیں... پھر بھی آپ کا یہ عمل شکریہ... وہ چائے بھی بہت اچھی بنائی تھی... آج تو بیٹا کی کالف سی نہیں آئی۔"

بیٹا خاموش ہو گئی... اس نے چائے بنائی... پیالی کو ایسے لگی اور اسد چائے کے سامنے کھولی۔

"مصروف۔" اس نے چائے کی پیالی اپنے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

سب خوب ہنسے رہے تھے۔ کوئی کسی سے مخاطب تھا۔ کوئی کسی کی بات کا جواب دے رہا تھا۔ کوئی سوال کر رہا تھا۔ کوئی سب کی باتیں سن کر مسکرا رہا تھا۔

"چائے۔" اسد نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے سے پکارا۔

"جی۔"

"آپ چائے بہت اچھی بناتی ہیں۔"

"شکریہ۔"

"یہ چائے نہیں جو میں پی رہا ہوں ..... یہ تو سلطان باہو نے بنائی ہوگی۔"

"جی۔"

"میں بیوٹی کی بات کر رہا ہوں۔"

چائے سے چپ رہی پھر سر جھکاتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ "آپ سے کس نے کہا کہ بیوٹی میں جاتی ہوں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔"

"مجھے کیا پتہ۔"

"پہلے دن چائے کرنے میں آئی تو میں جان گیا تھا۔"

"کیسے؟"

"اس کی قوت ہے۔"

چائے نے قہقہہ لگا کر میں انہیں دیکھا۔

اسد بھی ان کی طرف دیکھے جاتے ہوئے بولے۔ "مجھے ایسا ہم تو نہیں ہوا تھا ..... چائے کی ٹرے باہر لاتے ہی سمجھ گیا تھا۔"

چائے پھر قہقہوں سے انہیں دیکھا۔

"ہو حال۔" اسد بولے۔ "بہت بہت شکریہ ..... پہلے دن بیوٹی، یکے کری مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ دال جوتی کالی ہے۔ لیکن مجھے نہیں بھولے۔"

"کیا۔" چائے ہوئی۔

"چائے کے ساتھ تھوڑا سا کیک لیں گے آپ۔" اسد نے چائے سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"جو آپ کہیں۔" چائے نے کہا۔

اسد نے بیرا کو آواز دی۔ "بیرا۔" بیرا نے اسد کے قریب آ کر ان کے حکم کا انتظار کیا۔

اسد نے بیرا کو آرڈر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ٹیبل پر کھانوں سے بھر گیا۔

بیرا تیزی سے واپس ہونے جا رہا تھا۔

اسد کا ہاتھ اٹھا۔ "ٹھہرو۔"

□□□

"مصروف۔"

"ہوں۔"

"میں چند دنوں کے لیے جا رہی ہوں۔"

"کہاں؟"

"اماں جانی کے ہاں۔"

"کیوں؟"

"وہاں دعوت ہے۔"

"کس خوشی میں؟"

"کرن باجرے کے آنے کی خوشی میں۔"

"اوہ ..... اچھا۔"

"کیوں ..... جی چونک گئے ہو۔"

"بات چونکنے کی ہے۔"

"کیوں؟"

"تمہارے اس کزن سے خاصی مرعوب لگتی ہو۔"

"پہچانے جا؟"

"جب سے ان سے ملی ہو ..... ان کی بات ہی کرتی رہتی ہو ..... کبھی ان کی تعریف کی ..... کبھی خوش دلی کی ..... کبھی آنے کی کبھی جانے کی ..... میں تو یہ سمجھا تھا انہیں تم

چاہتی ہو۔"

"تو اس میں جھلسی کس بات کی ..... وہ مجھ سے بڑے ہیں ..... اور کچھ کزن مرعوب کن شخصیت کے مالک ہیں۔"

"ہوں۔"

چائے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ غصہ نے من بنایا ہوا تھا۔

"تو یہ تو ہے۔" چائے نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ "عورتوں کا تو ہم ہی وہم ہے۔ مرد جس قدر رنگ نظر اور رنگ دل ہوتے ہیں ..... تو بس چلی۔"

"اس میں رنگ نظری یا رنگ دلی کی کیا بات ہے۔"

"ہے کیوں نہیں ..... اسد کو میں نے ایک طویل عرصے کے بعد دیکھا۔ تقریباً سات سال بعد۔ ان سات سالوں میں مجھے جن میں بہت تبدیلی نظر آئی ..... یا یوں کہو کہ میں تبدیل ہو گئی ہوں۔ اس بارہ سالہ بچی کا تیرہ یا پندرہ سال لڑکی سے بقیناً مختلف ہوگا۔"

"ہوں۔"

"میں اپنا تاثر ہی تمہارے سامنے پیش کرتی ہوں ..... تم کیوں چلنے لگے ہو۔"

"مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

چائے پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"سچ کہتا ہوں ..... تم خود ہی انصاف کرو۔"

"فرمایئے۔"

"اب میں کسی خوبصورت و تعلیم یافتہ لڑکی سے متاثر ہو کر اپنا تاثر تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں تو تمہیں اچھا لگے گا؟"

"ہاں ہاں۔" چائے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "میں اس کی مخالفت نہیں کرنے والی کی کبھی۔"

"تو پھر۔"

"پھر ..... اسد تو میرے کزن ہیں ..... اور تم کبھی ان سے ملے تو دیکھو گے ..... کہ میں نے غلط بات نہیں کی۔"

"تم؟"

"بات سنو ذرا۔"

"کیا؟"

"جاؤ گے؟"

"کہو تو۔"

"لال حویلی میں بہت پراسرار انکشاف ہو رہا ہے۔ اسد کے آنے کی خوشی میں۔"

"تو۔"

"تم ہمارے ساتھ چلنا پسند کرو گے۔"

"میں؟"

"ہاں تم۔ کیسی۔ ہوا سے اڑنے لگا۔ ویسے لال حویلی دیکھنے والی چیز ہے۔"

"کس لحاظ سے؟"

"ہر لحاظ سے۔ عمارت۔ اس کی بناوٹ اور پھر اس کا ماحول۔ پرانوں کی قسم کا ہے۔ اماں جانی کی حیثیت وہاں چھوٹی سی مملکت کی حکمہ کی سی ہے۔ نوکروں کی فوج ظفر موج۔ حقے بھرنے والوں کا تانتا۔ فیکٹیلک۔"

"ہوں۔"

"چند دنوں کے لیے جانا بہت اچھا لگتا ہے لیکن زیادہ دن میں وہاں نہیں رہ سکتی۔"

"کیوں؟"

"بور ہو جاتی ہوں۔ وہاں کے آداب و اصول ہماری یہاں کی زندگی سے کچھ مختلف ہیں اور ان آداب و اصول کی پابندی بلکہ اماں جانی کرنی پڑتی ہے۔ تم جانو میں پابندی سے کتنا گھبراتی ہوں۔ اسی لیے چند دنوں میں بور ہو جاتی ہوں۔ ویسے جانا خوب آتا ہے۔"

"چلو گے ہمارے ساتھ؟"

"ہاں بھئی مجھے پروا نہیں۔"

"اوہو۔ ہاں بھئی کہہ تو دیا میں بار بار ہاں نہیں۔ کہو تو اماں جانی سے

سیشل الوی ایشن منگوا دوں۔"

"شکریہ۔"

"ناراض ہو۔"

"ہوں نہیں تو ہو کر رہوں گا۔"

"پاگل ہو۔"

"پاگل۔"

"مانتے ہو۔"

"ہاں۔"

عنبر پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ پھر بولی۔ "لگتا ہے تم میرے لیے واقعی بے بس ہو گئے ہو۔"

"تمہیں احساس تک نہیں ہوا۔"

"ہے۔ لیکن اتنا سیریس بھی نہیں ہونا چاہیے۔"

"تمہیں میں پسند ہوں؟"

"ہاں۔ بالکل بہت۔ ہم بہت خاموش قسم کے دوست ہیں۔"

"صرف دوست؟"

"ہاں۔"

"تو پھر تم سنجیدہ نہیں ہو؟"

"کیا مطلب؟"

"میں تمہیں پرپوز کرنے کی سوچ رہا ہوں۔"

"اوہ مائی گاڈ۔"

"کیوں؟"

"عنبر۔ ہماری زندگی چل رہی ہے۔ ابھی سے ان الجھنوں اور بندھنوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔"

عنبر نے حیرانگی سے عنبی کی طرف دیکھا۔ پھر آہستگی سے بولا۔ "کیا تم

129

"تم؟"

"بات سنو ذرا۔"

"کیا؟"

"جاؤ گے؟"

"کہو تو۔"

"لال حویلی میں بہت پراسرار انکشاف ہو رہا ہے۔ اسد کے آنے کی خوشی میں۔"

"تو۔"

"تم ہمارے ساتھ چلنا پسند کرو گے۔"

"میں؟"

"ہاں تم۔ کیسی۔ ہوا سے اڑنے لگا۔ ویسے لال حویلی دیکھنے والی چیز ہے۔"

"کس لحاظ سے؟"

"ہر لحاظ سے۔ عمارت۔ اس کی بناوٹ اور پھر اس کا ماحول۔ پرانوں کی قسم کا ہے۔ اماں جانی کی حیثیت وہاں چھوٹی سی مملکت کی حکمہ کی سی ہے۔ نوکروں کی فوج ظفر موج۔ حقے بھرنے والوں کا تانتا۔ فیکٹیلک۔"

"ہوں۔"

"چند دنوں کے لیے جانا بہت اچھا لگتا ہے لیکن زیادہ دن میں وہاں نہیں رہ سکتی۔"

"کیوں؟"

"بور ہو جاتی ہوں۔ وہاں کے آداب و اصول ہماری یہاں کی زندگی سے کچھ مختلف ہیں اور ان آداب و اصول کی پابندی بلکہ اماں جانی کرنی پڑتی ہے۔ تم جانو میں پابندی سے کتنا گھبراتی ہوں۔ اسی لیے چند دنوں میں بور ہو جاتی ہوں۔ ویسے جانا خوب آتا ہے۔"

"چلو گے ہمارے ساتھ؟"

"ہاں بھئی مجھے پروا نہیں۔"

"اوہو۔ ہاں بھئی کہہ تو دیا میں بار بار ہاں نہیں۔ کہو تو اماں جانی سے

سیشل الوی ایشن منگوا دوں۔"

"شکریہ۔"

"ناراض ہو۔"

"ہوں نہیں تو ہو کر رہوں گا۔"

"پاگل ہو۔"

"پاگل۔"

"مانتے ہو۔"

"ہاں۔"

عنبر پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ پھر بولی۔ "لگتا ہے تم میرے لیے واقعی بے بس ہو گئے ہو۔"

"تمہیں احساس تک نہیں ہوا۔"

"ہے۔ لیکن اتنا سیریس بھی نہیں ہونا چاہیے۔"

"تمہیں میں پسند ہوں؟"

"ہاں۔ بالکل بہت۔ ہم بہت خاموش قسم کے دوست ہیں۔"

"صرف دوست؟"

"ہاں۔"

"تو پھر تم سنجیدہ نہیں ہو؟"

"کیا مطلب؟"

"میں تمہیں پرپوز کرنے کی سوچ رہا ہوں۔"

"اوہ مائی گاڈ۔"

"کیوں؟"

"عنبر۔ ہماری زندگی چل رہی ہے۔ ابھی سے ان الجھنوں اور بندھنوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔"

عنبر نے حیرانگی سے عنبی کی طرف دیکھا۔ پھر آہستگی سے بولا۔ "کیا تم

جیسے گے سے پوچھ رہے ہیں۔"

"ہاں۔"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ پاپا بیمار ہو گئے۔"

"وہ تو ہم دیکھ رہے تھے۔ کیسی دوا دے رہے ہیں؟ کیا ہو گیا ہے انہیں؟"

"ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔"

"اوہ۔ ہم نے سوچا تھا کہ ہو سکتا ہے یہ تم لوگوں کا کوئی نیا ڈرامہ ہو۔ ویسے ہم نے تمہارے پاپا کے بارے میں سنا تھا۔ ہمیں افسوس ہوا تھا۔ ہم نے سوچا تھا کہ ہو سکتا ہے ہم ان کی عیادت کر سکیں۔ لیکن پھر ہم نے سوچا کہ ہو سکتا ہے تم لوگ ہمیں اندر نہ آنے دو۔

"اوہ، یاد نہیں۔"

"تصویر ادھوری چھوڑ دو، اچھی بات نہیں۔"

"بنا لے اسی کی تصویر، کتنی بار بنائے گی۔"

وہ چپکے چپکے ہنسنے لگی۔ اس کے کانوں میں ہنسنے کے بعد بار بار کے جملے گونجنے لگے۔ ہنستے ہنستے وہ کرسی پر پیچھے جھک کر آسمان میں بنتے بگڑتے بادلوں کو دیکھنے لگے۔ پھر اسے پانی کے حوض میں ڈوبنے کی پھر وہی تسلسل سے گردش تھی۔ حوض کی سنہری مرمریں تھی۔

اسد کو وہاں پہلے کا وہ ہفتہ یاد آ گیا۔ جب وہ صبحی اور وجاہت سارے لڑکوں سے بچوں کے ساتھ یہاں کھیل رہے تھے۔

کرنیں کی تیز مدھم سنہری تھی۔ سب بچوں میں اسد بڑے تھے۔ بچپن چھوٹے اور بڑے کھیل جاری تھی۔

کوئی پچ چوتھا۔ باقی سب بچے درختوں کے پیچھے چھپنے والی گیند کے اور خود کو حوض کے کنارے کناروں کے پیچھے چھپ جاتے۔ چوتھی آنکھیں کھولے سے بند کی جاتیں۔ سب سب چھپ جاتے تو پچھلے والوں میں سے ایک آواز دیتا۔

"پکڑو۔"

یہ پکار کر کہتے کا ان ہوتا۔ وہ ادھر ادھر حوض میں بھرتا۔ پیچھے سب دیکھتے کہ چور ان سے قریب سے گزر گیا ہے۔ تو وہ اپنی اپنی جگہ سے نکل آتے۔

اور

"چور پکڑا۔" کا شور مچاتے۔

چوتھی آنکھیں بند ہوتیں۔ وہ آواز کی سمت لپکتا۔ لیکن آوازیں کوئی ایک طرف سے آتیں۔ چاروں طرف سے بچوں کے ہاتھ لگاتار پکار کی نت نئی آواز ہوتی۔ پھر بھی ایک کے پیچھے بھاگتے کبھی دوسرے کے پیچھے۔

"اوہ۔" اسد نے حوض کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔"

"یاد ہے اس دن ہم کتنا ہنسے تھے۔ یاد ہے۔"

"کیسے نہیں، ہنسی کی تصویر بنا رہی ہوں۔"

"نہیں ذرا سے ہنسنے کی تصویر نہیں کی۔"

"وہ اللہ تمہیں یاد ہے۔"

"کیا۔"

"ایک شام ہم بچپن بچوں کھیل رہے تھے۔ ایک آواز پر ہاتھ روک کر پیچھے تک گیا۔ میں اس حوض کی منڈیر پر آ گئے اور پیچھے پیچھے آ گئے۔"

"جی۔" وہ ہولے سے مسکرائی۔

"خوب ہنسی۔ ہنسے۔"

"پھر۔ پھر یاد ہے کیا ہوا تھا؟"

"ہاں۔"

"تمہیں تمہیں یاد نہیں ہوگا۔ تم بہت چھوٹی تھی تب۔"

"چار پانچ سال کی تھی میں۔"

"ہاں ہے۔"

"جی۔"

"میں حوض میں گر گیا تھا۔"

"ہاں۔ پانی پھسلا تھا۔"

"اور یہ بھی یاد ہے۔ کہ۔"

وہ مسکرائے۔ چند لمحے چپ رہے۔ پھر آہستگی سے بولے۔ "کہ میرے گرنے پر سب سے زیادہ تم چیخ چیخ کر ہنسی تھی۔ روئی تھیں۔ میری جان تمہیں سب حال منتقل ہو گیا تھا۔"

وہ آنکھیں جھکائے بیٹھے ہوئے اداسی میں مسکرا رہی تھی۔ اسد نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ٹھوڑی تھام لی۔ اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

"اپنا کام کرو۔ میرے آنے سے رک گئی ہو۔"

"جی نہیں۔ کام کروں گی۔"

"تصویر ادھوری رہے گی۔"

"نہیں مکمل کروں گی۔"

"میں چلا جاؤں؟ تم اپنا کام کرو۔"

اسد نے پوچھا۔ وہ اس کے چہرے سے نہیں دیکھا۔ وہ جانا چاہتی تھی۔ کہ اسد ناراض تو نہیں ہو گئے۔

اس نے پھر برش اٹھا لیا۔ اسد میز پر پڑی ادھوری اور مکمل تصویروں پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولے۔

"میں یہ دیکھ سکتا ہوں۔"

"دیکھ لیں۔ کوئی اتنی اچھی نہیں ہیں۔"

اسد نے ایک تصویر اٹھائی لینڈ سکیپ تھا۔ اسد نے پوچھا۔ "پینٹنگ خود ہی کر لیتی ہو۔ یا کسی سے سیکھا بھی ہے۔"

"اکثر و بیشتر سے استاد ہیں۔"

"اوہ اچھا۔ اسی لیے تصویریں اتنی اچھی بناتی ہیں۔" اسد نے دوسری کے بعد تیسری دیکھتے ہوئے کہا۔ "استاد کے بغیر فن کی باریکیاں سمجھ ہی نہیں آ سکتیں۔ تصویر تو ہم بھی بنا لیتے ہیں۔ لیکن تمہاری تصویر واقعی فنکارانہ صلاحیت رکھتی ہے۔"

"شکریہ۔" وہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اسد ساری تصویریں دیکھ کر ایزل کی طرف مڑے۔ زیر تکمیل تصویر۔ جس کے سامنے وہ بیٹھی برش لیے کھڑی تھی۔

حوض پانی ویسا ہی تھا جیسا سامنے نظر آ رہا تھا۔ اور کرنیں بچے تھے۔ کوئی ڈوبا تھا۔ کوئی لیٹا تھا۔ کوئی سرمریں منڈیر پر بیٹھا پانی میں اپنا عکس دیکھ رہا تھا۔

اسد تصویر دیکھتے دیکھتے چونک گئے۔ ایک بچہ حوض میں بھی گرا ہوا تھا۔ اور مرمریں بنا کے پاس ننھی بھولی سی لڑکی منیاں آنکھوں میں سمائے ہوئے تھی۔ کچھ اور

بچے بھی پریشان سے تھے۔ کوئی چلانے کے انداز میں تھا۔ کوئی کچھ اور کہہ رہے تھے۔

"تمہاری یادداشت کی داد دیتا ہوں۔"

"جی۔"

"میرے خیال میں تم واقعی یادداشت کی مریض ہو۔"

وہ شرما کر مسکرا دی۔

اسد چند لمحے چپ رہے۔ ادھوری تصویر کو دیکھتے رہے۔ پھر اپنے قدموں کو ہولے سے گھوم کر بیٹھا کو دیکھا۔ اور خوشی سے بولے۔ "اب اس ادھورے کو بھی بنا لیں؟"

بیٹا کا گالوں تک سرخ ہو گئی۔ اسد اس پر ایک شریر اور مسکراتی نگاہ ڈال کر دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

بیٹا کے کانوں میں ان کی آواز گونجنے لگی۔ یہ ذرا سی بات پہلے "میں ہی ہوں" اس احساس دلانے کی تھی۔ "اب اس ادھورے کو بھی بنا لیں۔"

بیٹا کے من میں کسی خواہش، رات کے موقع کی کسی تمنا کی بھی کوئی جگہ نہیں تھی۔

○☆○

بارش زوروں سے ہو رہی تھی۔ سردیوں کی یہ بارش کئی دنوں کی بادلوں کے گھٹ جانے کے بعد ہوئی تھی۔ پانی پھواروں سے چادروں کی صورت گر رہا تھا۔ بادلوں کی گڑگڑاہٹ دل دہلا رہی تھی۔ کبھی کبھی بجلی اتنے زور اور کڑاکے سے گرتی کہ دل سینے میں لرز جاتا۔ بڑے بڑے جھٹکے کہ اونچے شیشوں والا یہ کمرہ بارش کی موسم سے لطف لینے کے لیے بنایا گیا تھا۔ کمرے میں مشرقی اور مغربی نشست کے لیے چوڑا چکلا دیوان تھا۔ وسیع و عریض کمرے کے ایک گوشے میں صوفے، کاؤچ، میز، سائیڈ ٹیبل، گلدان، مورتیاں، اور میز پوش تھے۔ دوسری طرف تاکوں کے اوپر پردوں کے ساتھ ساتھ قوم کے گوشے لگے تھے جن پر خوبصورت چادریں اور گاؤ تکیے پڑے تھے۔ حقیقی پھلوں میں سرمائی پھول سجے ہوئے تھے۔ اندرونی دیوار کے اندر بنے ہوئے آتش دان میں ہلکی ہلکی لکڑیاں جل رہی تھیں۔ کمرہ خوب گرم ہو رہا تھا۔

شیشے پانی بہنے سے دھندلا سے جا رہے تھے لیکن قدرتی دھندلاہٹ نے سبھی پر اس طرح مہین سی چادر بچھا دی تھی۔ بارش کی آواز آ رہی تھی۔ برف پر سے پانی پھسل رہا تھا۔ برف میں بے اور تھوڑا سا نرم تالاب بھول بنے اور بگڑ رہے تھے۔ پودوں سے پانی برستا چلا آ رہا تھا۔ کبھی کبھی ہوا کا جھونکا آتا۔ اور بارش کی بوچھاڑ کے ساتھ پانی کی بوندیں اور ٹیشوں پر پڑتی تو لمحوں میں ایک نقشہ سا بنتا اور پھر بکھر جاتا۔

ہوا کی زور کے ساتھ بہہ رہی تھی۔ پودے جھوم رہے تھے۔ سب گاؤ تکیوں کے سہارے بیٹھی تھیں۔ اندرونی دیوار کی الماریاں سامنے تھیں۔ وہاں سے نقل کرتے ہوئے

عزرا نے کھنکھار کر بات شروع کی۔ پھر اس کے کہنے پر سبھی باتیں کرنے لگیں۔

"میں تمہارے لیے ایک خاص تحفہ لائی ہوں۔"

"کیا؟"

"تم دیکھ لینا۔" عزرا نے شوخی سے کہا۔

"ابھی نہیں۔"

"کیوں تم اسی لیے رکی تھی کہ اسد کے لیے اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو۔ تمہارا بس چلے تو بارش رکوا دو۔ بادلوں کو بھگو کے مار ڈالو۔۔۔ اور مطلع چمکیلا اور صاف شفاف کر دو۔ تاکہ تمہارے لیے۔۔۔ لیکن ہمدی ابھی قانونی طور پر یہ لفظ استعمال نہیں کر سکتا۔"

ہما ہنس پڑی۔ "بہت دیر ہو رہی ہے۔"

"کیوں۔۔۔ کیا اس لیے کہ اسید والوں کی لمبی چوڑی فہرست میں ایک ہم بھی ہوں گے۔"

"لمبی چوڑی فہرست۔"

"جی ہاں۔۔۔ بہت لمبی فہرست بنی ہے جو اسد میاں کے سامنے رکھ دی جائے گی۔ اب ان کی پسند ہے جس کا انتخاب فرمائیں۔ ہو سکتا ہے وہ قوالی نصیب ہم ہی ہوں۔۔۔ تم بھی ہو سکتی ہو۔ حسنی بھی اور حسنی ادھیر عباسی گزند ہیں۔ بھائیوں کی بیٹیاں ہیں، بھتیجیاں اور خاندان کی تمام ہیں۔۔۔ دوستوں کی بیٹیاں۔"

ہما کا دل بجھ گیا۔ اس نے تو اس طرح کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ وہ تو شروع ہی سے اسد کو اپنا اور اپنے آپ کو اسد کا سمجھتی رہی تھی۔

عزرا نے کہہ تو گھما نے کی لیکن وہ خفا نہ ہوئی۔۔۔ وہ سمجھی اور روشنی دان کے پیچھے گاڑھے پانی کا زور کو کر بیٹھ گئی۔

عزرا سمجھ گئی۔ اسے ہما کی دکھتی رگ پہ چل گئی تھی۔ اس لیے چڑانے کے سوا میں تھی۔ اس کے پاس جا بیٹھی۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد بولی۔ "اسد کہاں گئے ہیں؟"

"کہیں۔"

"کہیں؟"

"کام ہوگا۔"

"سنا ہے اس کا سارا دن پیچھے دار ہے۔"

"شاید۔"

"پھوپھی سنا ہے قلب کے مریض بننے کے لیے گئے ہیں کہ کل یہاں اس کی شادی ہو رہی ہے۔"

ہما کا دل دھک سے رہ گیا۔ عزرا نے اس میں کوئی دلچسپی نہیں لی تھی۔ اندازہ کر پائی۔ طبیعت سنبھل گئی تھی۔

جب سب کے لیے کھانا لگایا جانے لگا تو وہ سے اٹھ گئی۔ چلنے سے کتنے ٹانک دل ہوتے ہیں۔۔۔ وہ سمجھ گئی تھی یہاں بیٹھ کر۔

ہما اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اسٹور گرنے سے اس نے تکیے میں منہ چھپا لیا۔ عزرا کی باتیں مضطرب کر رہی تھیں۔

اسد کے لیے لڑکیوں کی لمبی فہرست بنی ہے۔ اس میں کسی بھی لڑکی کا نام ہونا ناممکن ہو سکتا ہے۔

وہ اپنی سوچ ان لڑکیوں سے کرنے لگی۔۔۔ جن کا عزرا نے ذکر کیا تھا۔۔۔ وہ سمجھ گئی۔۔۔ اسے یہاں لگا بیٹھے وہ سب لڑکیوں سے کمتر ہے۔۔۔ کسی کی طرح وہ بے حد خوبصورت نہیں۔ عزرا کا حسین سراپا کشش بھی تھا۔۔۔ ثانیہ عباسی کی بھی کئی آنکھیں اور سارے خاندان میں مشہور تھیں۔ ثانیہ کے بال گھنے اور لمبے تھے۔ خاندان کے کئی لڑکے ان کے بالوں کے اسیر تھے۔

دل بجھتا ہی جا رہا تھا۔

اپنے آپ میں کوئی بھی تو خوبی نظر نہ آئی۔۔۔ حسن تو۔۔۔ اس کا اسے خیال ہی کب تھا۔ حسن کی خوبصورتی کو اس نے چھوٹے ہوتے سے ہی کبھی اہمیت نہ دی تھی۔ بالوں کو کبھی تراشنا ہی نہیں چاہا تھا۔

وہ جانتی ہوں سوچتی گئی پریشان ہوتی گئی۔

"یہ سال کیسا آئی؟" اسد نے پوچھا۔

"اس کے جواب دینے سے پہلے ہی کلیم بول اٹھا۔ "کیوں لیتی ہیں؟"

"لیتے کیا تھا۔" "مشکل کیا ہے۔ ایسے ہی لیتی ہیں۔"

"ایسے ہی یہ کیسے ہو جائے آج ہے۔ اسد صاحب! ہمارے والد نے ہمارے لیے اپنی کو چھوڑا جائے۔"

"آپ سب کیسے ہیں۔ بچا تو ہیں۔ کیسے ہیں؟"

"تم کیوں نہیں۔" اسد کے لیے تم سے آپ تک کا سفر تھا۔

"ہیں۔ ہیں۔ مجھے اور کیا ہے۔ امی کی کمی نے ہمیں ہلا ڈالا ہے۔ ہیں کون میں چار ہی اب۔"

اس نے عدم اطمینان سے دیکھا تھا۔ اور یہ اسد سے کہہ رہے تھے۔

بچا سب ہیں گم تھی۔ یہ بات اس کا دل توڑ گئی تھی۔ اور یہ بات اس کی زندگی میں کمزوری ہو گئی۔ اور اسی وقت اس نے دیکھا اسد کی آنکھ کے پپوٹے لرزتی آنسو روک رہی تھی۔

○☆○

پریشان اس سے اور بھی پریشان ہو گئی۔ کہ اسد کے آنسو نکلنے لگے ہیں کہ کلیم عربی میں ان کی تائید کر رہا ہے۔

بال عمر ان کی بیوی سے ٹیلیفون پر بات کر رہی تھی۔ ابھی کل ہی وہ ہوائی اس سے کہہ رہے تھے۔ "ہوائی اس میں تو اس ہو گا۔"

"کیوں؟" انہوں نے پوچھا۔

"ہوائی انٹرنیشنل ہے۔ ٹرانزٹ خاص کر بہت ہو گرتی ہے۔"

"کیوں تم پریشان کرو۔ وہ تو آ جائے ہیں۔ وہ بیٹے دار ہوائی کوئی نہ ہوائی تو آیا ہی ہے۔ پھر ورث کیوں۔ ویسے ان دنوں لوگ ہوتا اس لیے۔ اب یہاں آ گئے ہیں سہولتیں اپنے کام کے مطابق ہیں۔"

ہوائی ہوائی موضوع پر ہی باتیں کرتے رہے تھے۔ عمر ان کی بات سے اس کی وجہ بات کی تصدیق کرتی۔

وہ سوچ رہی تھی۔ "ہوائی اسد سوتے ہوں گے۔ ابھی کیسی جگہ میں رہتے کے بعد اس کو ہوائی اس ہوائی عمر عربی میں ان کی ٹین ہو چکی ہے۔ وہ خود ہو تھی۔ تو اس کے بارے سے ان آتی تھی۔ جانے کس طرح ہوت کرتے کے وہ ان کی باتوں کا جواب دیتی تھی۔ ان کے اس ہال سے نکلنے کی اس نے کوشش بھی تو نہ کی تھی۔ اس عمر سے بچنے سے بنانے اچھا لگتا تھا۔"

کلیم

اسد کو یہ بات پتہ کیسے آ سکتی تھی۔ بچا نے اس میں کل شام کا واقعہ بیان کیا۔ اسد اپنے، غیر ساتھیوں کے ساتھ اسے ہوائے آئے تھے۔

"ہال کی بازی ہو چکی ہے۔" انہوں نے بات کی تھی۔ کلیم ہوائی اور ان کے ساتھ تھے۔ جو دل اس کی نشست گاہ میں آ گئے تھے۔

کلیم کھلکھلایا۔ "اس نے اچھا ہے کیا تھا۔"

"کیوں؟"

وہ چپ رہی تھی۔

بچا اس دل ہوائے کے بعد میں تھی۔ کبھی کبھی ہوائی سے ہوائی کبھی رات سے پہلے ہوائی ہوائی۔ کبھی کبھی ہوائی ہوائی ہوائی کبھی کبھی ہوائی ہوائی کبھی کبھی ہوائی ہوائی ہوائی۔

وہ ہوائی۔

معمول تھی۔

کہ اسے ہوائی کے اندر یاد آنے لگے۔ اسد سے اس کی ہوائی ہوائی کے لیے ہی سے لڑی تھی۔ آج اسد وہاں ہوائی تھا۔ بچا سے اس کی ہوائی ہوائی تھی۔ اس لیے وہ سب کچھ بتانے کے لیے بے تاب ہو رہی تھی۔

آنے ہی ہوائی سے پوچھا تھا۔ "بچا کہاں ہیں؟"

"ہوائی ہیں اسد کے پاس ہیں۔"

اسد غیب کہاں کے پاس پہنچے تھے انہوں نے بتایا "آپ کو ہوائی تھی۔"

اسد کرنے ہی لگے۔ وہ ہوائی ہوائی۔ ہوائی ہوائی۔ ہوائی ہوائی۔ ہوائی ہوائی ہوائی۔ ہوائی ہوائی۔ ہوائی ہوائی۔

اسد نے ہوائی ہوائی۔ وہ ہوائی میں چلے گئے۔ وہ ہوائی سے ہوائی ہوائی میں نظر آئی۔

وہ ہوائی ہوائی سے اس لیے ہوائی ہوائی سے ہوائی تھا۔

بچا ہوائی سے گرم ہوائی ہوائی ہوائی ہوائی۔ ہوائی ہوائی ہوائی ہوائی ہوائی ہوائی ہوائی ہوائی۔ ہوائی ہوائی ہوائی ہوائی ہوائی ہوائی ہوائی ہوائی

چلتے ہوئے دیکھتے رہے پھر مسکرائے۔

"بھوری بلبل۔" اس نے پھول کو دیکھتے ہوئے زیر لب کہا۔ پھر مسکراتے ہوئے بیا کی طرف بڑھ گئے۔

بیا ان کی آمد سے بے خبر باتوں سے الجھی ایک خوبصورت گیت کے بول گنگنا رہی تھی۔

"آجاؤ یہاں سے آجاؤ۔"

اسد اس کی پشت پر کھڑے ہنستے ہوئے یہ حسین منظر دیکھ رہے تھے۔

پھر

انہیں خاموشی سوجھی تو اسی طرح ترنم میں اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر کہا۔

"آئے جاں آ گئے۔"

بیا ایک لمحہ کو تو کچھ سمجھ نہ پائی۔ پھر گھبرا کر گھومی۔

اسد کو دیکھا۔

آنکھوں میں محبت کا پیغام تھا۔ لے وہ جھکھلا کر ہنس پڑے۔

بیا گھبرا گئی۔ یہاں وہ بالکل اکیلی کھڑی تھی۔ اور اسد آ گئے تھے۔ کسی نے دیکھ لیا تو چپ چپ کرتی باتیں ماں تک پہنچ جائے گی۔

"گھبرا گئیں۔ بہت اچھی آواز ہے تمہاری۔" وہ تو مسحور نظر آ رہے تھے۔

"آپ کب آئے؟" بیا نے قدرے روٹھتے ہوئے کہا۔

"یہاں۔"

"نہیں گاؤں سے۔"

"گاؤں نہیں تھا گیا تھا۔ تھوڑی دیر ہوئی واپس آیا ہوں۔"

بیا اور خفگی کے جھٹکے سے باہر نکلتے ہوئے بولی۔ "کھانا کھایا؟"

"اوہ بیا۔"

بیا حیران ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔ وہ ان کے قریب آ گئے۔

"بیا۔"

"جی۔"

"میں نے کھانا کھایا ہے تو ٹھیک۔ نہیں کھایا تو کھانا کھا لیا کیجئے۔ صحت ہر جذبوں کے درمیان اہمیت رکھتی ہے۔ اور کمزوری بہت کچھ۔"

اس کی آواز میں تھکاوٹ گھل گئی۔ بیا نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

اسد نے ہاتھ میں پکڑا پھول اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ بھورا گلابی پھول ہے۔ آنکھوں سے اوجھل نہ کیجئے گا۔"

بیا نے نظر بھر کر انہیں دیکھا۔ پھول لینے کو ہاتھ بڑھایا۔

"اوں ہوں۔" اسد مسکرائے۔

"کیوں؟" بیا نے ناسمجھا کر کہا۔

"یہ پھول۔"

"جی۔"

"اجازت دو کہ تمہارے بالوں میں لگا دوں۔"

"بالوں میں؟" بیا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اپنے بالوں کو ہاتھوں سے ڈھانپتے ہوئے پیچھے ہٹ گئی۔ وہ ہنستی ہوئی ان کی طرف بڑھے۔

"میں تمہارے بالوں میں پھول لگا دوں۔" اس بار ان کے لہجے میں التجا تھی۔ اسد ان کی حرکت سے کچھ سمجھ گئے۔

"میں خود کر لیتی ہوں۔" وہ ان کے محبت کے رویے پر ہونق سے ہو گئی۔

"اگر میں خود لگانا چاہوں۔" اسد ہنسی دبائے بولے۔

بیا اب بھی کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں۔" اسد وہ سے بولے۔ پھر آگے بڑھے۔ پھول اس کے بالوں میں لگانے کو ہاتھ بڑھایا۔

وہ بالوں سے پھول کو دور کرتی۔ بیا ڈر کر پیچھے ہٹی اور سیدھی اسد کے سینے سے آ لگی۔

اسد سینے میں بھر گئے۔ کھلے ہوئے پھول کو بالوں میں لگے ہوئے

تھے۔ اسد کی اس حرکت پر بیا بھی بھی تھی اور بھی خفگی سے پاؤں پٹخ رہی تھی۔ رات کا اندھیرا ہی تھا۔ اسد کھانے پر نہیں آئے تھے۔ وہ ان کا انتظار کرتی رہی تھی۔ صبح بھی وہ ان کی باتیں سوچتی رہی تھی۔ اسد سے ملنے سے پہلے ہی وہ آ گئے تھے۔ اب تو پھول بالوں میں لگے تھے۔ وہ ان کی حرکت پر ہنسی تھی۔

وہ ان کی باتوں کی نرمی پر حیران ہوئی تھی۔ ان میں سے کوئی بات بھی ان کی اپنی نہیں تھی۔ ان کے لہجے میں محبت تھی۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی اس میں بھی محبت ہی تھی۔

حسن کا معیار کیا ہے کوئی تمام عمر نہیں سمجھ سکتا ہے۔ بعض لوگ کو دیکھ کر ہی دل میں اتر جاتے ہیں۔ کچھ لوگ صورت سے لوگ ہوتے ہیں لیکن ان میں سے صرف ایک ہی ہوتا ہے جو دل میں اتر جاتا ہے۔ اور اسی لیے کہ ہوتے ہیں۔ اجنبی ہو جاتے ہیں۔ ان کے بعد ہم سے کے بعد ہی ہوتے ہیں۔ ہم سے کے بعد ہی ہوتے ہیں۔ ہم سے کے بعد ہی ہوتے ہیں۔

نے سکھی ہی تھی۔ اس کی ماں بھی ایسے سوتی تھی۔ وہ ہنسا کرتی۔

ڈھنے کی مہر پر اسد اس کے سامنے بیٹھے تھے۔ اک نظر انہوں نے بیٹا کو دیکھا۔ پھر مسکرا کے اسکرین پر جھکا لی تھی۔

اسد کا یہ مسکراہٹ مجھی نہیں گئی۔ کل کا غصہ ابھی تازہ تھا۔ تیج تیور ان سے نظر ملا کر اسے دیکھا۔

ڈھنے کی مہر پر انہوں نے چاہے ایک بھی ہدایت نہیں کی۔ وہ ہاں ہاں ہی سے ہنس کرتے رہے۔ کچھ کاموں کی، کچھ کاروباری اور کچھ ذاتی حیثیت میں ہونے والے جشن کی۔

چھلنے سے اشتیاق محسوس کی۔ کچھ وہ بھی ہوا۔

تجسس

وہ جانتی تھی۔ اس لیے بے اطمینان تھا۔ بلکہ ہونے سے مسکرا بھی رہا تھا۔

○☆○

"موتی۔"

"جی چھوٹے صاحب۔"

"چاچا کہاں ہوں گی۔"

"بیگم صاحب کے پاس ہوں گی۔"

"وہاں نہیں ہیں۔"

"اپنے کمرے میں ہوں گی۔"

"وہاں بھی نہیں ہیں۔"

"جی۔"

موتی بیٹے کے چہرے کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

"جی یاد آیا۔ وہ بڑی بیگم صاحب کے انتقال سے پہلی رات اپنے گھر چلی گئی تھی۔ اپنے بیٹے کے ہاں چلی جائے گی۔"

"کب۔"

"کہتی تھی صاحب۔ عربی کے قریب ہی ہوائی بھی ہے۔ وہاں کی بہت سی ایئر لائنز آتی ہیں۔ اور کسی کی بھی ان کے ہاں چلی جاتی ہیں۔"

"کب تک آئیں گی۔"

"پتہ نہیں جی۔ وہ اپنے بیٹے سے ملنے گئی ہیں۔ کچھ اور پتہ وتہ بھی ہوگا۔ اپنے بیٹے کو کہاں کہاں کی ہوائی کمپنیوں میں کام کرتا ہے۔ کیا پتہ

کے کمرے میں ہیں اور اس بچی کا نام لے کر اسے بہلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے اپنی ماں کے بارے میں۔

"میں نے ابھی نہیں پوچھا۔"

"آپ نے چھوٹے صاحب یا کسی سے بھی اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ چاچا اپنے آپ ہی چلی گئی اور آپ سے پوچھا بھی نہیں۔"

اسد کی مسکراہٹ میں اس کو کوئی چیز محسوس ہوئی تھی۔ وہ کیا تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔ اس نے سوچوں کے ساتھ بھول بھی گئی تھی۔

ابھی وہ یہ نہیں تھا۔ کہ چاچا نے یاد آئے گی۔

اسد نے کچھ محسوس کیا تھا۔ لیکن ضروری طور پر اپنے کمرے میں بیٹھے تھے۔ کمرے میں داخل ہونے کی نگاہ پہلے سے لگی اس کوئی چیز کی جانی پہچانی چیز سے لگنے لگا۔ وہ اور یہیں ایک مختلف قسم کے احساس کو محسوس کی تھی۔ وہ جس میں ہونگا ہوں کے ساتھ ہونگا۔ پھول بھی ہوں گے۔ اس کے ساتھ اداس بھی تھیں۔

اس نے اپنے سے لگی۔ کچھ کھو دیا ہو گی۔ تھیں غصہ نکل ہی نہ ہوا۔

"کوئی آئی ہے۔"

وہ کمرے میں کھڑے ہو کر سوچنے لگے۔

"صبح اپنی موٹے ہوا ہوئی ہے چاچا کے لگے بیٹی کا کر کھو دیتے۔ انہوں نے سوچا۔

"سلطانہ کے ہونے کا پتہ ہوا ہوگا اس نے اپنے سے لی تھی۔"

"کون ہے۔"

جواب انہوں نے خود ہی اخذ کر لیا۔ فرش کے کمرے میں۔

اپنے انہوں نے بیٹی کو ہوائی میں بھول چاچا کو ان کے کمرے میں ملنے کے لیے ظاہر ہوا تھا۔

جانے کا تھا۔

سوچا۔

اس سے طرح اداس ہو گیا۔ اس دن چاول نہ کھائے سے اسد بہت بار بار
روئے تھے۔ پھر انہوں نے دلشاد بھی اس کے ساتھ بات نہ کی تھی۔ پھر سارا دن کہیں نظر
نہیں آئے تھے۔

آج کی بات انہوں نے دوستوں کے ساتھ سرائے میں کر لیا تھا۔ ان کا کہنا
تھا ۔۔۔ "یار کھانا بھی بیوی کے ساتھ کسی ہوٹل میں کھانے چلے گئے تھے۔
ایک دوست کا خیال تھا انہوں نے ہوٹل ہی میں کمرہ لیا تھا لیکن چچا سے نہیں۔ چچا
اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی گھر کر دوسری طرف سے نکل گئی تھی۔

اسد نے اسے بلانے کی ہمت تک کو ورنہ کی تھی۔

پھولے ہوئے کی واقفیت رہا اور بچے تھے جن سے دل شکنی کی کیفیت طاری
ہوئی تھی۔ ۔۔۔ ثریا دن کو واپس کرنے کے لیے چچا نے آیا کی لڑکی اسد کے کمرے میں
لائی تھی۔

سوئی ہوئی بچی نے بہت سا جواب دے دیا تھا لیکن خود چچا کو اسد نے بلا رہے تھے۔

وہ ایک کمرے میں تھے دوسرے میں گئے اور پھر کئی کمروں میں گھومتے کے بعد
وہ اس کمرے میں آ گئے جس میں چچا قالین پر بجلی ہیٹر کے پاس پیٹھ کئے رہا رہی تھی۔

اس کے اور گرد رنگ برنگے کپڑوں کے گولے اور ٹکڑے چھوٹے موٹے سوتی
شلوار کی کمپنیاں اور چھوٹے بڑے تھوکڑے پڑے تھے۔

چچا "اسد کے دوالے میں کوڑے کھڑے پیارا۔"

چچا نے سر پیٹ پر ہاتھ رکھے ہوئے گردن ذرا سی گھمائی۔

اسد ایک قدم اٹھا کر رکھ دیا آگے۔ انہوں نے سرخی لباس اوپر رکھا تھا۔ نیلی
جینز اور بلاؤز کی سرخ رنگ کی ہوئی تھی۔ شاید اپنے ان دوست کو لانے ملانے کی
لباس رکھا تھا۔ وہ اس وقت بالکل اور ہی انسان نظر آ رہے تھے۔

وہ سے سے نظر اٹھا کر چچا کا سر جھکا دیکھا۔ چند منٹ پہلے ہی ہوئی کے ساتھ ان کی
بات کی واقعہ ہوئی تھی۔ چچا کا دل بھر آیا تھا۔

"چچا"

وہ اس کے پاس آ گئے۔

"جی"

"کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ یہ کچھ کپڑے کام کے ہیں۔"

وہ اس کے پاس سامنے آ کر بیٹھ گئے۔ چچا نے سر نہیں اٹھایا۔ اسد نے
آنکھ پونچھ کر کسی دیوتا کا سا انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "چچا"

چچا نے آنکھ اٹھا کر ان پر اٹھتے ہوئے سے کہا۔ "جی"

"تم نہیں جا رہے ۔۔۔ میں نے کلب کی ممبر شپ لے لی ہے۔"

"اچھی بات ہے۔"

"چلو گی آج؟"

"کہاں؟"

"کلب تمہارا ہے وہاں ۔۔۔ یہ لطف آتا ہے ۔۔۔ تمہاری ممبر شپ بھی میں نے
کروا لی ہے۔"

"میری؟"

"ہاں ہاں تمہاری ۔۔۔ کیا حرج ہے ۔۔۔ ہفتے میں دو تین دن کلب میں کھانا کھایا
کریں گی ۔۔۔ بہت سے لوگوں سے ملو گی ۔۔۔ تم میں خود اعتمادی آئے گی۔ تمہارا دل بھی لگا رہے
ہو گی ۔۔۔ یہ سب پرانی باتیں ہیں چچا ۔۔۔ اتنے دنوں کے ساتھ کے اداس رہنا ٹھیک نہیں
ہوتا ہے۔"

وہ بھی خاصی تقریر کرنے لگے۔ چچا کے ہاتھ رک گئے۔ سوئی اس نے
واپس گودی میں رکھ دی اور دوسرے قمیض کا گلا سینے لگی۔

"کیا وہ باتوں کی طرح مجھے فضول کرنے والی لڑکی تھی؟

"کیا اس میں خود اعتمادی کا حوصلہ نہیں تھا؟

اسد نے کی طرح ہر میں ان کے سامنے پھیلے ہوئے تھے اسد بہت معصوم صورت

وہ اسد کے سوال سے تقریباً وہ کھیج کر اپنے سوال کا جواب دے رہے ہیں۔

"چچا" انہوں نے تھوڑے سے کھسکتے ہوئے کہا۔

"ہاں" چچا نے کہا۔

"وہ خفا ہیں۔ کیا بلوا میں کر دیا ہوں اتنی دیر سے ۔۔۔ کلب جانے کا کہہ رہا
ہوں ۔۔۔ کلب کہیں ۔۔۔ کی ہو کچھ پینے؟"

"نہیں۔"

"پھر تو آج نہ ہم جائیں گے ۔۔۔ یہ لطف آنے والی دیکھیے لوگوں کی کہہ تک ہو گی۔
تم وہ حول خبر ہوا میں ساتھ کھانا کر لی لیکن جلدی ہی اس سے اداس ہو جاؤ گی ۔۔۔ اوں۔"

چچا چپ رہی۔

"بولو نا۔"

"بڑے تم بہت ہی ہوا کی ہو۔"

چچا کا رکھ رکھ کر بولی ایک دم گھم سا گیا۔ اسد اٹھتے ہوئے بولے۔

"تمہارے ساتھ کچھ سے پڑا پڑے گا۔ کیا سمجھیں۔"

"کچھ نہیں۔" وہ تھوڑے سے بولی۔

اسد ایک گھٹنے کے بل بیٹھتے ہوئے آگے کو جھکے اور چچا کی ٹھوڑی کو چھو کر اوپر کرنا چاہا۔
چچا نے ٹھوڑی تک ہاتھ پہنچنے سے پہلے ہی اپنا سر گھٹنے پر سرکا لیا۔ اسد پھر
تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسد کو غصہ آ گیا۔

وہ بھی اٹھ کر اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

پنکھے کی خاموشی رہی۔

پھر

اسد کے منہ میں جانے کیا آئی ایک دم سے بولے۔

"ایک بات کہیں مجھے غصہ نہ دلائیں ۔۔۔ جو عورت گھر اور گھر داری کے جھمیلوں میں
پھنس کر رہ جاتی ۔۔۔ زندگی کا پتہ نہیں ہوتا ہے ۔۔۔ بہت دقیانوسی ہے۔"

"بیٹا پانی۔"

"کیا ہوا ہے دادی ماں؟"

"آپ دور ہی ہیں۔"

"کچھ نہیں ہوا۔"

"بیگم صاحب کھانے پر انتظار کر رہی ہیں۔ چھوٹے صاحب بھی آپ کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ اٹھیے نا۔"

موسی بیٹے پر جھکی ہوئی تھی۔ بیٹے نے منہ سر موٹے کمبل میں لپیٹ رکھا تھا۔ بمشکل موسی اس کا چہرہ دیکھ پائی۔ بیٹے نے دوڑ کر بڑا حال کر رکھا تھا۔ آنکھیں سوجی ہوئی تھیں، ناک سرخ ہو رہی تھی۔ چہرہ تمتما رہا تھا۔

موسی نے بار بار پوچھا۔

وہ کچھ نہیں بولا۔

"بیگم صاحب سے کیا کہوں؟" بالآخر موسی نے کہا۔

"کہہ دیجئے مجھے بھوک نہیں۔" بھرائی ہوئی آواز میں بیٹے نے کہا۔

"بیگم صاحب ناراض ہوں گی۔ خود آ جائیں گی یہاں۔" موسی نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

"موسی چلی جاؤ۔ مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"مجھے بھی بتلا دیجئے کہ کیا ہوا ہے۔"

"میں نے کہا ہے چلی جاؤ۔"

موسی چند لمحے چپ رہی۔ پھر آنکھ سے اوجھل ہو گئی۔ "بیگم صاحب کو بھیجتی ہوں۔"

بیٹے نے جھلا کر کروٹ بدلی اور سر پر کمبل مزید لپیٹ لیا۔

موسی آہستہ آہستہ چلتی کمرے سے نکل گئی۔ وہ موسی کے واپس آنے سے پہلے ہی آ گئی۔

آج میز پر صرف اسعد اور دادی ماں تھے۔ کھانا چن دیا گیا تھا۔ دادی ماں بیٹے کے انتظار میں کھانا شروع نہیں کر رہے تھے۔ اسعد کو کم سے کم آدھ گھنٹے سے بیٹھے تھے۔ دادی ماں کی کی مناجات مزید تھا۔ ان کے کچھ گزار کر رہی تھیں۔

موسی اندر آئی۔

"کیوں؟" بیگم صاحب نے دیکھتے ہی سوال کیا۔ "بچہ کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں۔"

"کھانے کے لیے کہا نہیں؟"

"کہا ہے۔"

"تو آئی کیوں نہیں؟"

"ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔"

اسعد جو اپنے سامنے رکھی پلیٹ کے کناروں پر انگلی دوڑا رہے تھے موسی کی بات پر چونکے۔ کچھ نے تشویش بھری نظروں سے موسی کو دیکھا۔

"کیا ہوا میری بچی کو۔" بیگم صاحب ایک دم گھبرا گئیں۔

"ہوا تو کچھ نہیں۔ بس کہہ رہی ہیں بھوک نہیں ہے۔ کچھ کھانے کو بھی نہیں چاہ رہا۔" موسی نے جلدی سے کہا۔

"رو کر کیا رہی ہے؟"

"باہر میں نکلی ہیں۔"

"میں دیکھ آؤں اسے۔" دادی ماں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ موسی جلدی سے بولی۔ "آپ کھانا تناول فرمائیں پہلے۔ پھر دیکھ آئیے گا۔ ویسے بھی اسعد کی ہوتی

ہیں۔ ان کو مرضی سے اٹھنے بیٹھنے دیں۔"

موسی نے جلدی سے بات بدلی۔ اسعد نے پھر اس کی طرف دیکھا۔

"ابھی تم جاؤ۔" دادی ماں نے موسی سے کہا۔

"جی۔"

"...میرے بارے کے لیے ہاں... بہتر کرے آواز نہیں آئی..."

"بہت اچھا۔"

"کھانے کے بعد میں اسے دیکھنے آؤں گی۔"

"جی اچھا۔"

موسی کمرے سے نکل گئی۔ اسعد سر جھکائے خاموش بیٹھے رہے۔

"شروع کریں۔" دادی ماں نے انہیں چپ دیکھ کر کہا۔

"آپ لیجئے۔ میں بھی لے لوں گا۔" اسعد نے ٹانگ دادی ماں کی طرف بڑھائی۔ دادی ماں پلیٹ سے پلیٹ چاولوں میں کھانا نکالنے لگے۔

"میرے تو حلق سے نوالہ نہیں اتر رہا۔" دادی ماں بولیں۔

"تعجب ہے۔" اسعد نے ان کی طرف دیکھا۔

"بس بیٹا کوئی بھی تکلیف ہو تو میری جان پر بیت بن آتی ہے۔"

"دادی ماں۔" اسعد ان کی بات میں کر چپ رہے۔ پھر آہستگی سے بولے۔

"ہاں۔"

"ایک بات پوچھوں؟"

"ضرور۔"

"ہاں ہاں۔"

"بچے کے کمرے میں ایک بڑی سی روح کیوں معلق لگی ہوئی ہے۔"

"کیا مطلب؟" دادی ماں نے کانا پلیٹ میں رکھا اور آہستگی سے اسعد کی طرف دیکھا۔

اسعد کچھ خفیف سے ہوئے۔ لیکن جرأت کر کے بولے۔ "پہلی مرتبہ دادی ماں آئے ہے اور ان کے بارے میں بہت پوچھے۔"

"...اسعد" دادی ماں نے بات کی طرف توجہ دلائی۔ اسعد نے ان سے اپنی نظریں ہٹا کر دادی ماں کے چہرے کی طرف دیکھا۔ دادی ماں کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"ہاں دادی ماں۔ ...بات ہی کچھ ایسی ہے۔ کہ سمجھ نہیں آ رہا کیسے کہوں۔ بچے کے کمرے میں ایک بڑی سی روح معلق ہے۔ ...بالکل ایسی ہی جیسی ہم فلموں میں دیکھتے ہیں۔"

"کیوں دادی ماں؟"

"بچہ بچپن کی بیماری کے بعد اسعد نہیں... ...ایسی ہی ہیں بچے۔"

"بہت ذہین قسم کی لڑکی ہے۔" اسعد نے کہا۔

"ہاں... لڑکوں میں ایسا ہے۔" دادی ماں نے آہستہ سے کہا۔

"لڑکوں اچھی یا لڑکوں کی... میں سے ایک۔" اسعد پھر نہیں کر سکے۔ دادی ماں نے انہیں گھورا۔

دادی ماں نے جھرجھری لے کر گوشت کو نوچنے لگے۔

دادی ماں انہیں ایک ٹک دیکھتے ہوئے بولیں۔ "تم ہر سال دو سال بعد چکر لگاتے ہو... وہاں عورت اپنے مقام سے گر چکی ہے۔"

"یہ آپ کو کیسے پتا ہے دادی ماں... ویسے میں یہ کہہ دوں کہ وہاں کی عورت بری آئیڈیل نہیں ہے۔"

"کہاں کی عورت تمہاری آئیڈیل ہے۔" دادی ماں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"یہاں کی۔" اسعد مسکرا کر بولے۔ "یہاں کی موجودہ عورت سے تو بہتر ہی ہے گی۔"

دادی ماں خاموش ہو گئیں۔ اسعد ظاہر نہیں مسکرا کر باتیں کر رہے تھے لیکن لہجے کی تلخی انہیں سنائی دے گئی تھی۔

کھانے کے بعد دادی ماں اٹھ گئیں۔ سلطان بابا نے قہوہ کے لیے پوچھا۔

"اسعد بیٹا چائے قہوہ۔"

"آپ نہیں پئیں گی؟" اسعد نے پوچھا۔

انہوں نے اپنے آپ کو اتنا بے بس کبھی نہیں پایا تھا۔ دادی اماں کی ذات کا ہر پہلو ان کے سامنے تھا۔ وہ ایسی عورت تھیں جو کسی کے سامنے جھکنا نہیں جانتی تھیں۔ ان کی انا کو ٹھیس لگی تھی۔ ان کے اندر کا غرور ٹوٹ گیا تھا۔ وہ ایک بے بس اور لاچار عورت بن کر رہ گئی تھیں۔ ان کے لیے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ اپنے آپ کو ختم کر لیتیں مگر کسی سے مدد نہ مانگتیں۔ وہ ایسی ہی تھیں۔ ان کی اسی ضد نے ان کو اس حال تک پہنچایا تھا۔

اسد نے ان کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ اندر سو رہی تھیں۔ اسد نے دروازہ کھولا۔ وہ بستر پر بیٹھی تھیں۔ ان کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ وہ رو رہی تھیں۔ اسد کو دیکھ کر انہوں نے اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ اسد ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھیں۔ اسد نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ ہاتھ چھڑانے لگیں۔ اسد نے ان کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔

"دادی اماں! میں آپ کا مجرم ہوں۔ آپ جو سزا دینا چاہیں دے دیں۔ میں آپ کا ہر فیصلہ سر آنکھوں پر لوں گا۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔"

دادی اماں نے اس کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اسد کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں نفرت ابھری۔ انہوں نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"تم مجرم ہو میرے۔ تم نے میرا سب کچھ چھین لیا۔ میرا مان، میرا غرور، میرا وقار، میرا سکون، میرا چین۔ تم نے میرا سب کچھ چھین لیا۔ تم نے میرا سب کچھ برباد کر دیا۔ تم نے میرا سب کچھ برباد کر دیا۔"

وہ چیخ رہی تھیں۔ اسد ان کے پاؤں پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"دادی اماں! میں نے کچھ برباد نہیں کیا۔ میں نے کچھ برباد نہیں کیا۔ میں نے کچھ برباد نہیں کیا۔ میں نے کچھ برباد نہیں کیا۔"

وہ اس کے پاؤں پکڑ کر رو رہا تھا۔ دادی اماں نے اپنے پاؤں چھڑا لیے۔

"تم نے میرا سب کچھ برباد کر دیا۔ تم نے میرا سب کچھ برباد کر دیا۔"

وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر رو رہا تھا۔

"دادی اماں! میں نے کچھ برباد نہیں کیا۔ میں نے کچھ برباد نہیں کیا۔ میں نے کچھ برباد نہیں کیا۔ میں نے کچھ برباد نہیں ک

"ہیں؟"

"ہاں قمر۔"

اس نے سہم کر نگی کے ہاتھ میں سر چھپا لیا۔

"کیوں؟" وہ تو چیخنے لگے تھے۔

بیا چپ رہی۔

"سیدھا گھر واپس آ جائیں گے۔"

"لیکن۔۔۔"

"کیا تو واپسی ہاں سے اجازت لے لوں۔" اسد نے قدرے غصے سے کہا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔" وہ جلدی سے بولی۔ "میں گاؤں جا کر کیا کروں گی؟"

"ویسے تم اکثر جاتی رہتی ہو۔" اسد کو غصہ آ رہا تھا۔

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔"

"میرے ساتھ جانے سے کتراتی ہو نا۔"

"نہیں۔۔۔ یہ۔۔۔ بات۔۔۔ تو۔۔۔ نہیں۔"

"یہ بات ہے۔"

انہوں نے بے پر زور دیتے ہوئے کرسی سے کشن اٹھا کر زور سے سامنے والی دیوار پر دے مارا۔

بیا کے کام کرتے ہاتھ رک گئے۔

"بور کر دیا ہے۔" اسد نے چھوٹی سی تپائی کی چوکی کو ٹھوکر ماری۔۔۔ اور بڑبڑاتے کمرے سے باہر نکل گئے۔

بیا گنگ سی رہ گئی۔ سمجھ ہی نہ پائی کہ کیا کرے۔۔۔ اس دن تو اس نے رو رو کر واویلا کر لیا تھا۔۔۔ آج آنکھوں میں آنسو بھی جیسے خشک ہو گئے۔

دوسری شام بھی کچھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔۔۔ بیا اس دن آرائیہ اور موتی کے ساتھ شور کی تھی۔۔۔ اپنی چھوٹی موٹی چیزوں کی الماری کے لیے۔۔۔ وہ آکر موتی کو ساتھ لے آیا تھا۔

دن تھا اسد کی دوست کے ہاں مدعو تھے۔ بیا اسی کی تیاری میں مصروف تھی۔ اسد نے اس سے نئی کنگھی سے لانے کو کہا۔

وہ اس بات پر بھڑک اٹھے۔ "میں تو ذلیل ہو کر بھی کنگھی نہیں لاؤں گا۔ تم میرے ساتھ جاتے ہوئے کتراتی ہو۔"

بیا کیا جواب دیتی۔

اس کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا تھا۔

"آج پھر جب بیا نے فون رکھ کر اپنے کمرے کی طرف جانے کے لیے قدم اٹھایا۔۔۔ تو اسد دوسری طرف سے آ گئے۔

"کس کا فون تھا؟" انہوں نے پوچھا۔

"غلط نمبر تھا۔" بیا نے جواب دیا اور اپنے کمرے کی طرف اٹھی۔ اسد اس کے پیچھے پیچھے آئے۔

"بیا۔" وہ دروازے تک پہنچی تھی۔۔۔ کہ رکنا پڑا۔

"جی۔" بیا نے جواب دیا۔

"تم اتنی بور کیوں ہو؟" اسد نے جس کر کہا۔ بیا ان کے منہ کو یوں تکنے لگی۔ جیسے قدرے ان ہونی۔۔۔ کہی ہوں۔ اسد نے پیار بھری نظر ڈالی تھی۔

بیا کو جانے کیوں خود ترسی کا احساس ہوا۔ آنکھوں کے کونے بھیگنے لگے۔ پلکیں اس کے کہ چھلکتے آنسو باہر نکل آتے۔۔۔ وہ اپنے کمرے میں گھس گئی۔

چند لمحوں بعد اس نے ہونے سے دروازے پر دستک دی۔۔۔ اور جواب کا انتظار کیے بغیر اندر آ گئے۔

بیا صوفے کے پاس دروازے کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔

"دیکھو بیا۔" اسد نے اس کی پشت پر آتے ہوئے کہا۔

وہ پلٹنے لگی۔۔۔ دل دھک دھک کرنے لگا۔ جانے اسد کیا کہنے والے تھے۔۔۔ اسد چلتے چلتے آ گئے تھے۔۔۔ بیا وہیں کھڑی رہی۔

اسد نے اپنے دل کی بات کہنا شروع کی۔۔۔ کہنے لگے۔۔۔ [illegible]

[illegible]

بیا نے سر جھکا لیا تھا۔ آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔

اسد نے بیا کے بال سہلاتے ہوئے کہا۔ "بیا۔ میں تمہیں بہت خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے بالکل کھلی کتاب لگتی ہو۔ میں تمہارے ساتھ تو ناانصافی نہیں کر سکتا۔"

بیا نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کاش تم کہیں کھیتیں۔۔۔ باہر تم میرے ساتھ نہیں جاتیں۔۔۔ کلب کی ممبر شپ لی تھی۔ تم نے ایک دفعہ بھی ساتھ جانے کی ضد نہیں کی۔ گھر میں کیسی دلچسپی ہے گھر سے باہر۔۔۔ سچ کہنے کا کہا۔"

اس نے اب بھی جواب نہ دیا۔

اسد چلنے لگے تھے۔۔۔ پھر آہستگی سے بولے۔ "بیا۔۔۔ بیا میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ میں۔۔۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے میں تم سے تھوڑا سا ساتھ دینے کی توقع تو رکھ سکتا ہوں۔"

بیا کا دل بھر آیا۔۔۔ اس نے آہستہ سے اسد کا ہاتھ دل سے ہٹا کر پرے کر دیا۔

صبح سے بار بار کرتے کرتے وہ اکتا چکے تھے۔ زیتون کے لیے چھوٹے صاحب کتاب تھے۔ شریں کا رونا دھونا۔ اس کے کاغذات کی جانچ بھی کرنا تھی۔ اسد نے ان دونوں اپنے آپ کو کام میں الجھا لیا تھا۔ لال کوٹھی کی بربادی میں وہ کام میں الجھ کر ہی وقت گزار سکتے تھے۔

کچھ وقت ڈاکٹر نجمی کے ساتھ گزرتا۔ کچھ حشمی صاحب سے حساب کتاب کرنے۔ شام کو باقاعدگی سے کلب جانا شروع کر دیا۔ یوں انھوں نے دانستہ اپنے معاملات کا بوجھ اس طرح کم کیا کہ بچا کی سیدھی اور بے التفاتی سے خود ہی بے نیاز ہو گئے۔ دادی ہاں کے باوجود وہ کچھ وقت ضرور گزارتے۔ اور ایسے وقت ہی بچا سے سامنا ہوتا تھا۔ وہ سے نظر انداز کرنے کی بھرپور کوشش کرتے۔

تاہم ایک طرف کر کے انھوں نے کرسی پیچھے سرکائی۔ اور سگریٹ سلگاتے ہوئے آفس سے باہر آ گئے۔

آنگن خالی پڑا تھا۔ مزدور پر سکی سے غلہ کی صورت میں پھیلے تھے۔ کہیں کہیں بوسے بھی پھٹ رہے تھے۔ باغ میں پرانی برف باری آسمانت سے ہی تھی لیکن پچھلے حصوں میں ابھی جمی نہیں تھی مکمل پگھلی نہیں تھی۔ کہیں کہیں بوسے پھٹ کر گر رہا تھا۔ جھاڑ جھنکاڑ بھی نہیں کاٹی گئی تھیں۔

اسد سگریٹ کے کش لیتے ہوئے پچھلے آنگن میں آ گئے۔ پچھلا حصہ زیادہ ویران تھا۔ اسد کو یاد آیا کہ بچپن میں وہ اس حصے میں کتنا گھومتے تھے۔ کتنا کھیلتے تھے۔ وہ ان دنوں کا ذکر کرتے ہوئے کتنا ہنستے تھے۔ اور اب یہ حصہ کتنا ویران تھا۔ کتنا اداس۔

اسد نے سگریٹ کا آخری کش لیا اور ٹوٹے کو زمین پر پھینک کر بوٹ کی نوک سے مسل دیا۔ اور پھر ہاتھوں کو رگڑتے ہوئے واپس مڑے۔

اور ٹھٹک کر رک گئے۔

بچا کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ٹیلی فون کا چونگا تھا۔ وہ اسد کو دیکھ رہی تھی۔ اسد نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ بہت سنجیدہ تھی۔ بہت متفکر۔ اسد نے ابرو اچکا کر پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

بچا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ٹیلی فون کا چونگا ہاتھ میں لیے اسد کو دیکھتی رہی۔ اسد نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ "کیا ہوا؟"

بچا نے ٹیلی فون کا چونگا اسد کی طرف بڑھا دیا۔ "کوئی لڑکی ہے۔ آپ سے بات کرنا چاہتی ہے۔"

اسد نے ٹیلی فون کا چونگا لے کر کان سے لگایا۔ "ہیلو۔"

"ہیلو۔" دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز ابھری۔ "میں ہوں۔"

"کون؟" اسد نے پوچھا۔

"میں ہوں۔"

"کون میں؟"

"میں ہوں۔"

"کون میں؟"

"میں ہوں۔"

"کون میں؟"

"...ہوں یہاں کے کھیتوں کو دیکھنے جا رہے ہیں۔"

"...کہہ پائیں گے۔"

"...بہت آسان کھڑی ہو... نے تم لوگ کب آ رہے ہو... سفر سے والی بات کا...
ہے اس میں تو بھی ان دن ہیں۔"

"...ت اچھا... لگتا ہے حالات خراب ہیں ہے... چنا کھتی نہیں دیتے۔"

"...ہوں... کہیں ہو رہی ہے... ہو گا ہم... رہا ہوگا۔"

بھتی غصہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"وہ کچھ بھی ہے... اپنی جگہوں اور اپنے گھروں میں تک ہے۔"

"ہاں... مجھے بھی تو یہ سوچنا ہے... لیکن اس بھاگ دوڑ کا مقصد بھی تو نہیں۔"

"کیوں نہیں۔"

"اس کی جس طرح تربیت ہوئی اس نے ویسا ہی ہونا تھا۔"

"کوئی اپنے آپ کو بدلنا چاہے تو یہ مشکل بات نہیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"بھتی میں سمجھتا ہوں بعض لوگ غلط جگہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ ساری عمر مس
فٹ ہی رہتے ہیں۔"

"یہ آپ بھائے تحقیق کر رہے ہیں۔"

"ہاں اسی کے تعلق۔"

بھتی دھیرے سے ہنس پڑی۔ "بھتی ہنس پڑی۔

"پاگل... ارے، حول کے لیے پاگل ہی ضرورت ہے۔"

"بہت مزا آنے لگے ہے لگے رہے ہیں۔"

"ہاں۔"

چند لمحے اسے اس کا خیال ذہن پر ڈالے رہے... انہیں حکم تھا کہ یہ اڑان ہاتھ
سے نکل نہ جائے... اڑان کی دھن میں رہی ہے اسے بھلانے کی کوشش سے یوں
تھکن ہی کہ پائیں گے رہے تھے۔

"...ہوں... ہے لوگ بھیلا رہا ہی تو ہیں۔"

"...ہیں سب لوگوں کی بات نہیں کر رہا... صرف تمہاری کر رہا ہوں... تمہارا ایک مقام
...ہو گیا ہے۔"

"...ہو گیا ہے۔"

"...ہو گیا ہے۔"

"...ہی ...ہو گیا ہے... ...ں ...ہ ...ق ...ل ...ر ...ہ ...ا ...ہ ...ا ...ں ...
...چند ...ہ ...ے ...ر ...ہ ...ے ...ہ ...ں ...ہ ...ا ...ہ ...ا ...ہ ...ل ...گ ...ے ...ہ ...ے ...ہ ...ے ...
...ہ ...ے ...ہ ...ے ...ہ ...ے

"ہاں بیٹا جی کی اجازت سے ہی آئے ہیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "اور ہاں تم نے ان کا تعارف نہیں کرایا۔" ثمینہ نے ان کی طرف دیکھا۔

"یہ میرے بیٹے ہیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "یہ ہیں ڈاکٹر ارسلان۔ یہ ہیں انجینئر کامران۔ اور یہ ہیں بیرسٹر فرحان۔"

"اور یہ ہیں میرے بیٹے

کے اندر اترتی جا رہی تھی۔ اور وہ اس کی سانسوں پر خصوصیت سے غور کر رہی تھی۔

اُنہیں ایسی ہی تو پسند تھی۔

پارے کی طرح متحرک۔

خوشبو کی طرح پھیل جانے والی۔

سحر دیکھ کر تسخیر کرنے والی۔

پھر کے بت سے وہ واقعی متاثر تھے۔ یہاں میں انہیں کوئی جاذبیت نظر نہ آئی تھی۔ جب سے ہال میں آئی تھی۔ تراشے ہوئے بت کی طرح صوفے سے لگے بیٹھی تھی۔

رقص ہوتا رہا۔ لڑکے لڑکیاں شور مچاتے رہے۔ بینی اور امدہ جیسے ایک دوسرے کے سحر میں ڈوب گئے تھے۔ تھرک رہے تھے اور تھرکتے جا رہے تھے۔ تھکان کا نام نہیں تھا۔ تھک تھک کر جوڑے واپس ہو رہے تھے۔

اور

پھر

جیسے اور کرنے کو کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ سحر کا احساس رکھنے والوں کا۔ صرف اور صرف یہی محسوس کیا کہ پوری کائنات میں صرف دو ہی وجود ہیں جو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں جو ایک دوسرے کے لیے ہی موجود ہیں اور جن کی تکمیل ایک دوسرے کی ذات کی محرومیوں سے ہے۔

بہت کچھ جب کافی دیر کے بعد دیوتا کو واپس پیچھے پر روک دیا گیا

تو

بینی کو امدہ نے اپنے پہلے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

وقت چلتا رہا۔ بازوؤں کے سہارے میں خود کو نڈھال ہو کر چھوڑ دیا۔ ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ بتی بھر کر دی گئی۔ بینی دوستوں کی طرف بڑھے۔ امدہ اسے سہارا لگائے اسی صوفے کے سامنے والے صوفے پر آ بیٹھے جس پر بیٹھی تھی۔

فرمائشی گیتوں میں صرف امدہ ہی آواز ملا رہی تھی۔ وہ اس کے ہاتھ تھامے گنگنا رہی تھی۔ ہاں مگر تھا۔ بینی بڑی خاموشی سے دل کے گھاؤ سہلا رہی تھی۔

بہت بڑا دھوکا۔ بینی نے ہاتھ میں تھاما رہا۔ بھر گئی۔

مزہ چکھا کر دفع کی۔

اس کی ہمدرد بنی تو خاصا بنی رہا۔

جاتا گئی۔ ہاتھ میں ہاتھ دیے رکھا۔ بعد میں چھوڑ دیا۔

۴

اس کی خوبصورت انگلیوں نے ہاتھوں کے بال چھو لیے۔ امدہ نے صوفے پر پہلو بدلے تھے۔ انہوں نے چھوا تو حیرت ہوئی تھی شاید خفگی تھی۔ قریب بیٹھے، اشتعال سے باتیں کرنے لگے۔

تیسرا

ہاتھوں کے چلتے پہلے سے ہاتھ کو ملا۔ تو نظر اس سنہری گھڑی کی سوئی پر گئی۔ اس کا ہاتھ ہوا میں لہرا لہرا کر خاموشی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ ہر گزرتی سیکنڈ کی سوئی جیسے اپنی جگہ پر ساکت ہو گئی۔

متحیر نظروں سے بھی دیکھا تو محسوس ہوئی تھی۔ وہ اس وقت کسی سوئی کا ہاتھ دیکھ رہے تھے۔

حقیقت سحر میں بدل رہی تھی۔ ہاتھ ہوا کی بے مائیگی آواز میں سنائی دیتی تھی۔ اب تک ہاتھ کا ہونا ہی تھا۔ شور مچا رہا تھا۔ ناچ رہے تھے۔ حقیقت اپنے تھے۔ شرمندگی ہوئی تھی۔

تیسرا

اب یوں لگتا تھا۔ زندگی اپنی سمت اور رویے بدل گئی ہے۔ سنہرا گھڑی نے ہاتھ کو چھپا لیا تھا۔ اب بے یقینی کی ہواؤں میں پھیلنے لگی تھی۔ دھندلی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ دھوکہ سامنے تھا۔ جو ہر بات کی بنیاد میں لطیف سی ہلچل مچاتے ہوا تھا۔

○○○

سب رات بہت دیر سے سوئے تھے۔ لوگوں کی پہلی آواز سے ہی بینی کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس کے بعد اپنے کمرے میں جانے کی بجائے وہیں صوفے پر نیم دراز ہو گئی تھی۔ اب سب بے خبر سو رہے تھے۔ دن کی روشنی پھیل رہی تھی۔ بڑے ہال کے شیشے پر بھی طرح طرح کے خاکے بنا رہا تھا۔ جیسے کوئی ان پر انگلیاں پھیر رہا ہو۔ گھڑی کی سوئی گھوم رہی تھی۔ لیکن وہ سب کا مشترکہ پن بہت اچھا لگ رہا تھا۔

صحرا اور بہت لوگ تو اپنے وقت پر ہی اٹھ گئے تھے۔ بینی چاہتے ہوئے بھی یہ نہیں کر سکی تھی۔ وہ بھی کے صوفے کے بڑے ہاتھوں میں اپنے ہاتھ دیکھ رہی تھی۔ ان کی لکیروں میں اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو ملا رہی تھی۔ ہاتھ کی لکیروں کے بارے میں بہت کچھ پڑھا تھا۔ اب سب بے خبر سو رہے تھے۔ ان کی لکیروں کو ملا رہی تھی۔ ہاتھ کی لکیروں کے بارے میں بہت کچھ پڑھا تھا۔ اب سب بے خبر سو رہے تھے۔ ان کی لکیروں کو ملا رہی تھی۔ ہاتھ کی لکیروں کے بارے میں بہت کچھ پڑھا تھا۔ اب سب بے خبر سو رہے تھے۔ ان کی لکیروں کو ملا رہی تھی۔

ے کر بولی تھی۔

"کبھی آپ نے غور سے دیکھا ہے۔" اس نے کہا۔ "کہ ہمارے ہاں کیا کچھ ہوتا رہتا ہے۔"

"کیا ہوتا رہتا ہے؟" اس نے بھی تجسس سے پوچھا۔ "کچھ ہوتا بھی ہے؟ ہم تو سمجھتے تھے کہ ہوتا کچھ نہیں۔"

"ہوتا بھی ہوتا ہے۔ اور ہاں سے یا یہاں سے کچھ نہ کچھ اس لیے بھی ہوتا رہتا ہے کہ ہمارے ہاں کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے۔"

"کیا وہ آپ کی انکھ کی بیماری ہے۔" اس نے کہا۔

"یہاں سے بات چلاؤ ہو گئی تھی۔" اس نے پوچھا۔ "آپ نے اپنی آنکھیں کا علاج کیوں نہیں کرایا تھا؟"

"ہم اپنوں سے ہار گئے تھے۔" اس نے کہا۔ "ہم ہاں کے قریب آ کر بھٹکتے رہے۔"

"ہاں چاچی آپ نے بتایا کہ علاج اور مزاج کے اختلاف سے بہت پیچھے رہ گئے۔"

نصیر کمال کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اس نے اخبر کے اوپر سے نگاہیں تھما کر چاچی کو دیکھا۔ اور پھر نگاہیں واپس لے آیا۔

"ہاں بیٹا۔ یہ بات ٹھیک ہے۔ تم لوگ کی تھے یہ بتا چکے ہو۔ مگر اس عرصے کے درمیان کی وہ کیا وجوہات تھیں جو ہمارے آگے بڑھنے کی راہ میں رکاوٹ بنتی رہیں۔ کچھ ایسی باتیں ہیں جو ہمارے علم میں نہیں ہیں۔ کچھ ایسی باتیں ہیں جو ہمارے علم میں ہیں۔ ہم ان کو اپنے ساتھ لے کر جا رہے

ہو گئی۔ وہ کمرے سے نکل آئی۔ اور اسے سے تین دن بعد تک صحن میں اور اس کے
قریب ہونے لگی۔

وہ صحن میں بیٹھ گئی۔ وہ چائے کے خالی برتن واپس لے جا رہا تھا۔ چائے
پھینکتی ہوئی بولی۔ "چائے پی کر آپ کو وہ پرانی کہانی سنانا ہوگی۔"

"کون سی؟"

"بھول گئے جناب کہانیاں سناتے ہیں۔"

"نہیں بھولا تو نہیں۔"

"یاد ہے کب ہوں۔ آپ کو جیسے الہام ہوا ہو۔"

"ہاں الہام ہوا۔"

"کیا ہوا آپ کو؟"

"کچھ نہیں۔"

بیوقوفی سے محرابی تو سنبھل جاؤ۔ "کل سے آپ تکلیف نہ کیجئے گا
دوست بھیجے ہوئے چائے لیتے ہیں۔" آنکھ دبا کر بولی سے چوٹ لگائی۔ "آپ کے بات
دیں گے۔"

سعد نے مسکرا کے آگے دیکھا۔

چائے کے تین دور چلتے ہی گئے۔ دوپہر ہوئی۔ میں جھولتی چارپائیوں کے
قریب ہی کھانا لگوا دی گئی۔

01:0

"ابھی اب کس کا انتظار ہے۔ سب آ گئے ہیں۔" چاول نکالتی۔ "سعد کہاں ہیں
سے گئی آ ہے۔

کھانا دسترخوان کے پاس کر دیا گیا۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ بیٹھتے ہوئے
پھٹی ہوئی آواز میں بولی۔

تیسری گاڑی میں بھی ترکے کا کپڑا ہوا تھا۔

دور کھڑی طرف آئے۔ دور بیٹھی سے پوچھا "بھئی کہاں ہو جناب سوگئی۔"

لیلیٰ کے جواب دینے سے پہلے ہی بیٹھی آ گئی۔ "کہیں یہاں اصل سفر" اس نے جواب

"کہاں کی تھیں"

"چلا کو جانے۔"

"کیوں"

"وہ تھیں ہی تھیں۔"

"اس کا آنا ضروری بھی نہیں تھا۔"

"کیا۔ ایسے سب کو اصد۔"

"بھئی دیکھ رہا ہوں گھر میں گڑبڑ ہوئی ہے آپ نے کہیں نہ کہیں۔"

وہ کا ہاتھ سے گر گیا تھا۔

"بہار آئی ہوئی ہے۔" بھئی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی کی
طرف لے جاتے ہوئے بتایا۔

"بہار نے کہا تھا؟"

"نہیں۔ کہتی تھی وہ اپنی ماں کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ میں نہیں جاتی۔"

"وہ اپنی ماں کی طبیعت تو ٹھیک ہی ہے۔ میں بھی اس سے ملا ہوں۔
یہاں بلا رہی ہے۔"

"مجھے نہیں پتہ۔ وہ بہت سے اصرار کر رہی تھی۔"

"رہنے دو۔"

"ہائے اللہ۔ کیسی باتیں کرتے ہو۔"

"بس۔ پہاڑی میرے اعصاب پر سوار ہو رہی ہے۔"

"ذرا کچھ ہوش کی باتیں کرو۔"

اسد نے جیلی کے انداز نظر سے محظوظ ہو کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ
مشکوک ہو کھانا پینا بھی۔ بھئی بول پڑی۔ اس نے قہقہے لگانا شروع کر دیا۔ بھئی
سر جھٹک کر بولی۔

"تھیں ہو گئے ہیں۔ اس کا پیر ہو گیا ہے۔ اسد بہت پریشان ہے۔"

"جولیٹ۔" وہ چلائی۔

بھئی کھلکھلا دی۔

"چلو۔ ذرا دیکھو۔" اسد نے دوسری طرف کا دروازہ کھولا۔

"بیٹا آ جائے۔"

"اور خدایا۔ وہ آئی تو بیٹھ جائے گی کسی پچھلی گاڑی میں۔"

"نہیں میرے ساتھ بیٹھے گی۔"

"تو پھر تم بھی کسی اور گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔"

اسد نے ہاتھ ہلا کر گاڑی سٹارٹ کر دی۔

"ہائے اسد۔ کمال کرتے ہو۔ گاڑی کیوں چلا دی۔"

"چلو بابا۔"

"دیکھیے۔"

"تم یہیں آ جانا۔ ... اکٹھا ہی چلا جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ دوسری طرف آئی۔ ... اور اگلی سیٹ پر اس کے برابر بیٹھ گئی۔ باقی گاڑیوں میں بیٹھے لوگ نے اپنی گاڑیاں اسٹارٹ کر لی تھیں۔

جاوید ایک طرف سے آ گیا۔

"یہاں آ جاؤ۔" نیلی نے پکارا۔

نیلی گاڑی میں بیٹھی رہی۔ "تم اپنے پاس بٹھا لو۔"

نیلی نے بھی اسے بلا لیا۔ ... کار اسد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سہارا دیا۔

"بیٹھ جاؤ۔"

نیلی نے ہاتھ چھڑا لیا اور اسد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں پچھلی گاڑی میں اپنی بہنوں کے ساتھ بیٹھ جاؤں گی۔"

"سب فٹ ہو چکے ہیں۔"

"پھر؟"

"پھر جانے کی کیا ضرورت ہے۔"

پھر واقعی نیلی نے اسد اور اس کے پاس جگہ نہیں تھی۔ ... اسد کی گاڑی کی طرف دیکھتے ہوئے نیلی نے کہا۔ "میں ان کے ساتھ نہیں آؤں گی۔"

اسد نے گاڑی چلاتے ہوئے گردن کی سے گردن نکال کر پچھلی گاڑیوں میں بیٹھے لوگوں سے کہا۔

"ریڈی۔"

"یس سر۔" وہ چیخے۔

"اوکے ... فورٹی۔"

گاڑیاں اسٹارٹ ہو گئیں۔ ... اسد کے پیچھے سو دو سو گز سے نکل کر سڑک پر آہستہ آہستہ رینگنے لگیں۔ پھر وہاں سے دوڑتی سڑک کا رخ کیا۔ گاڑیوں میں گیت گانے کی آوازیں گانے سے جا رہے تھے۔

اسد نیلی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔ وہ ان سے مخاطب ہوئی رہے تھے۔

"اسد۔" نیلی بولی۔

"ہوں۔"

"تم نے مجھے کیوں بلایا۔"

"کیوں۔"

"پتا کرو۔ وہ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔"

"کیوں۔"

"بس۔"

"ہاں ... یہ بات ہے ... نیلی سے کہوں گا۔ یہ فرض ہے کہ ان کی آؤ بھگت کرے۔ ... وہ اس گھر میں آئی ہے۔"

"تم بھی تو بہنیں رہتے ہو۔"

"میں اپنا فرض بخوبی سمجھتا ہوں۔"

"کیسے؟"

"اپنی بہنوں کو تمہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دوں۔"

اسد نے مسکرا کر نیلی کو دیکھا۔ نیلی نے اس کے اندر سے بیک ویو مرر میں اسد دیکھنے لگے۔

پھر کچھ خاموشی رہی۔

پھر اسد بولے۔ "پتہ کیوں ... پتہ تمہارے سے کچھ نیلی نہیں بتایا۔"

اسد نے صرف گردن موڑ کر نیلی کو دیکھا۔

"جی ہاں ... تم نیلی مسکرا کی نیلی طرف کی طرح نیلی طرف اسد کی طرف نیلی دیکھنے لگی۔ ... اس نے

نیلی کا چہرہ اتر گیا۔ وہ بات سمجھ گئی تھی۔ ... اس نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن خاموش رہی۔ اسد کی طرف سے اسد کو دیکھا۔ وہ خوش نہیں تھے۔ ... اس نے

سوچے۔

ہاں کی آواز میں ... وہ ہی مسکرا رہے۔

گاڑیاں آگے پیچھے ... اس اس تھیں۔ کبھی کبھی گاڑیاں روک دیتا تھا۔ ... کبھی وہ ہلکا ... وہ ایک اور گھما کر اسد سے کہنے لگا۔ وہ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ... وہ ایک ہی رفتار سے جا رہے تھے۔

اسد کو گاڑیوں کی رفتار میں دلچسپی نہ تھی۔ ... وہ بہت آہستہ اور تیسری گاڑی کی رفتار تھی۔ ... وہ ایک ہی رفتار سے آگے بڑھ کر اتصال دیتے جا رہے تھے۔

اسد کو اس وقت نیلی کی قربت ہی سب سے اچھا لگ رہا تھا۔ یہ نیلی کی خوبصورتی تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ... وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ... وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ...

"جیلی۔"

"ہوں۔"

"تم نہیں جاؤ گی۔"

"کہاں۔"

"واپس۔"

"جانے کیوں۔"

"کہی... میں نے کہہ دیا۔"

"واہ کیا... یہ نہیں ہو سکتا اسد... میں نے وعدہ کیا تھا ان... سب لوگ سے ہیں... لگے گی واپس جانا ہے۔"

"مگر وہ کیا نہیں... سب میں تم اپنے آپ کو بھی شامل کر لو۔"

"سب میں شامل ہی ہوں۔"

"نہیں... تم الگ ہو... مغرور ہو۔"

جیلی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

اسد اس کی اتنی بے ساختہ ادا پر توہم دیے تھے۔ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے جیلی نے کمال فتح انگیز تھے... آنکھیں نیم وا ہو گئی تھیں اور ہونٹ بڑے جذباتی انداز میں بھینچ جاتے تھے... اور جب وہ قہقہہ لگانے کے بعد ہر کو جھٹکا دے کر ہونٹ گولائی میں سکیڑ لیتی تو ایسے کہ کائنات کا سارا حسن ان ہونٹوں میں سمٹ آتا۔

اسد نے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اسد۔" جیلی نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا۔ "ایک بات کہوں... اس طرح ہاتھ پکڑ کر چلنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"اچھا۔" اسد نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ "اب بولو کیا کہہ رہی تھیں۔"

"کچھ نہیں... بھول گئی۔"

"جیلی۔"

"ہوں۔"

"تم نہیں جاؤ گی۔"

"کہاں۔"

"واپس۔"

"جانے کیوں۔"

"کہی... میں نے کہہ دیا۔"

"واہ کیا... یہ نہیں ہو سکتا اسد... میں نے وعدہ کیا تھا ان... سب لوگ سے ہیں... لگے گی واپس جانا ہے۔"

"مگر وہ کیا نہیں... سب میں تم اپنے آپ کو بھی شامل کر لو۔"

"سب میں شامل ہی ہوں۔"

"نہیں... تم الگ ہو... مغرور ہو۔"

جیلی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

اسد اس کی اتنی بے ساختہ ادا پر توہم دیے تھے۔ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے جیلی کے کمال فتح انگیز تھے... آنکھیں نیم وا ہو گئی تھیں اور ہونٹ بڑے جذباتی انداز میں بھینچ جاتے تھے... اور جب وہ قہقہہ لگانے کے بعد ہر کو جھٹکا دے کر ہونٹ گولائی میں سکیڑ لیتی تو ایسے کہ کائنات کا سارا حسن ان ہونٹوں میں سمٹ آتا۔

اسد اسے بیوقوف بنا رہا تھا۔ اسے بہلا رہا تھا۔ اسے پھسلا رہا تھا۔ اسے بیوقوف بنا رہا تھا۔

"اسد۔" جیلی نے کہا۔ "ایک بات کہوں... اس طرح ہاتھ پکڑ کر چلنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"اچھا۔" اسد نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ "اب بولو کیا کہہ رہی تھیں۔"

"کچھ نہیں... بھول گئی۔"

اسد نے اس کا ہاتھ اک جھٹکے سے چھوڑ دیا... اک بے حسی نگاہ اس پر ڈالی اور اپنے قدم پر گھوم کر۔

وہ جیلی سے ناراض ہو گئے تھے۔

جیلی ہاتھ لے کر ساکت سی کھڑی رہی... اسد اسے وہیں چھوڑ کر جا رہے تھے... وہ اس سے روٹھ گئے تھے۔

"اسد۔" جیلی نے انہیں پکارا۔

اور کے لیکن... اور پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔

"سنو تو اسد۔" جیلی نے پھر کہا۔

وہ اب بھی چلتے گئے۔

جیلی کو گھبراہٹ ہونے لگی... لطف و انبساط کی لہریں سینے میں مچلنے لگیں۔ اسد اسے بہت ہی اچھے لگنے لگے تھے۔ ان کی باتوں میں بڑی اپنائیت محسوس ہوئی تھی... ان کی قربت میں سرشاری کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

ان کے یوں روٹھ کر چل جانے میں بھی اس نے لطف سا محسوس کیا... قطع تعلق... تعلق ہی کا اظہار ہوتا ہے نا۔

"اسد۔" جیلی نے اک زوردار چیخ نما آواز نکالی اور کود کر اس کے سامنے آ گئی۔

اک لمحہ کو اسد چونکے... ان کے قدم رکے... پلٹ کر جیلی کو دیکھا... وہ ان کی طرف بھاگی چلی آ رہی تھی۔

وہ پھر چل دیے تھے... جیلی اب قدرے سنبھل چکی تھی... اسد سے کچھ فاصلہ پر ہی جیلی ان تک پہنچ گئی تھی... مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائے وہ اسد کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش کر رہے تھے۔

جیلی دوڑتی ہوئی ان تک آئی... ان کا بازو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اور ہانپتے ہوئے بولی۔ "کہاں جا رہے تھے تم... میں نے تمہیں آواز نہیں دی تھی۔"

"مجھے پکارنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔" اسد نے جیلی کے ہاتھ اپنے بازو سے الگ کرنے کی کوشش کی۔

"ناراض ہو گئے ہو۔" جیلی ان کے ساتھ چلنے لگی۔

"یہ جیلی میں نے خود استعمال کیا ہے... اسد اور پکارنے کا حق صرف مجھے ہے۔"

"اسد۔" جیلی نے ان پر بھرپور نگاہ ڈالی۔

اسد نے صرف ایک نگاہ اس سے اسے دیکھا... وہ اتنی بے یقینی ہوئی۔

"اتنی سی بات پر خفا ہو گئے ہو۔"

اسد نے اک گہری سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔ "یہ تم اپنے محسوسات ہیں۔ تم جسے اتنی سی بات کہتی ہو... وہ شاید میرے لیے بہت بڑی بات ہے۔"

جیلی نے پھر ان کی آنکھوں میں دیکھا۔ "تم... تم مجھے..."

اسد نے اس کے کندھوں پر اپنے مضبوط ہاتھ رکھ کر اس کی بات خود ہی مکمل کر دی آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہاں میں... تمہیں چاہنے لگا ہوں... پسند کرنے لگا ہوں... سمجھیں۔"

"اسد۔" وہ بوکھلا گئی۔

"ہاں جیلی... تم مجھے بہت پسند ہو... اتنی بہت کہ الفاظ ہی کم پڑ گئے اپنے جذبوں کے اظہار کے لیے۔"

"اوہ۔"

"واپس جاؤ گی؟" اسد نے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھتے ہوئے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

وہ تھا کہ ان کا پیچھا کیے گئی۔

کبھی وہ انہیں سے اسے بھگا دیا۔

کبھی... وہ پیچھے سے لوٹ رہی ہوتی تھی۔

"شرمیلا" اسد مسکرائے اور اسے بے اختیار اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

کسی نوجوان مرد کے سینے سے لگنے کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ وہ ٹھٹھا گئی۔ اس کا دل بے اختیار ہونے لگا۔ اور جسم پر چل کی سی بن گیا۔

اسد نے اختیار ہونے جا رہے تھے۔ انہوں نے سر جھکایا اور مینی کے لبوں پر اپنے لب رکھ دیا۔

مینی کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ دل سینے میں اچھل کر ناچنے لگا۔ بدن میں سنسناہٹ اتر آئی۔ اسد نے اس کی پشت پر آہستہ سے تھپکی دی۔

مینی کے ہونٹ کپکپا اٹھے۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"اسد"

اسد کو اس پر ترس آ گیا۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں محبت لیتے کو لا رہے تھے۔

لیکن

مینی جھجک کر پیچھے ہٹ گئی۔ اسد اس کی طرف بڑھے۔ وہ اور پیچھے ہٹی۔

پھر

مڑی

اور وحشی ہرنی کی طرح حویلی کی طرف بھاگ گئی۔

اسد اس شوخ اور پر مزے۔ مسکراتے ہوئے اپنے کمرے سے حویلی کی طرف چل دیے۔

○▽○

مینی کو نیند نہیں آ رہی تھی۔

کمرہ خاصا گرم تھا۔ آتش دان میں ہولی ہولی لکڑیاں جل کر راکھ ہو رہی تھیں۔ آگ کے ہیجے شعلے ارغوانی تابانیاں بکھیر رہے تھے۔ باہر برف باری زوروں پر تھی۔ سرخ پتھروں کی نرم سی روشنی میں مینی بستر پر کروٹیں بدلتے بدلتے تھک گئی تھی۔ اپنے ہاتھوں کی مخملی پر نگاہ ڈالتے ہوئے شعلوں پر نظریں جمائے کروٹ کے بل پڑ

بیٹھنے پر اسے کی اتنی بس آ رہے تھے۔

بجلی

وہ

وہ بجلی تیز بجلی نے لے لی تھی۔

کمرے میں بیٹھا وہ سوچ رہا تھا اور اس کے متعلق سوچ رہے تھے۔ کیا وہ بجلی تیز بجلی کو دے کر انہوں نے ٹھیک بھی کیا تھا؟

کیا اپنے آپ کے ساتھ انہوں نے انصاف کیا تھا؟

کیا واقعی بجلی وہ چاہتے تھے۔ مقابلے میں اپنی بھیجی اتنی اہم اور اتنی قابل قبول تھی کہ خود ہی سے پوچھنے والی کی وہ ہمت نہ پڑ رہی تھی۔

اسد نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ ایک بج چکا تھا۔ طوبیٰ پر مدہوشی رات اتر رہی تھی۔ ہر طرف خاموشی چھائی تھی۔ دور کبھی کبھی کسی سے کے بھونکنے کی آواز خاموشی کا طلسم توڑ دیتی۔ یا ہوا کا زور سے کھڑکیوں سے گزرنے پر شائیں شائیں کی آواز سنائی دیتی۔

اسد بے آرامی کے عالم میں لیٹا رہے تھے۔ دماغ سوچتے سوچتے تھک گیا تھا۔ نیند آنکھوں سے دور تھی۔ لیکن آنکھیں نیند کو بلا لینے کے لیے بند تھیں۔

وہ سو رہا رہے تھے۔

کہ

لاتی چاچی کو وہ کتنی اچھی لگتی تھیں۔ ان کے کہنے پر انہیں بے تکلف سے پیار۔ انہوں نے کئی مرتبہ پوچھا تھا۔ ”بجلی تجھے کیسی لگتی ہے؟“ اور وہ ہمیشہ یہی کہتے تھے۔ ”بہت اچھی ہے۔“ پھر کچھ سوچ کر انہوں نے دل میں کہا تھا۔

وہ

کاش وہ ان کے باپ کی بجائے ان سے قبل کہتے۔ بجلی کے متعلق سوچتے ہوئے ان کا دماغ تھک گیا۔ وہ ہی کہانی تھی۔ انہیں ایک لڑکی ہی کی ضرورت تھی۔

وہ لاتی بجلی نے خیال میں آ گئی۔ وہ بھی مطمئن اور پرسکون سے ہو کر

بیٹھ گئے۔ انہوں نے اسد اور بجلی کو پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ پھر ان کے ہاتھ ملا دیے۔ اسد کے ہاتھ میں بجلی کا ہاتھ دیتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔ ”اسد بیٹا! آج سے تم بجلی کے ذمہ دار ہو۔ اس کی ہر خوشی کا خیال رکھنا۔ اس کی ہر خواہش کو پورا کرنا۔ اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا۔ اس کی ہر تکلیف کو دور کرنا۔ اس کی ہر پریشانی کو دور کرنا۔ اس کی ہر مشکل کو حل کرنا۔ اس کی ہر مصیبت کو ٹالنا۔ اس کی ہر مرضی کو پورا کرنا۔ اس کی ہر بات کو ماننا۔ اس کی ہر خوشی میں شریک ہونا۔ اس کی ہر غمی میں شریک ہونا۔ اس کی ہر ضرورت کو پورا کر

[illegible] آواز نکلی۔

"ہاں بھائی اندر آجاؤ۔" نیلی بیلی کی آواز گونجی۔ وہ سہمی سہمی اندر آئی۔ اندر آنے سے پہلے اس نے اپنی جوتی باہر اتار لی تھی۔ اس نے سامنے کی [illegible] وہ بیٹھ گئی۔

نیلی بیلی کے ساتھ ہی ایک اور لڑکی بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ وہ کتاب کھولے ہوئے تھی۔ اس کی انگلی ایک لائن پر تھی۔ وہ پڑھ رہی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ سہمی ہوئی بیٹھی تھی۔ اس نے کتاب بند کر دی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" اس نے پوچھا۔

"سوہنی۔"

"تو تم ہی ہو سوہنی۔" اس نے کہا۔

"کیسی ہو؟ کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہوں۔" سوہنی نے جواب دیا۔

"کیا کام کرتی ہو؟"

"کپڑے سیتی ہوں۔"

"کون کون سے کپڑے سیتی ہو؟"

"قمیص، شلوار، دوپٹے۔"

"کیا کیا سیتی ہو؟"

"سوٹ۔" سوہنی نے جواب دیا۔

"کیا کیا سوٹ سیتی ہو؟"

"لمبے، چھوٹے، کھلے، تنگ۔"

"کیا کیا کڑھائی کرتی ہو؟"

"کڑھائی نہیں کرتی۔"

"کیوں؟"

"مجھے نہیں آتی۔"

"کیا کڑھائی نہیں آتی؟"

"نہیں

"آپ ابا جی ہیں؟"

"ہاں بیٹی! کیا پہچانا نہیں مجھے؟"

"جی ابا۔"

"بڑے ہو گئے ہو۔ ہاں ٹھیک ہے۔"

دادی اماں اپنے بیٹے پر خفا تھیں۔ کئی سال سے گھٹنے کی تکلیف زیادہ تھی۔ ڈاکٹروں کے مشورے کو رد کیا تھا۔ اس نے آپریشن کروانے کا کہا تھا۔ آپریشن سے وہ ڈرتی تھیں۔ اسے بہت سمجھایا تھا لیکن وہ نہ مانی تھیں۔

یہ بھی اکلوتا بھائی تھا۔

"دادی اماں۔۔۔ آپریشن کروا لیں۔ پتہ نہیں کی تکلیف برداشت کرنے پہلے سے بیمار ہیں۔ بھگتنا پڑیں۔"

وہ چپ رہیں۔

"آپ چلیں تو وہ جانا آپریشن کروا لیں۔"

وہ کراہتیں۔

ٹانگ کی بیوی ان کے پاس بیٹھی تھی۔ انھیں باتوں سے بہلا رہی تھی۔

"دادی اماں لگتا ہے آپ کو تکلیف زیادہ ہی ہے۔۔۔ آپ آپریشن کروا لیں۔ ٹانگ ٹھیک ہو جائے گی۔"

"اللہ دادی اماں کے کان اور بہت سے ہوتے تو اچھا تھا۔

"کہہ رہا ہوں ناں ابھی نہیں۔ بعد میں کروا لیں گے۔ ہوش کا پورا کرنا ابھی ہے۔"

"تو بیٹا اور ان پر خرچ کرو گے۔"

"میں کہہ رہا ہوں۔۔۔ اماں! میں۔۔۔ چپ ہو جاؤ تم بھی بس۔۔۔ کتنی اذیت ہے۔"

جمیلی نے ہاتھ جھٹکا کر کہتے ہوئے منہ بنایا اور چلتے ہوئے بولی۔ "چاچا تم تو ہیں۔۔۔ کیا کہوں۔"

"کیا۔۔۔ بھی کہنا چاہتی ہو۔"

"واقعی تم۔۔۔ ہاں ماں۔۔۔ بوڑھی ہے۔"

"تم۔۔۔ ٹھیک کہتی ہو۔۔۔ جمیلی۔"

چاچا کی آواز میں جواب پا کر بوڑھی ماں کا دل سلگ گیا۔۔۔ بے اختیار ہو کر انہوں نے اپنا بڑبڑانا شروع کر دیا۔

"کاش! خوامخواہ کہنے کے لیے ہے چاچی۔" جمیلی بولی۔ پھر ماں جائی سے پوچھا۔ "کیوں ماں جائی؟"

"کہہ رہا ہوں ناں ابھی نہیں۔ بعد میں کروا لیں گے۔ ہوش کا پورا کرنا ابھی ہے۔"

"تو بیٹا اور ان پر خرچ کرو گے۔"

"میں کہہ رہا ہوں۔۔۔ اماں! میں۔۔۔ چپ ہو جاؤ تم بھی بس۔۔۔ کتنی اذیت ہے۔"

جمیلی نے ہاتھ جھٹکا کر کہتے ہوئے منہ بنایا اور چلتے ہوئے بولی۔ "چاچا تم تو ہیں۔۔۔ کیا کہوں۔"

"کیا۔۔۔ بھی کہنا چاہتی ہو۔"

"واقعی تم۔۔۔ ہاں ماں۔۔۔ بوڑھی ہے۔"

"تم۔۔۔ ٹھیک کہتی ہو۔۔۔ جمیلی۔"

چاچا کی آواز میں جواب پا کر بوڑھی ماں کا دل سلگ گیا۔۔۔ بے اختیار ہو کر انہوں نے اپنا بڑبڑانا شروع کر دیا۔

"کاش! خوامخواہ کہنے کے لیے ہے چاچی۔" جمیلی بولی۔ پھر ماں جائی سے پوچھا۔ "کیوں ماں جائی؟"

وہ رونے لگے تھے۔ بھائی کے منہ سے ایسی بات سن کر انہیں اپنا آپ بے وقعت سا لگا۔ وہ بے بسی سے رو دیے۔

"زندگی بھائی اموں کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا تھا۔ ہسپتال میں کروا دیا تھا۔ اسے بھی تکلیف تھی۔ اسے بھی آپریشن کروانے کا کہا تھا۔ اس نے بھی ڈر کے مارے نہیں کروایا تھا۔ اور پھر۔۔۔ اور پھر۔۔۔ اور پھر۔۔

"...سکتے ہیں گی۔"

وہ چپ ان تھیں کہ تھیں وہ بڑی ہو رہی ہے۔ تھیں کہ کیا خدا نے ان تھیں کے بال سوچ کر گھڑا تھا۔ کہ ان کی تھیں ہوس کاری چاہتا۔

وہ سوچ کے کہ سے بات کی۔ تھیں نہال نے انھیں دیکھ کر لیں۔ ان کے بڑے کے آثار تھے۔

اسد اور تھیں کی پیدائش میں کئی تھیں سے چار تھیں تھی۔ اب تو یہ تھیں واضح تھیں کہ ان سے نظریں چرانا ناممکن تھے کے سوا کچھ نہ تھا۔ تھیں تھیں تھیں۔ وہ جو ہاتھ ان تھیں چاتی تھیں۔ تھیں کے ہوتے سے بھی واقف تھیں۔ اور خود سے کہیں بھی جاتی تھیں۔ اپنی بات سے خلاف والوں کوئی فیصلہ سنانے والے تھے۔ وہ اس کے لیے احتجاج ہی نہیں ہوتا کرتے تھے۔

تھیں تھی۔ اپنی بیٹی تھی۔ اپنا خون تھی۔ اسے اسد کے ساتھ شامل وہ واضح میں شک کرنا خوشی کی بات تھی لیکن خیال آتا تھا جس کی معصوم اور پاکیزہ ہی خواہش کلام ٹوٹ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وہ توڑتے جذبے انھیں بری طرح تکلیف آ رہے تھے۔ اس کے چہرے پر چھوٹی اضطرابی سے وہ اس کے اندر ذہنی تلاطم کا اندازہ لگا رہی تھیں۔

پھر ان کو اپنا خیال شدہ بیٹا ہی ایسی تو نظر آیا تھا۔ کتنی تھیں اور چاہتوں سے انھوں نے پالا اور اسد کا جوڑ بڑا تھا۔

چاہتی اس کو بیٹی کی رگوں اور دوستوں کی سچ پاسبان تھی۔ ان کی جانشین تھی۔ ان کے مرنے کے بعد کی ان باتوں کو اندر کو سکتی تھی۔

اس کے لیے۔

بیٹی

وہ جانتی تھیں۔ بیٹی جو بیٹی کے دل میں ساری محرومیاں ہو تو بھی پسند نہ کرے گی۔ اسے اس کی راہوں سے کوئی نکالا تھا۔ نے راستوں سے ہٹا۔ اس کی زندگی کا نظریہ اپنی زندگی سے برتر کرنا تھا۔

"امی جان۔ چلیں اس چپ چاپ؟ تھیں اور لیے کی لیے دیکھا تو اسد

میں اٹھ بیٹھی۔

"کون۔" وہ آنکھیں کھول کر بولا۔ "کیا ہوا ہے؟"

"آپ اس طرح کیوں اٹھی ہیں امی جان۔" وہ کہہ کر اٹھ گیا۔

"شرما جائی ہو رہا۔"

"ہاں وہ اس ہاں... میں جاتی ہوں۔"

"پھر۔"

"اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔" وہ ان پر جھکتے ہوئے بولی۔ "یہ تو میں آنسوؤں میں ڈوب گئی تھی۔

وہ چپ رہیں۔ وہ بولی۔ "بیٹی سے آپ کا دل بہت بڑا ہے۔ اس لیے ہوا ہے۔"

"ہاں۔"

"پھر؟"

"پھر... پھر کچھ بھی نہیں کیا؟" تھیں نہال بے اختیار ہنس پڑیں۔ وہ کھلکھلا دیا۔ ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر ان کے سینے پر سر رکھ دیا۔ بے اختیار ہنسا آنسو اس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔ اسے ضبط دھیرے دھیرے کرنے والی اس کی ماں جب ہونی تھیں تو چاہنا کی قوت بڑا ثابت کیسے جواب ہوتے جاتی۔

O☆O

"کیا ہوا۔"

"کیا۔"

"کیا ہوا۔"

"کیا۔"

"بس کیا کہہ گئی ہے... اللہ ہے۔"

بیٹی کی آنکھوں میں شرارت ابھری۔ "تم نے اسے ہاتھ لگایا ہے۔"

"کیا ہوا ہے۔"

اسد ہنستے ہوئے بولا۔ "کیا ہوا ہے۔"

"کیا ہوا ہے۔"

"کیا ہوا ہے۔"

"

"تم ایسی کھیل ہار رہی تھی۔"

"کھیل... ہوتا ہے۔"

اسد نے بھیگی نظروں سے اسے دیکھا... وہ جھلملا کر گردن جھکا گئی... اس کی خاطر

"اچھا اسد اب ختم کرو۔"

وہ ہلکا سا کھڑکی ہوئی۔

"کیوں؟"

"بس۔"

جیلی نے "مطلق نیز" نکال ڈالی۔

"ایجھو۔"

"نہیں نہ کھیلی۔"

"تم ہارو گی اور کھیلو گی بھی۔"

اسد مسکراتے ہوئے انکار کرتے ہوئے اٹھے... اور لپک کر جیلی کی گردن پکڑنا چاہی۔

جیلی نے جھٹکے سے سر پیچھے کر لیا... اسد جیلی کے گرد گھوم کر اس کی طرف آئے

لیکن ان کے ہاتھ آنے سے پہلے اس نے جھپ لگائی اور ریلنگ کے اوپر سے اوٹی اور پانی پر چھلانگ لگا دی۔

اسد اس کے پیچھے بھاگے۔

وہ آگے آگے اوٹی چلی گئی۔

لوگوں کے قہقہے گونجنے لگے... اسد کی رکو! ٹھہرو کی آواز جیلی کے پیچھے اڑتے قہقہوں میں ڈوبنے لگی۔

دونوں اوپر برآمدے میں آ گئے... جیلی کو جدھر راستہ نظر آیا کدکڑتے نکلتی چلی گئی۔

برآمدے کے ستونوں کی اوٹ میں کھڑے بابا لوگ اپنے حقے گڑگڑانے بھول گئے۔

لوگوں کے ہاتھ پھول چکے تھے... لیکن اب بھی آگے پیچھے دوڑ رہے تھے...

برآمدے کے قریب سے گزرتے ہوئے اسد نے جھانک کر دیکھا اور جیلی دوسرے لمحے ان کے قابو میں آ گئی۔

اسد نے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔

"چھوڑ اسد... اے اللہ چھوڑ دے۔"

سانس اوپر تلے ہو رہے تھے... بھیگے ہوئے کپڑے جسم سے چپک گئے تھے... جس کی وجہ سے جسم کے نشیب و فراز نمایاں ہو رہے تھے... وہ ہانپ رہی تھی... اسد کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں... جیلی نے اسد کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ لیا اور اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

لیکن

اسد خود سے تمام پکے تھے... اب کی بار جیلی سے گھبرا کے وہ اور بھی پکے تھے... انہوں نے جیلی کو شانوں سے پکڑا اور اسے گھمانے کے لیے گھوما... جس کی وجہ سے جیلی کا پاؤں پھسلا اور وہ گرنے لگی۔

"ہائے اسد... بچیے... رہنے دو۔"

اسد نے گھوم کر اسے گرنے سے بچا لیا... وہ ان کے سینے سے ٹکرا کر ان کے بازوؤں میں آ گئی... اسد نے اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا... وہ ان کے سینے سے لگی ہانپ رہی تھی... اسد کے ہاتھ اس کی پشت پر تھے... وہ اس کے بھیگے ہوئے بالوں کو سہلا رہے تھے... جیلی نے سر اٹھا کر اسد کی طرف دیکھا... اسد نے جھک کر اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیے... جیلی نے آنکھیں بند کر لیں... اسد کے لب اس کی پیشانی سے ہوتے ہوئے اس کی آنکھوں پر آ گئے... پھر اس کے رخساروں پر... پھر اس کے لبوں پر... جیلی نے ہاتھ اسد کے سینے پر رکھ دیے... اسد نے اس کے ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھوں میں لے لیے... اور اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں لے لیا... جیلی نے آنکھیں کھول دیں... اسد نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیے... جیلی نے اپنے ہاتھ اسد کے سینے پر رکھ دیے... اسد نے اس کے ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھوں میں لے لیے...

○☆○

وہ ایک بے نام سی کیفیت تھی... آنکھ کے کھلتے ہی پہلے پہل تو وہ سمجھ نہیں پائی تھی... پھر آہستہ آہستہ رات کے سارے واقعات ایک ایک کر کے اس کے ذہن کے پردے پر ابھرنے لگے تھے... کچھ بھی تو نہیں ہوا تھا... اسد نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے تھے... اس کے لبوں کو چھوا تھا... اس کی پیشانی... آنکھوں... رخساروں... لبوں کو چھوا تھا... اس کے ہاتھ اسد کے سینے پر رکھے تھے... اسد نے اس کے ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھوں میں لے لیے تھے... اس نے آنکھیں کھول دی تھیں... اسد نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیے تھے... اس نے اپنے ہاتھ اسد کے سینے پر رکھ دی

مدتوں سے اسد کی مورتی سجائی ہوئی تھی..... اور چپکے چپکے ہی پرستش کیے جارہی تھی۔

آج کے واقعے نے اس کی دنیا متلاطم کردی تھی..... اسے آج پہلی دفعہ بینی سے بھی حسد محسوس ہوا تھا..... اپنی بہن اپنے حق پر ڈاکہ ڈال رہی تھی..... اس کا جی چاہا تھا..... کہ بینی کا گلا اپنے ہاتھوں سے گھونٹ دے۔

لیکن بینی سے زیادہ قصوروار تو اسد لگے تھے۔ غصہ تو ان پر بھی آیا تھا..... پر وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔ غصے کا اظہار کرنے کی بھی کب مجاز تھی۔

اسے سمجھ نہ آرہا تھا کہ کیا ہوا ہے..... کیا ہو رہا ہے..... یا کیا ہونے والا ہے۔ دل مضطرب و پریشان تھا۔ گھبراہٹ سی طاری ہو ہو جاتی تھی..... دل ناساز کو بہلانے کے لیے وہ ساز لیے بیٹھی تھی۔

وہ ایک پرسوز نغمے کی دھن بجا رہی تھی۔ اس کی انگلیاں ستار کے تاروں پر تھیں..... مضراب سے تاروں پر چوٹ پڑ رہی تھی..... نغمہ اس کا ہاتھ..... اور فضا اس زخمی نغمے کے سینے سے رستے والے لہو سے سوگوار ہو رہی تھی۔

وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی ستار پر جھکی تھی..... اس کی آنکھیں بند تھیں..... سوز دل چیر رہا تھا..... آنسو آنکھوں کے بند گوشوں سے نکل نکل کر بہہ رہے تھے..... وہ گرد و پیش سے بالکل بے خبر تھی۔

اپنے آپ میں ڈوبی اپنی سوچوں میں ڈوبی اور اپنے نغمے کے سحر میں گرفتار ہو رہی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی..... کہ درد کی ان پھیلتی لہروں نے اور دل کی بے چین کر دینے والی..... دکھ بھرے اور حساس دلوں کو بھی چھو لیا ہے۔

نغمہ بردوش ہوائیں چار سو پھیل رہی تھیں..... بینی کی خواب گاہ تک بھی پہنچیں۔

وہ بستر میں لیٹی تھی..... آج کا واقعہ حواس پر چھایا تھا..... وہ سمجھ نہ پا رہی تھی..... کہ اس واقعے نے اسے کیف سرور بخشا ہے یا احساس ندامت۔

اسد سے اس نے محبت کی پینگیں خوب بڑھائی تھیں..... ہر وقت اکٹھے رہنے سے یہ جذبات خود بخود تقویت پا رہے تھے لیکن اسے عنصر کا خیال بھی آجاتا..... اسے وہ بھی بہت اچھا لگتا تھا۔

وہ سوچ رہی تھی..... کہ اسد اور عنصر دونوں ہی اس کی زندگی میں داخل ہوئے ہیں۔ کیا وہ بیک وقت دو مردوں سے محبت کر رہی ہے؟

کیا ایسا کبھی ہوا ہے؟

کیا ایسا ممکن ہے؟

اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ کمرے میں ہلکی روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ تیز روشنیاں گل کر دی تھیں۔ کروٹ پہ کروٹ بدل رہی تھی۔ کبھی اسے یوں لگتا کہ وہ اسد کے ساتھ محبت کرنے میں سنجیدہ نہیں..... وہ صرف کزن ہیں..... جن سے وہ بہت بے تکلف ہو گئی ہے۔

لیکن بے تکلفی ان حدود تک پہنچ جائے تو محبت ہی کہلانے لگتی ہے نا۔

وہ اس بات پر صاد کرنے کو تیار نہ تھی۔

عنصر اسے جانے کیوں بے طرح یاد آ رہا تھا..... اس کے ساتھ وہ بے تکلف تھی..... لیکن بے تکلفی نے ان حدود کو تو کبھی نہیں چھوا تھا..... اور ان چھوا پن ہی دلکشی اور جاذبیت کا حامل تھا۔

وہ شش و پنج میں تھی۔ کبھی اسد کی طرف جھک جاتی اور کبھی عنصر کی طرف۔ بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی کہ ستار کی دلکش آواز نے چونکا دیا۔

چند لمحے وہ اس آواز کی طرف متوجہ رہی۔ پھر لیٹے لیٹے ہی آواز کی سمت متعین کی۔

آواز کیا تھی..... مدھر سی کشش تھی۔ جس نے زیادہ دیر خاموش نہ رہنے دیا۔ وہ بستر سے نکل آئی..... اور پردے کھینچ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

حوض پر ملگجا سا غبار تھا۔ رات کی سیاہی میں ستاروں کی چمک ماند پڑ رہی تھی۔ اسے حوض کی مرمریں منڈیر کے قریب ریما کا ہیولہ نظر آیا۔

ستار ریما ہی بجا رہی تھی..... جینی نے اندازہ کر لیا تھا۔

وہ کھڑکی کی سل پر کہنیاں ٹکا کر ہاتھوں کے پیالوں میں چہرہ تھام کر جھک کر کھڑی ہو گئی۔

ستار کے تاروں سے درد ابل رہا تھا..... جینی اس درد کو اپنے دل میں پھیلتا محسوس کرنے لگی۔

اور

پھر

جیسے ایک دم اس پر بہت بڑی حقیقت منکشف ہو گئی..... ان درد بھرے سروں نے اک واضح شکل قائم کر لی..... ایک بڑی سچائی پر سے پردہ اٹھا دیا۔

کہیں بینا اسد سے محبت تو نہیں کرتی؟

یقیناً یقیناً اس کے اندر کئی سمتوں میں یہ کونج بھیل گئی۔

وہ ششدر اور ہراساں سی کھڑی رہ گئی۔

پھر

پلٹی

کرسی پر پڑا گاؤن اٹھا کر پہنا اور اس کی ڈوریوں کو کمر کے گرد کستے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئی۔

وہ تیز تیز قدم چل رہی تھی۔

برآمدہ عبور کر کے وہ باہر نکل آئی..... وہ سیدھی بینا کے کمرے کی طرف بڑھی۔

رات کا اندھیرا بینا کے وجود کے گرد لپٹا ہوا تھا..... اس کے بال کالے کے رنگ کی صحیح شناخت نہ ہو سکتی تھی..... بہر حال جینی چند قدم کے فاصلے پر رک کر اسے غور سے تکنے لگی۔

بینا کو تو جیسے سدھ بدھ ہی نہ تھی..... آنکھیں بند تھیں..... ہاتھ حرکت کر رہے تھے..... اور کھلے لانبے بال پشت پر پھیلے تھے..... سر جھکا ہوا تھا..... اور بالوں کی کئی لٹیں چہرے پر بھی جھک آئی تھیں۔

جینی کانپ کر وہیں رکی رہ گئی۔

کئی لمحے بیت گئے۔

سر ڈوب ڈوب کر ابھر رہے تھے..... اور ابھر ابھر کر ڈوب رہے تھے۔

جینی کا من بے چین تھا..... اس نے چاہا بینا سے لپٹ جائے..... اس سے پوچھے..... کہ وہ اتنا گھمبیر درد فضا میں بکھیر کر سب کو بے تاب اور بے چین کیوں کر رہی ہے..... اس کے دل کو کیا تکلیف پہنچی ہے۔ اس کے احساس نے کونسا دھچکا کھایا ہے۔

اس کے جذبوں کو کہاں سے تحسین پہنچی ہے۔

لیکن

ان ساری باتوں کا جواب تو خود اس کی ذات کے اندر تھا۔ وہ کیسے پوچھتی۔ کیونکر کچھ کہتی۔

پشیمان سی ہو کر وہ واپس پلٹی۔

اور اپنے وجود کو گھسیٹتے ہوئے کمرے میں آ گئی۔

عین اسی وقت اسد نے اپنے کمرے کی کھڑکی کھٹاک سے بند کر دی۔

کچلا ہوا درد وہاں تک بھی پہنچ رہا تھا۔

انہیں بے چین کر رہا تھا۔

ان کے دل کو چھو رہا تھا۔

لیکن

وہ بے چینی اور درد کے دل کو چھو لینے کا اعتراف نہیں کرنا چاہتے تھے.... اپنی ذات کے اندر اٹھنے والے ابال کی نفی کرنے کے لیے انہوں نے غصے سے کھڑکی کے پٹ بند کر دیے۔

○☆○

''ہیلو آنٹی..... میں بینا بول رہی ہوں..... سے بات کرنی ہے۔''

شائستہ کا فون تھا..... بینا نے اٹھایا..... شائستہ نے خیریت بتلائی' ماں کا احوال پوچھا۔ بینا کی خیریت دریافت کی۔

''جینی کو بلاؤ بینا۔'' اس نے چند باتوں کے بعد کہا۔ ''وہ تو اب عربی ہی کی ہوگئی ہے۔''

''ہولڈ کیجئے..... میں ابھی بلاتی ہوں۔''

بینا نے فون کریڈل سے باہر رکھ کر..... تاصر ان کے لیے کسی کمرے میں جا رہا تھا۔

''جینی بی بی کو بلاؤ۔ ناصر ان کا فون کراچی سے ہے۔''

''وہ کہاں ہیں بی بی؟''

''باہر لان میں شاید ہوں..... ابھی ریکٹ پکڑے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔''

''ہاں ٹھیک ہے' اسد میاں بھی ریکٹ لے کر گئے ہیں۔''

''باتیں نہ کرو فون آیا ہے۔ بھاگ کر انہیں بلاؤ..... کہو۔''

ناصر نے ٹرے میز پر رکھ دی اور تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔ برآمدے سے ہی اس نے جینی کو فون کی اطلاع دی۔

وہ اور اسد بیڈمنٹن کھیل رہے تھے..... جینی نے بنفشی کے ساتھ سرخ پٹیوں والی نیوی بلیو جرسی پہنی ہوئی تھی۔ پاؤں میں ہارٹھ سٹار کے فلیٹ تھے۔ بالوں میں سرخ ربن بینا

لگایا ہوا تھا۔

"آئی۔" اس نے ریکٹ پھینک دیا اور بھاگتے ہوئے برآمدے کی طرف آئی۔ اسد بھی ریکٹ ہاتھ میں پکڑے اس کے پیچھے پیچھے آ گیا۔ انہوں نے وارک براؤن پینٹ کے ساتھ کسمل بیسٹر کلر کی جیکٹ پہن رکھی تھی۔

دونوں بے حد سمارٹ لگ رہے تھے۔ آگے پیچھے دونوں لابی میں آئے۔ جینی نے بیتا کی طرف دیکھا اور بولی۔ "کس کا فون تھا؟"

"آنٹی کا۔" بیتا نے اس کے پیچھے پیچھے آنے والے خوبصورت بے رحم پر نگاہ ڈالی۔ جوان دنوں جینی میں اس طرح کھویا تھا کہ بالکل بیگانہ سی بن گیا تھا۔

"ہیلو بیتا۔" اسد نے اس پر اچٹتی سی نگاہ ڈالی۔ پھر تمسخر سے بولے۔ "کھانا پکانے کی تیاری ہو رہی ہے۔ یا سیکھ کر آئے گی۔"

جینی فون اٹھا چکی تھی۔ بیتا نے ان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اک بے تاب کر دینے والی نگاہ ان پر ڈالی۔

اسد کچھ گڑبڑا گئے۔ جلدی سے بولے۔ "داری ماں کی طبیعت اس وقت تو ٹھیک ہے نا۔"

"جی۔ کبھی کبھی ان سے خود کبھی پوچھ لینے کی تکلیف کر لیا کیجئے۔"

اسد نے تعجیلی نظروں سے اسے دیکھا۔ "تمہارا کیا خیال ہے میں ان کی احوال پرسی نہیں کرتا۔"

وہ چپ رہی۔ خود داری ماں ہی تو کرتی تھیں کہ اسد ان کے پاس نہیں پھٹکتے۔ سارا دن جانے کہاں رہتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں۔ کبھی تنگ کر کارڈ اور ایسوں کے متعلق بھی نہیں بتاتے۔

اسد ہچکچاتے ہوئے بولے۔ "دعس وغیرہ۔ آپ خدمت گزاری کا مارا کریا ہے۔ خود لینا چاہتی ہیں۔ تو لے لیں۔ یہ شوق تو آپ ہی کا ہے۔ ویسے۔"

وہ بات کرتے کرتے رک گئے۔ دھیان جینی کی طرف گیا۔ اس نے ہنس کا نام لیا تھا۔ وہ چونک کر اس کی گفتگو سننے لگے۔

وہ ماں سے باتیں کر رہی تھی۔

"ہاں ممی ۔۔۔ ٹھیک ہے ۔۔۔ میں خود بھی آنا چاہ رہی ہوں۔"

"میں تو بہت اداس ہو گئی ہوں ۔۔۔ عنصر نے کل پھر فون کیا تھا۔"

"ہائے ممی ۔۔۔ لاس اینجلس سے؟"

"ہاں۔"

"کیا کہتا تھا؟"

"مجھ سے بھلا کیا کہتا۔"

"آپ ہنس کیوں رہی ہیں۔ ضرور اس نے کچھ کہا ہو گا میرے متعلق۔"

"ہاں۔"

"کیا۔"

"بس کچھ گول مول سی باتیں کر رہا تھا۔"

"بتائیں نا ممی۔"

"تم کب تک آ رہی ہو۔"

"جلدی کوشش کروں گی اسی ہفتے۔"

"وہ آٹھ دس دن بعد پھر فون کرے گا۔"

"اوکے ۔۔۔ میں تب تک آ جاؤں گی۔"

"اگر تم نہیں ۔۔۔ تم تو اس حویلی کے ہوتے ہوئے بھی تک تھیں ۔۔۔ اب یہاں بھی تک گئیں۔"

"یہ تو آپ کے لاڈلے ہیں نا ۔۔۔ اسد۔"

"ہاں۔"

"وہ آنے نہیں دیتے ۔۔۔ اپنی محبت سے ڈراتے ہیں ۔۔۔ اسی لیے زبردستی روک رکھا ہے۔"

بھنی نے مسکراتے ہوئے اسد کو دیکھا ۔۔۔ اسد کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

شائستہ اس کی بات پر ہنس پڑی۔

بھنی ایک بار پھر محبت پر پھیلنے لگی۔

اسد ریکٹ پر سے پھینک کر کمرے سے باہر نکل گئے۔۔۔ بینا نے ان کا موڈ آف دیکھا۔ وہ یہی سمجھی کہ اس کی بات پر وہ برا مناتے ہوئے ہیں۔۔۔ اس کا دل دکھ گیا اور آنکھوں میں جلن ہونے لگی۔

جینی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔ وہاں جانے کے متعلق بھی تفصیل سے بتایا۔ اپنی یہاں کی مصروفیات کا بھی ذکر کیا۔ اپنے دوستوں کا پوچھا۔ ممی کی ایکٹوٹیز کے متعلق باتیں کیں۔

پھر بہت جلد واپس لوٹنے کو کہا۔

"کب تک؟" شائستہ نے پوچھا۔

"بہت جلدی ممی۔۔۔ میں خود بھی آپ سے اداس ہو گئی ہوں۔ سیٹ بک کروا کے فون کر دوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔"

"خدا حافظ ممی۔۔۔ ڈیڈی کو میری طرف سے کس کہئے گا۔" جینی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔۔۔ اور خدا حافظ کہتے ہوئے شائستہ کی ہنسی بھی سنائی دی۔

فون رکھ کر جینی نے ادھر ادھر نگاہ ڈالی۔ "اسد کہاں گئے؟"

"باہر۔" بینا نے بغیر رخ موڑے جواب دیا۔

"بینا۔۔۔ میں بہت جلد واپس جا رہی ہوں۔ آج ہی واپسی کا پروگرام بنا لوں گی۔"

"اتنی جلدی۔"

"ممی سے باتیں کی ہیں تو ان سے دل اور اداس ہو گیا ہے۔"

بینا نے اس کی طرف گردن موڑ کر دیکھا۔۔۔ اور ہولے سے بولی۔

"ممی سے الگ رہنے کی مشق کیا کرو۔"

"کیوں؟"

"تمہیں مستقلاً یہاں رہنا ہے۔"

"مستقلاً۔۔۔ یہاں۔"

جینی نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

"اور کہاں؟"

"اوہ... نو... نو۔"

"اس گھر کی بن کر یہاں ہی تو رہو گی۔" وفا نے جینی کو چھیڑا۔ جینی سنجیدہ ہو گئی۔

چند لمحے چپ کھڑی رہی..... پھر ریکٹ آہستہ آہستہ گھماتی باہر نکل گئی۔

اسد لان میں نہیں تھے..... وہ برآمدے سے ہی لوٹ آئی..... اسد اپنے کمرے کی بیرونی بالکنی کے پلر سے لگے کھڑے تھے..... اس کی طرف ان کی پشت تھی۔

جینی ریکٹ گھماتی ان کی طرف چل دی۔

"اسد۔" اس نے چند قدم کے فاصلے پر سے آواز دی۔

اسد نے سنی ان سنی کر دی۔

وہ قدم آہستہ آہستہ اٹھاتی ان کے قریب پہنچ گئی۔ "یہاں کیوں آ گئے؟"

اسد نے سرد سی نگاہ اس پر ڈالی۔

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "کیوں؟ منہ کیوں پھلا رکھا ہے۔ کھیلو گے نہیں؟"

"نہیں۔"

"کیا ہوا..... کیا بات ہوئی اسد..... مجھ سے کیوں ناراض ہو؟"

اس نے دونوں بازو سینے پر باندھ رکھے تھے۔ ہاتھ بغلوں میں دبے دبے بولے۔ "تم واپس جا رہی ہو؟"

"ہاں..... جانا تو نہیں تھا..... کتنے دن تو ہو گئے..... ممی بھی اداس ہو رہی ہیں..... اور..."

"وہ عنصر بھی۔"

جینی نے حیران ہو کر انہیں دیکھا..... پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اسد نے اک غصیلی نگاہ اس پر ڈالی..... اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کمرے میں چلے گئے۔

جینی بھی لپک کر ان کے پیچھے آئی۔

اس نے کمال کے سے دروازہ بند کر لیا۔

جینی چند لمحے وہاں کھڑی رہی..... پھر اسے بھی اسد کے اس موڈ پر غصہ آ گیا۔

وہ تیز تیز قدموں سے واپس اپنے کمرے میں چلی آئی۔

رات کھانے کی میز پر سب اکٹھے ہوئے..... کچھ مہمان بھی آئے ہوئے

چلا

بچے ۔۔۔ اور دادی ماں کی احوال پرسی کو ناز و ادا بھی فارغ ہو گئے اور قیصر بھی آ گئے ہوئے تھے۔ اسد سب سے ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہے۔ بھابی اور ریحانہ کی طرف انہوں نے

دانستہ توجہ نہیں دی۔

ریحانہ تو خیر اس سلوک کی عادی ہو چکی تھی ۔۔۔ ہاں بھابی کو یہ بات بری طرح کھل رہی تھی۔

اور

کھانے کے بعد جب سب دادی ماں کے کمرے میں آن بیٹھے ۔۔۔ ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں ۔۔۔ قہوہ پینے کے بعد مہمان چلے گئے ۔۔۔ اسد انہیں باہر تک چھوڑ کر واپس آئے تو بھابی اماں جانی کے بیڈ پر بیٹھ کر بولی۔ "اماں جانی ۔۔۔ اب میں واپس جانا چاہتی ہوں۔"

"کہاں؟"

"اپنے گھر۔"

"جی اچاٹ ہو گیا؟"

"ہاں۔"

"تو پھر چلی جاؤ۔"

"اماں جانی میں پھر آ جاؤں گی آپ نا ۔۔۔ اس طرح تو نہ کہیں۔"

"نہیں میری بچی۔"

"میرا دل اداس ہو گیا ہے۔"

"ظاہر ہے بھی ڈیڈی سے اتنے دن دور پہلے تو کبھی نہیں رہی تھیں نا۔"

"بھی ڈیڈی کے علاوہ دوستوں سے بھی اتنی دور پہلے کبھی نہیں رہی تھی۔" دادی ماں۔ بھابی کے جواب دینے سے پہلے اسد بولے۔

دادی اور بھابی دونوں نے اسد کے لہجے میں چھپا طنز محسوس کر کے چونک کر انہیں دیکھا۔ چند لمحے سکوت رہا ۔۔۔ پھر بھابی جیسے اسد کی نقل کی وجہ جان گئی ۔۔۔ وہ زیر لب مسکرانے لگی۔

اسد کو اس کی مسکراہٹ زہر لگی ۔۔۔ وہ غصے سے بھرے کمرے سے نکل گئے۔

○☆○

اسد اپنی نشست گاہ میں تھے۔ کمرہ روشنی سے بھرا تھا اور سلیقے سے رکھی ہر چیز روشنی میں چمک رہی تھی..... وہ صوفے پر نیم دراز سگریٹ کے کش لے رہے تھے۔ دائیں ہاتھ رکھی سائیڈ ٹیبل پر پڑی ایش ٹرے کے اندر اور باہر سگریٹ کے جلے ادھ جلے ٹکڑے پڑے تھے۔ راکھ کی ہلکی سی تہہ میز پر چمکتی شفاف سطح پر محسوس کی جا سکتی تھی۔

ابھی ابھی ان کے چند دوست اٹھ کر گئے تھے۔ جمیل اور فاروق بھی ان کے ساتھ تھے..... گھنٹہ بھر وہ لوگ یہیں بیٹھے رہے تھے۔ چائے کا دور چلا تھا اور خوب گپ شپ ہوئی تھی۔

صوفے کے سامنے رکھی میز پر فائلیں پڑی تھیں جو خوشی کی چیک کرنے کے لیے دے گئے تھے۔ چند ایک دیکھ لی تھیں۔ باقی دوستوں اور کزنوں کے آ جانے سے نہ دیکھ پائے تھے۔

آج فیکٹری میں مزدوروں کا بھی کچھ جھگڑا ہو گیا تھا۔ مصالحت کراتے کراتے اسد کو لگا تھا جیسے اپنا بلڈ پریشر ڈاؤن ہو جائے گا۔ ان کے ذہن پر ابھی تک بار تھا۔ دوستوں کے آ جانے سے کچھ دیر کے لیے اس بار سے چھٹکارا ملا تھا۔ اب پھر بار ذہن پر مسلط تھا۔ کل جانے مصالحت کروا دینے کے باوجود جھگڑا کیا صورت اختیار کر جائے۔ یہ صورت خاصی پریشان کن تھی۔

پریشان وہ ویسے بھی تھے۔ بیٹی سے ناراض ہو گئے تھے۔ انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے سے ناراض ہو کر وہ پوری کائنات سے لاتعلق ہو گئے ہیں۔ فائلوں اور فیکٹری میں جھگڑے کی پریشانی بھی محض اسی وجہ سے تھی۔

آج دوستوں کی صحبت میں بھی انہیں سکون نہ ملا تھا۔ وہ سب بڑے خوشگوار موڈ

چلا

ہی تھے۔ گپ شپ بھی لگائی تھی۔ اسد نے بھی ساتھ دینے کی پوری پوری کوشش کی تھی۔ پھر بھی پوچھ ہی لیا تھا۔ "کیا بات ہے اسد۔ بہت الجھے ہوئے ہیں آپ؟"

اور

اسد نے آج فیکٹری میں ہونے والے واقعے کی روئیداد بیان کر دی تھی۔

فاروق ہنسا تھا۔ "یار یہ باتیں تو مالک و آجر میں لازم و ملزوم ہیں۔ ٹینشن سا چل لگا ہے۔ تم کیوں پریشان ہو رہے ہو..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ویسے گروپ بندی اچھی علامت نہیں۔" جمیل نے کہا تھا۔

"چھوڑو بھی..... اپنی مار رہے ہو..... کہاں گروپ بندی نہیں..... کون سی فیکٹری کون سا ایسا کاروبار ہے جس میں گروپ بندی نہیں..... جھگڑے ہوتے ہی رہتے ہیں..... اسد کا واسطہ بھی ایسی باتوں سے پڑا نہیں ہے نا اس لیے۔"

"شاید۔" اسد بولے۔

پھر سب اپنی اپنی رائے دینے لگے اور اپنی اپنی سوچ و فکر کے مطابق اسد کو سمجھا رہے تھے۔

اسد کو ان کی باتوں سے کافی سہارا ملا تھا۔ اسی لیے ان کے جانے کے بعد وہ فیکٹری کے بارے میں سوچنے کی بجائے بھتی اور صرف بھتی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

کل ہڑتال ہو گئی تھی۔

آج سارا دن دونوں ایک دوسرے سے نہیں بولے تھے۔ وہ کل سے بھاگے تھی اور اسد بھی۔

اسے پڑھانے کے لیے اسد نے کھانے کی میز پر بیٹھ کر بات کی تھی۔ وہ بھی بیٹھ گئی تھی۔ اس نے کتاب کے پہلے لڑکے کو کھولا تھا اس نے غلط پڑھا تھا۔ اسد کچھ اداس ہو گئے تھے۔

اسد صوفے سے اٹھ کر کوٹ ہال کی طرف آئے۔ طرح طرح کے کوٹوں کی لمبی لمبی لائنیں آہستہ آہستہ طریق سے گلدان میں لگی تھیں۔ اور سے انہیں یوں لگا تھا کہ پھول مرجھائے ہوئے ہیں لیکن قریب آ کر دیکھا تو تروتازہ تھے۔ وہ زیر لب مسکرائے۔

ذہنی دباؤ اور پریشانیوں کا اثر گرد و پیش پر بھی کس قدر اثر انداز ہوتا ہے۔ وہ سوچنے لگے۔

سگریٹ کے لمبے لمبے کش لے کر انہوں نے بقیہ حصہ ایش ٹرے میں ڈال دیا۔ کمرے میں گھٹن سی محسوس ہونے لگی تھی..... وہ نیا سگریٹ سلگا کر کمرے سے باہر نکل آئے..... اور ٹہلنے کے انداز میں چلتے چلتے حویلی کے صدر دروازے سے باہر نکل گئے۔

کچھ دیر وہ چمن میں ٹہلتے رہے۔ مرکزی بلب کی روشنی میں چمن بڑا پراسرار لگ رہا تھا..... کہیں اندھیرا کہیں اجالا..... کہیں پھولوں کی مہک کہیں مرجھائے اور شاخوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے والے پتوں اور پھولوں کے ڈھیروں سے اٹھتی ہلکی ہلکی سیلی سی ٹھنڈی سہانی۔

وہ کمرے کے پیچھے ہاتھ کیے ٹہلتے رہے۔ پھر روشنی میں آ کر گھڑی دیکھی۔ کھانے کا وقت ہو رہا تھا۔

وہ اسی ٹہلنے کے انداز میں چلتے اندر آ گئے..... کھانے کے کمرے میں روشنی تھی اور برتن کھنکنے کی آواز بھی آ رہی تھی..... کھانا لگایا جا رہا تھا۔

وہ دادی ماں کے کمرے میں آ گئے..... آج انہوں نے فون پر ڈاکٹر سے بھی بات کی تھی..... اور دادی ماں کو سہ پہر بڑی ہمدردی اور پیار سے آپریشن کے لیے آمادہ بھی کرتے رہے تھے۔

گھٹنوں کا درد اب خاصی اذیت دینے لگا تھا۔ سارا دن وہ بستر ہی میں رہتی تھیں۔

اس وقت بھی وہ موٹے موٹے تکیوں کے سہارے بیٹھی تھیں اور ان کے قریب بیٹھی انہیں کھانا کھلا رہی تھی..... جینی بیڈ کے دوسری طرف کھڑی تھی۔

"پانی۔" انہوں نے نوالہ حلق سے اتارتے ہوئے کہا تو بینا کی بجائے اسد نے بڑھ کر گلاس ان کی طرف بڑھا دیا۔ بینا بھی ہاتھ بڑھا چکی تھی۔ گلاس پکڑتے پکڑتے دونوں کی انگلیوں کی پوریں چھو گئیں۔ بینا نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا..... اسد اپنی مسکراہٹ نہ روک سکے۔ جینی کو احساس دلانے کے لیے وہ کچھ زیادہ ہی خوش دلی سے مسکرائے۔

دادی ماں نے کانچ کے گلاس سے پانی کے چند گھونٹ لیے اور واپس پکڑانے کو ہاتھ بڑھایا۔

"پکڑ لو نا۔" اسد نے مینا سے مسکراتے ہوئے کہا۔

مینا نے دادی ماں سے گلاس لینے کو ہاتھ بڑھایا۔ اسد نے جان بوجھ کر گلاس اس طرح پکڑ لیا کہ مینا کے ہاتھ پر ان کا ہاتھ آ گیا۔

مینا اس مذاق پر بے طرح گھبرا گئی۔

اسد محظوظ ہوتے ہوئے جینی کو یکسر نظر انداز کر کے بولے۔

"جناب کبھی ہمیں بھی دادی اماں کی خدمت کا موقع ملنا چاہیے۔"

گلاس چند لمحے مینا اور اسد کے ہاتھوں کی گرفت میں رہا۔ جینی کھڑی تھی۔ دادی ماں کے قریب بیٹھ گئی۔

مینا اداس اداس سبھی انہیں کھانا کھلاتی رہی۔ اسد کی شوخی و شرارت سے کوئی احساس بھی تو نہ جاگا۔

کھانے کے بعد دادی ماں نے اسد سے کہا۔ "بیٹے جینی واپس جانا چاہتی ہے۔"

"تو میں کیا کروں؟" وہ سپاٹ لہجے میں بولے۔ جینی نے ابرو اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"سیٹ بک کروا دو۔" انہوں نے کہا۔

"دادی ماں میرے اور تھوڑے جھمیلے ہیں۔ کل ہی ملازمت سے کیا۔ کیا یہ کام کروایا جا سکتا ہے۔"

"میں خود بھی کروا سکتی ہوں۔" جینی جل کر بولی۔ "یہ کام ہو سکتا ہے۔ آپ کا شکریہ۔"

جینی اٹھ کھڑی ہوئی..... اسد نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ غصے میں بے حد پیاری لگ رہی تھی۔

مینا نے خالی برتن لا کے ٹیبل پر رکھ دیے تھے جنہیں رحمت دین اٹھا کر لے گیا۔

"دادی ماں قہوہ آپ پئیں گی نا۔" مینا نے پوچھا۔

"تم لوگ کھانا کھا لو..... پھر اکٹھے پئیں گے۔" وہ بولیں۔

"جی۔" مینا نے کہا اور ٹفن ان کی گود سے اٹھا کر میز پر رکھ دیا۔

جینی کمرے سے باہر نکل گئی اور اس کے دو لمحے بعد اسد بھی باہر چلے گئے۔

"جینی۔" اسد نے چند قدم پر جا کر پکارا۔

وہ رک گئی..... شاید نظر کا بار اب دونوں ہی نہ اٹھا سکتے تھے۔

"ناراض کیوں ہو۔" اسد نے اس کے سامنے آ کر اس کے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر ہلکے سے جھٹکے دیئے۔

"آپ ہیں یا میں؟" جینی نے منہ بنایا۔

"چلو میں ہی سہی..... پھر تم نے منہ کیوں بنا رکھا ہے۔"

"عجیب آدمی ہیں آپ۔"

"کیوں۔"

"ناراض ہو گئے ہیں تو کیا میں پیچھے پیچھے پھرتی رہوں۔"

"بالکل..... تمہیں چاہیے تھا کہ مجھ سے ناراضگی کی وجہ پوچھتیں۔"

"فضول باتوں کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہوتا۔"

"جینی..... یہ فضول باتیں ہیں؟"

"بالکل۔"

"ایک بات بتاؤ۔"

"ہوں۔"

اسد جنگلے کے اوپر جھکتے ہوئے جینی سے مخاطب تھے۔ جس نے وارڈ سے کی ریلنگ کا سہارا لے رکھا تھا..... اور جھک کر آنے والی پھواروں بھری ہوا کے سامنے میں تھی۔

"مستقبل کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟" اسد نے ایک دم سوال کیا۔

"کیا فضی سا سوال ہے۔"

"جواب دو۔"

"فلوچہ سے آپ کا مطلب کیا ہے؟"

"تم سمجھتی ہو۔"

"میں کچھ نہیں سمجھتی۔"

"کیوں؟"

"بس..... فیوچر کے متعلق کوئی بھی کچھ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔"

"تم ڈانواں ڈول ہو۔"

"یہ بات نہیں۔"

"عنصر میں انٹرسٹڈ ہو۔"

اسد نے جیسے ایک دم کولہ داغ دیا۔ بینی بے چینی سے بولی۔ "آپ ایسی باتیں کرتے ہیں۔ عنصر میرا دوست ہے جس طرح آپ میرے دوست ہیں۔"

"تو گویا اب تک تم فیصلہ نہیں کر پائیں۔"

"میں کرنا بھی نہیں چاہتی۔"

"تمہیں کرنا پڑے گا۔"

"جب وقت آئے گا۔"

"وقت آ گیا ہے..... کراچی واپس جانے سے پہلے تم فیصلہ کرو گی۔"

بینی چپ ہو گئی..... پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسد اسے بغور تکتے ہوئے بولے۔

"مجھے..... مجھے الجھاؤ میں نہ رکھو پلیز۔ کبھی کبھی تو میں محسوس کرتا ہوں کہ تم مجھے بے انتہا پیار کرتی ہو۔"

وہ سچائی سے بولی۔ "ہاں..... آپ میرے کزن ہیں۔"

"لیکن کبھی کبھی یوں لگتا ہے۔ تم مجھ سے کوسوں دور ہو..... اتنی دور کہ میں تمہیں چھونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

وہ پہلی بار جھلملا کر ہنسی اور بولی۔ "یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"یا الجھاؤ کیوں؟"

"میں خود نہیں جانتی۔"

"تم پاگل ہو۔"

"واقعی..... لیکن مجھے اس کا حل نہیں ملتا..... میں خود بھی بہت سوچتی ہوں۔"

"کیا بات ہے؟"

"بینی پریشان نہ کرو۔"

"کچی بات ہے اسد ..... میں کل تک ..... [illegible] ..... وہ محسوس کرتی ہوں ..... کہہ دیتی ہوں ..... میں خود کشمکش اور [illegible] ..... اس بات سے اندازہ کر لیں تاکہ میں یہاں سے جانا بھی چاہتی ہوں اور [illegible] ..... کر سکے۔"

"بھئی۔" اسد نے جھنجلے سے [illegible]

اور

ملازم کھانے کے لیے کہنے کے لیے [illegible] آیا تو [illegible] بھنی اس جھنجلے سے سیدھی اسد کے بازوؤں میں آ جاتی۔

"صاحب کھانا کھا لیجئے۔" ملازم نے [illegible] ہوئے کہا۔

"اچھا۔" اسد بولے۔ "آتے ہیں۔"

"بیگم صاحبہ انتظار کر رہی ہیں۔" ملازم نے [illegible]

"ان سے کہہ دو وہ کھا لیں۔" اسد نے [illegible] ..... کھا لیں گے۔"

"بہتر جناب۔" ملازم چلا گیا۔

اسد اور بھنی پھر باتیں کرنے لگے ..... انہیں اپنی باتوں میں اس بات کا احساس ہی نہ ہوا کہ رجا بی ان کے یوں جواب دینے کا کیا اثر ہوا ہوگا۔

○▽○

جینی کو ایئر پورٹ پر لینے ممی ڈیڈی کے علاوہ دوستوں اور سہیلیوں کا پورا گروپ آیا ہوا تھا..... ممی ڈیڈی کے ملنے سے پہلے ہی لیلیٰ اس سے لپٹ گئی اور گلے شکوے انداز میں بولی۔

"ہائے جینی تم نے کتنا بور کیا۔ وہاں کی چیک کی ہر تصویر میں تمہارا تقاضا کرتے رہے۔"

پھر جانو نے لیلیٰ کی باہوں سے اور اپنی باتیں لپیٹ کر کہا۔ "تمہیں ہماری یاد نہ آتی تھی جینی۔"

دوستوں نے زور زور سے باتیں مارنے شروع کر دیں۔ جینی کے ہاتھوں کے جوڑ جھٹکے کھا کھا کر دکھنے لگے۔ ہارون رفعتی، جمی، نگہت اور لالوں نے اسے بڑے تپاک سے خوش آمدید کہا۔ سہیلیاں تو لپٹ لپٹ گئیں۔

شائستہ اور آصف اپنی اپنی [illegible] مسکراتے رہے۔ جینی بھی ان سے مل کر خوش ہو گئی۔

ورنہ

سارا راستہ وہ پریشان پریشان سی رہی تھی۔ [illegible] پریشانیاں تھیں نا..... اسد اس کے واپس آنے سے کتنے اداس اور کیسے بد دلی سے رہے تھے۔

"پھر کب آؤ گی۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر انہوں نے بڑے بد دلی انداز میں پوچھا تھا۔

"اب آپ آئیں گے۔" جینی نے ان کی آنکھوں میں جھانک کر کہا تھا۔

"ضرور آؤں گا۔" وہ بے چین بے چین تھے۔

یہی بے چینی جینی کے اندر اتر گئی تھی اور سارا راستہ وہ مضطرب و بے کل رہی تھی۔

اسے لگ رہا تھا کہ اسد اس کی زندگی پر حاوی ہو چکے ہیں اور ان کے بغیر وہ چند دن بھی نہ گزار سکے گی۔ زندگی اپنے ہونے پن سے اسے اجنبی سے لگنے لگی تھی۔

اسے اسد کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ محبتوں کے بے ضرر سے اظہار یاد آتے رہے تھے۔۔۔ اشاروں کنایوں والی تو بات ہی نہ تھی۔۔۔ اسد تو سب کچھ کھل کر کہہ دیتے تھے۔۔۔ اور سب کچھ کھل کر کہہ بھی دیا تھا۔

وہ ہستوں اور سہیلیوں سے بمشکل چھٹکارا پا کر وہ بھی سے لپٹ گئی اور پھر ڈیڈی کے سینے سے جا لگی۔

''اداس کر دیا تھا تم نے بھینی۔'' آصف نے اس کی پشت تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''میں تو پروگرام بنا رہی تھی۔ تم نہ آتیں تو خود لینے پہنچ جاؤں گی۔'' شائستہ نے کہا۔

''ہم سب اس کے بغیر اداس تھے اکثر۔'' ہارون نے کہا۔

''اور یہ تو لگتا ہے کسی کے بغیر اداس نہ تھی۔'' بلقی نے اس کو چھیڑ دیا۔ ''خوب سرخ و سپید ہو کر لوٹی ہے۔''

''ماشاءاللہ۔'' شائستہ نے پیار بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

''آپ دعا دیں آ گئی اس دفعہ۔'' روحی نے پوچھا۔

''بہت۔'' بھینی ہنس پڑی۔

''لال حویلی میں لگتا ہے کسی جادو بیت پیدا ہو گئی ہے۔'' بلقی نے شوخی سے اس کے کان میں کہا۔

بھینی کے گالوں پر ہلکی سی سرخی لہرا گئی۔۔۔ جھکی آنکھوں سے بلقی کو دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اثبات کا اشارہ کر دیا۔

''اچھا۔۔۔ کہیں سے ہو آئے ہم سے۔'' بلقی نے اس کے ہنسی اڑائی۔

''کیا کیا۔۔۔ ہمیں بھی تو بتاؤ ذرا۔'' نگہت نے گردن آگے کرتے ہوئے پوچھا۔

''یہ دل کی باتیں ہیں۔'' بلقی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

بھینی کا سامان آ گیا تھا۔۔۔ بھینی نے موٹے کپڑے اٹھایا۔۔۔ ہارون نے بڑا سا بیگ۔۔۔ دونوں گاڑیوں کی طرف چل دیے۔

باقی لوگ بھی آہستہ آہستہ چلتے باتیں کرتے باہر آ گئے۔ اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھے۔۔۔ جینی کو لیلیٰ نے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

سب آگے پیچھے نکلے اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

چائے پر تکلف تھی۔ شائستہ نے خاصا اہتمام کیا ہوا تھا۔۔۔ جینی اس اہتمام کو دیکھ کر ہنس پڑی۔ ''ممی آپ نے تو اچھا خاصا ریسپشن دے ڈالا مجھے۔''

''جیسے پہلی بار سسرال سے واپس آئی ہو۔'' لیلیٰ نے اس کے کان میں کہا۔

جینی نے اس کے گال پر اس شوخی و شرارت سے چٹکی کاٹ لی۔

''ٹھیک کہا ہے نا۔'' لیلیٰ نے گال ملتے ہوئے کہا۔

''کیا کھسر پھسر لگا رکھی ہے۔۔۔ اپنی کزنس کے خلاف۔'' ہارون غرایا۔

لیلیٰ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ''سب کہنے کی باتیں نہیں ہوتیں۔''

''یہ دوستی کے اصول کے منافی ہے۔'' نکہ اپنی پلیٹ میں کیک کاٹتے رکھتے ہوئے بولا۔

''دوستی دوستی ختم۔'' لیلیٰ ہنسی۔

''کیوں کیوں۔'' کئی تجسس بھری آوازیں آئیں۔

''ہماری راہیں جدا جدا ہو چکی ہیں۔'' روحی بولی۔

''میں نے اور جینی نے ایک راہ پر چلنے کا عہد کر رکھا ہے۔'' لیلیٰ نے کہا۔

''سچ۔'' کئی آوازیں پھر ایک ساتھ گونجیں۔

''جھوٹ کیوں کہے۔'' جینی نے پیٹ پر چائے کا مگ بھرتے ہوئے کہا۔

سب ہنس پڑے۔

شائستہ اور آصف چائے کی پیالیاں لے کر وہاں سے اٹھ گئے۔ بے تکلف دوستوں اور ہم عمر ساتھیوں کو کھل کر گپ شپ لگانے کا موقع دینا تھا۔

شام گہری ہونے لگی تھی۔ سب ایک ایک کر کے واپس ہونے لگے۔ صرف لیلیٰ رات کے کھانے پر ٹھہری۔ اس کے دل میں کچھ اور ہی تھی۔۔۔ اسد اور جینی کے نئے تعلقات کے متعلق جاننا چاہتی تھی۔۔۔ ویسے بھی وہ جینی کی ہمراز و ہمساز تھی۔

دونوں باہر لان میں آ بیٹھیں۔

یہاں موسم خوشگوار تھا۔ سمندری ہوائیں چل رہی تھیں۔ دامن کہسار کی سردی یہاں نہیں تھی۔

''سناؤ پھر۔'' لیلیٰ نے کیاری سے پھول توڑ کر جینی کو مارا۔

''کیا؟''

''وہاں کی روئیداد..... کیا معرکے مارے۔''

''کوئی بھی نہیں۔''

''جھوٹی کہیں کی..... وہ جو اسد تھا..... تیرا دیوانہ ہوا جا رہا تھا..... دیوانگی کہاں تک پہنچی۔''

جینی ایزی چیئر پر نیم دراز ہو گئی..... آنکھیں بند کر لیں..... پھر کھول کر مسکرا دی۔

''دیوانہ بالکل ہی ہوش سے بیگانہ ہو گیا۔''

وہ خود ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''یہ بات۔''

''ہاں۔''

''تفصیل سے سناؤ۔''

جینی تفصیل سے ساری باتیں اسے بتانے لگی۔ ہوں ہوں تھے بتا رہی تھی۔ لیلیٰ سنجیدہ ہوتی جا رہی تھی۔

''کیا ہوا..... تم نے رونی صورت کیوں بنا لی؟'' جینی نے اس کے بال پیار سے بکھیرتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو بے چارے عنصر کا خیال آ رہا ہے..... مر جائے گا وہ تو۔'' لیلیٰ بولی۔

جینی بھی ایک دم سنجیدہ ہو گئی..... کرسی پر ٹھیک طرح سے بیٹھتے ہوئے بالوں کو جھٹکے سے پیچھے کیا اور بولی۔ ''کبھی کبھی مجھے بھی خیال آتا ہے۔''

''پچھلے دنوں اس کا فون بھی آیا تھا۔''

''ہاں کسی نے بتایا تھا۔''

"وہ آس لگائے بیٹھا ہے۔"

"ہاں۔"

"اور تو۔"

"میں ۔۔۔ میں معلق ہوں ابھی تک خلا میں۔"

"لو ۔۔۔ اتنا رومانس لڑ کر بھی معلق ہے۔"

"بچی لیلیٰ ۔۔۔ مجھے کچھ پتہ نہیں چلتا ۔۔۔ اسد اور عنصر ۔۔۔ کس کو کس پر ترجیح دوں ۔۔۔ میں سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہتی ہوں۔"

"عجیب لڑکی ہو۔"

"واقعی۔"

"اسد تمہارا کزن ہے۔ اس لیے زیادہ امکان اسی کی کامیابی کا ہے۔"

"یہ ضروری نہیں ۔۔۔ اور پھر ۔۔۔ پھر۔"

"کیا۔"

"شاید چچا بھی انہیں پسند کرتے ہے۔"

"اوہ کم آن۔"

"ہاں۔"

لیلیٰ چپ ہو گئی ۔۔۔ چند لمحوں بعد بولی۔ "کیا فیصلہ ہوا ہے تمہارا۔"

"ہوں ۔۔۔ میں تمہیں دو ان باتوں کو۔" جینی نے کچھ اکتا کر کہا۔ "ہے ہے لیلیٰ تم بھی ۔۔۔ کیا کچھ ہوتا رہا ہے ۔۔۔ پیچھے تو بہت پارٹیاں ہوئی ہوں گی ۔۔۔ کچھ کی رپورٹ ہے بھی تو تمہی۔"

"ہاں۔" لیلیٰ اسے کے دنوں کی تفصیل بتانے لگی۔

رات جینی اسے اپنے ہاں بلا کر لے گئی۔ میں سوئی ۔۔۔ پہلے تو بچوں کی طرح ضد کرتی رہی۔ اس عورتی کا کمرا ان پر چھایا رہا ۔۔۔ ہماری ہر حرکت پر ٹوکنے والا آ رہا تھا وہ اسے کمرہ میں ۔۔۔ اس کے دن آئے یاد آتا رہا ۔۔۔ وہ ان باتوں سے ملتی رہی ۔۔۔ اور سوچتی رہی ۔۔۔ اسد سے تو بہت پیار کرتی ہے ۔۔۔ وہ اسے خوابوں میں بھی محبت سے گھورتی رہی ۔۔۔ اسد سے تو بہت پیار کرتی ہے ۔۔۔ وہ اسے خوابوں میں بھی

براجمان رہے۔

لیکن

دن اپنے ہنگامے اور مصروفیات لے کر بیدار ہوا..... وہ اپنی پہلی ڈگر پر لوٹ آئی..... کالج غیر معینہ مدت کے لیے بند تھے..... سارا دن وہ اپنے بک شیلف ٹھیک کرتی رہی..... یونیفارم الماری سے نکالے..... فائلیں ترتیب سے رکھیں۔

شام وہ دوبارہ دن کے ہاں مدعو تھی۔

یوں دن گزرنے لگے..... لال حویلی کا سفر آہستہ آہستہ نارمل ہونے لگا۔ وہ اپنی مسرور و مصروف زندگی میں کھو گئی..... وہ حیران تھی کہ ان ہنگاموں اور بلاگا سے چھٹ کر وہ کیونکر اتنے دن وہاں گزار آئی تھی۔

اسد کا فون ہر تیسرے چوتھے دن آ جاتا تھا..... پہلے دن فون پر بات ہوئی تو وہ بڑی ایکسائیٹڈ تھی۔

لیکن جب کوئی بات معمول بن جائے تو اس میں پہلی والی کشش و جاذبیت نہیں رہتی..... فون کا بھی یہی حال ہوا۔

ہاں

یہاں آنے سے اس بار دن ہوئے تھے کہ عنصر کا فون آ گیا۔

پرانی یادیں چلک جھپک ذہن میں تازہ ہو گئیں..... اس فون سے اسے روحانی سی خوشی ہوئی۔

عنصر نے اسے اس کا عہد یاد دلایا تو وہ بے ساختہ ہنس دی لیکن پھر بھی اس نے بہت سنجیدگی سے کہا۔ "تمہارے آنے کا انتظار کر رہی ہوں۔"

عنصر خوش ہو گیا۔

اس خوشی میں اس نے اسے یہ خوشخبری بھی سنا ڈالی..... کہ اس کو دن کے بعد وہ تین ماہ کے لیے پاکستان آئے گا۔ پھر اپوائنٹمنٹ پر امریکہ بھیج دیا جائے گا۔

"اگلی بات ہے۔" دن نے کہا۔

''تیار رہنا۔'' وہ شوخی سے بولا۔

''کیوں؟''

''ڈیپوٹیشن پر تین سال کے لیے کیا نہیں جاؤں گا۔''

''تو اور.....''

''تم میرے ساتھ ہو گی۔''

جینی پھر نروس ہو گئی۔

عنصر فون پر چہکتا رہا۔

○☆○

اسد دادی ماں کے کمرے سے نکلے تو طبیعت مکدر سی تھی۔ ابھی ابھی ان سے اچھی خاصی بحث ہوگئی تھی..... وہ جانتے تھے دادی ماں مینا کی وجہ سے متفکر ہیں..... اور اشاروں کنایوں سے ان پر دباؤ ڈال رہی ہیں۔

لیکن وہ کسی طور دباؤ میں نہیں آنا چاہتے تھے..... مینا کو انہوں نے اپنے ذہن سے نکال دیا تھا..... گو شکل وصورت قد وقامت چال ڈھال انہیں اس کی بھی بہت پسند تھی لیکن عادات' سنجیدگی اور پتھریلی یخ بستگی انہیں قطعاً ناپسند تھی۔ جینی ان کے معیار پر بالکل فٹ بیٹھتی تھی..... شوخ وشنگ' خوبصورت اور بات بات پر جی کھول کر قہقہے لگانے والی زندہ زندہ لڑکی..... گو اس کی کچھ باتیں بھی انہیں ناپسند تھیں لیکن اظہار جن تو دینا ہی پڑتا ہے۔ وہ بچے نہ تھے۔ جانتے تھے کہ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی کمی کوئی نہ کوئی خامی ہوتی ہے۔

جینی کا دوسرے لوگوں سے بھی بے تکلفی برتنا اور ایک دم فری ہو جانا انہیں پسند نہیں تھا..... اس کے کچھ لباس بھی انہیں کھلتے تھے۔ ایسے لباس وہ صرف اور صرف اپنے سامنے جینی کو پہنے دیکھنا چاہتے تھے..... اوروں کے سامنے نہیں۔

لیکن

یہ سب باتیں گوارا کی جا سکتی تھیں اور جب جینی ان کی زندگی میں قانونا دخل ہوتی تو ان کا مداوا کیا جا سکتا تھا۔

کل انہیں جینی نے فون کر کے بتایا تھا کہ کلب میں تیراکی کا مقابلہ ہوا جس میں اس نے بیس لڑکیوں میں پہلی پوزیشن حاصل کی ہے۔

وہ اس کی کامیابی سے خوش ہوتے تھے اور سوئمنگ کوسٹیوم میں جینی کے خوبصورت تناسب اور پرکشش جسم کی تصویر ہی تصور میں حرکات سے محظوظ بھی ہوتے رہتے تھے۔۔۔ وہ ایسی بالکل پتلے بدن والی چھلی مچھلی لگ رہی تھی۔۔۔ جو پانی میں لچکتی جھجکتی۔۔۔ اس کا سینہ چیرتی، پھینکے اڑاتی اپنے انگ انگ والے بدن کو دلکش انداز میں سمیٹتی پھیلاتی پھر رہی تھی۔۔۔ وہ سوچتے ہوئے بڑے بڑے جذباتی ہو رہے تھے۔

کاش اس مقابلے میں وہ بھی تماشائی کی حیثیت سے شامل ہوتے۔ وہ سرشار سرشار تھے۔۔۔ سنہری مچھلی ایسا پہناوا اور چھلتا بدن اس پردے پر متحرک تھا۔

وہ گنگناتے ہوئے بالکنی میں آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ ساری کائنات پھولوں اور مسور کن خوشبوؤں سے بھری ہوئی لگ رہی تھی۔ زمین سے آسمان تک رنگ برنگی تتلیاں چھپتی دکھائی دے رہی تھیں۔ چہار سو حسن ہی حسن تھا۔

اچانک ان کی نگاہ دینا پر پڑی۔

پھولوں کی کیاری کے پاس وہ کرسی پر بیٹھی تھی۔ گہرے سونگیا رنگ کی پلین شال سے اس نے اپنا وجود ڈھانپ رکھا تھا۔ اس کے گلابی ہاتھوں میں سلائیاں تھیں اور وہ تیزی سے نیلی اون سے کچھ بنے جا رہی تھی۔

اس کا چہرہ جھکا تھا۔ انیمیٹک لیپ کے چہرہ سادگی میں بھی پرکاری لیے تھا۔۔۔ اس کا گیا گیا جاتا کر چہرہ حسین تھا۔ کالے بالوں کا بار سادہ چہرے کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا تھا۔

لیکن

گردن سے لے کر کولہوں تک گرین شال کی لپیٹ تھی۔ مسٹر ایاس کا بھوکا ننگا نظر آ رہا تھا بس۔

وہ جینی اور دینا کا موازنہ کرنے لگے۔

جینی نگاہوں میں پھسل رہی تھی۔۔۔ چھلکا بدن اور چھلی مچھلی۔۔۔ اس کے برعکس

دینا!

اوہ۔

اسد نے جھلا کر سوچا۔۔۔ کس طرح اپنے آپ کو ڈھک چھپا کر رکھا ہوا تھا۔۔۔ کہاں

کشش کوئی جاذبیت نہ تھی۔

دل ہی دل میں انہیں مینا پر غصہ آنے لگا..... یہ لڑکی جینی جیسی کیوں نہیں بن جاتی۔

توبہ شکن..... ہوش ربا..... پاگل کر دینے والی۔

وہ بائفی سے پرے ہٹ گئے تھے۔

اور

سرشار سرشار ہولے ہولے قدم اٹھاتے دادی ماں کے کمرے میں آ گئے تھے۔

ان کی پٹی پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے جھک کر دادی ماں کے گال پر بوسہ دیا تھا۔

اس بوسے میں بے انتہا پیار تھا۔

''کیا بات ہے؟'' دادی ماں نے پوچھا تھا۔

''آج میں بے حد خوش ہوں دادی ماں۔''

''خدا ہمیشہ خوش رکھے۔''

اسد مسکرائے شوخ نظروں سے دادی ماں کو دیکھا اور بولے۔ ''سدا خوش رکھنے کے لیے کچھ کریں بھی نا۔''

''شادی؟''

''بالکل..... آپ تو علم نجوم جانتی ہیں دادی ماں۔''

''میں تمہارے دل کی بات تمہاری آنکھوں میں پڑھ لیتی ہوں۔''

''واقعی؟''

''ہاں۔''

''تو پڑھئے دادی ماں میری آنکھوں میں کیا لکھا ہے؟''

اسد نے آنکھیں پھیلا کر چہرہ دادی ماں کے سامنے کر دیا۔ دادی ماں کچھ توقف کیے بغیر بولیں۔ ''جو کچھ لکھا ہے نا دادی لکھا ہے۔''

''کیا دادی ماں؟''

اسد نے حیرانگی سے پوچھا۔

دادی ماں سنجیدگی سے بولیں۔ ''اسد۔''

''جی۔''

''تم اپنی مرضی کے مالک و مختار ہو..... اور میں یہ بھی جانتی ہوں جو کچھ تم کرنا چاہو گے وہی کرو گے اور وہی ہوگا۔''

اسد چپ رہے۔

''لیکن۔'' دادی ماں چند لمحے چپ رہیں پھر آہستگی سے بولیں۔ ''تم اس وقت جو کچھ سوچ رہے ہو۔ اپنی ذات کے حصار میں محصور ہو کر سوچتے ہو۔''

''اس سوچ کا واسطہ میری ذات ہی سے ہے دادی ماں۔'' اسد ان کی بات اور رویے کو سمجھتے ہوئے بولے۔

''تم صرف تم نہیں ہو اسد۔''

''جی تو اور کیا ہوں۔''

''تم اس خاندان کے واحد چشم و چراغ ہو۔ اس حویلی کے وارث ہو اور اس طرح اس کی ساری روایات کے پاسبان بھی۔''

''میں کوشش کروں گا کہ آپ کی توقعات کو نبھا سکوں۔''

''کیا جینی سے شادی کر کے ایسا ممکن ہوگا؟'' دادی ماں نے ایک دم کہہ دیا۔

اسد کچھ بوکھلا سے گئے۔ پھر بولے۔ ''کیوں نہیں؟''

''میرا تجربہ ہے ایسا نہیں ہو سکے گا۔ پھر بھی میں تمہیں تمہاری مرضی کے خلاف مجبور نہیں کروں گی..... جینی میری اپنی ہی نہیں ہے جہاں تک پیار کا تعلق ہے..... بیٹا اور وہ میرے لیے برابر ہیں۔''

''نہیں دادی ماں۔''

''کیوں؟''

''آپ کو جینا زیادہ عزیز ہے۔ مجھ سے بھی اور جینی سے بھی۔''

دادی ماں نے ایک سرد آہ کھینچی۔ ''یہ شکست ہو تو عزیز تر والی بات ہے..... دونوں میری بیٹیاں ہیں اور تم میرے واحد بیٹے..... تم سب کا سلامت رہنا مجھے عزیز ہے۔''

اسد کی طبیعت ایک دم مکدر سی ہو گئی..... دادی ماں کے بھولے سے جملے بھی

بہت بڑی بات کہہ دی تھی..... وہ اندر ہی اندر تقسیم ہونے لگے۔ حصوں میں بٹنے لگے۔

وہ پنی پر سر جھکائے بیٹھے تھے۔ دادی ماں نے ان کی پشت پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔

"میں نے تمہاری ذات سے کچھ اپنی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ ان کا پرتو دیا پر پڑتا تھا..... وہ بڑی ذہین بچی ہے۔ سب کچھ محسوس کرتی ہے۔ مجھے..... مجھے اس بچی سے بڑی شرمساری ہے۔"

اسد نے بے چینی سے دادی ماں کو دیکھا..... وہ اب بہت رو رہے تھے۔

"لیکن تم فکر نہ کرو..... وہ کبھی کوئی شکایت نہیں کرے گی۔ اسے آنسو آنکھوں میں پی لینے کی عادت ہے۔ وہ درد کو بکھرنے نہیں دیتی..... وہ کبھی شکایت نہیں ہوتی..... اس میں ضبط و برداشت کی بڑی قوت ہے..... مجھے یقین ہے..... جب میں تمہارا رشتہ بینی کے ساتھ طے کروں گی تو وہ حوصلے سے سب کچھ برداشت کر لے گی۔"

اسد اب بھی کچھ نہیں بولے..... یہ حقیقت تھی اور وہ اسے جانتے تھے۔

دادی ماں چند لمحے چپ رہیں..... ان کی خوابگاہ میں خوشگوار موسم ہونے کے باوجود گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی..... اسد کی نگاہوں میں رچا بسا سارا حسن زائل ہو گیا تھا..... خوشبوؤں کا سحر ٹوٹ گیا تھا..... اور چمکتا چہکتا گیلی مچھلی ایسا بدن کہیں روپوش ہو گیا تھا۔

"دادی ماں۔" وہ اٹھ کر چند لمحے بے تابی سے ٹہلنے کے بعد پشت پیچھے ہاتھ پکڑے بولے۔

دادی ماں شاید انداز سے جان گئی تھیں..... کہ وہ کیا کہنے والے ہیں۔ صرف نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔

وہ بولے۔ "آپ نے جو کچھ فرمایا درست ہے..... لیکن..... لیکن دادی ماں۔"

وہ پھر پنی پر بیٹھ گئے..... چند لمحے بے چینی سے ہاتھ ملتے رہے۔ پھر بولے۔

"انسان کے بے بھی تو کچھ نظریات ہوتے ہیں۔ کچھ سوچیں ہوتی ہیں..... بینا ہوتی ہے۔"

"ہاں۔"

"پھر۔"

"پھر..... میں نے تو تمہیں کسی بات پر مجبور نہیں کیا بیٹے..... تم نے فیصلہ کیا ہے۔

ہنا

انسان کے اپنے بھی نظریات ہوتے ہیں۔ سوچیں ہوتی ہیں پسند ہوتی ہے۔"

"بالکل۔"

"پھر ہمیں بھی انسانوں کے زمرے میں شامل کرلو۔ ہمارے نظریات، سوچیں اور پسند اگر تمہارے نظریات، سوچوں اور پسند سے ٹکرا رہی ہیں تو یہ الگ بات ہے لیکن تم ہمیں بار تو نہیں رکھ سکتے۔"

اسد کچھ لاجواب سے ہو گئے۔

"میرا تجربہ اور زندگی کا مشاہدہ تم سے یقیناً وسیع اور زیادہ ہے۔"

"بچہ میں بھی نہیں ہوں دادی ماں۔ بات ذہن اگر اپنی راہیں خود متعین کر سکتا ہے تو یہ بات قابل اعتراض تو نہیں ہونی چاہیے۔"

"یقیناً نہیں۔"

"میرے خیال میں۔ میرے خیال میں۔ دادی ماں۔" وہ ہچکچائے۔ لیکن پھر ہمت کر کے بولے۔ "آپ نے اب تک جو کچھ فرمایا ہے۔ وہ۔"

"نہیں کہنا چاہیے تھا۔" دادی ماں نے ان کی بات پوری کر دی۔ اسد نے دادی ماں کی طرف دیکھا اور اثبات میں ہولے سے ان کا سر آپ ہی آپ ہل گیا۔

دادی ماں نے آہستگی سے کہا۔ "یہ میں نے صرف اس لیے کہا کہ میرا تجربہ اور مشاہدہ تم سے زیادہ وسیع ہے اور زندگی میں جتنا ادب کر میں کچھ کہہ سکتی ہوں تم نہیں۔"

دادی ماں آہستگی سے کہہ رہی تھیں لیکن ان کے لہجے میں [illegible]

[illegible] مقام تھا۔

اسد بے کل ہو گئے۔ طبیعت [illegible]

میں بولے۔

"آپ کا خیال ہے میری پسند غلط ہے۔ [illegible] زندگی میں ادب کرنا [illegible] ساتھ نہ دے گی۔"

"زندگی تو گزر ہی جاتی ہے اور یہی اچھی بات ہے کہ گزر جاتی ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ہماری زندگی بڑے سلیقے سے [illegible]

خوبصورت انداز سے گزرے گی۔''

وہ اٹھ گئے۔

''خدا کرے۔'' دادی ماں نے کہا۔

''دادی ماں۔'' وہ دروازے تک پہنچ [illegible]

''ہوں۔'' دادی ماں نے [illegible]

''بہتر ہوگا آئندہ ہم [illegible] ہے..... آپ سے یہی توقع کروں گا [illegible]

''ایسا ہی ہوگا۔''

دادی ماں چپ [illegible]۔ اسد بھائے بھنائے کمرے سے نکل گئے۔

ان کی طبیعت بے حد مکدر ہو [illegible]

کاروبار کے سلسلے میں آئے تین بیوپاریوں سے نبٹ کر اسد
آفس سے ریٹائرنگ روم میں آ گئے۔ ملازم کو فون وہیں لانے کا کہا اور صوفے پر نیم دراز ہو
کر سگریٹ کے لمبے لمبے کش لینے لگے۔

بیوپاری جا چکے تھے۔ ایئر ٹکٹ بھی مل گیا تھا۔ اب فیکٹری منیجر سے تفصیلی بات
کرنا تھی۔

ملازم نے فون میز پر رکھا یا اور اس کی لمبی تاروں سے الجھا وا نکالنے لگا۔
اسد نے فیکٹری کا نمبر ملایا۔ ۔۔۔ ہوا کچھ نہیں۔
انہوں نے فون رکھ دیا۔
لیکن

دوسرے لمحے پھر فون اٹھایا۔ ۔۔۔ کچھ دیر نمبر ملاتے رہے۔ نمبر ملایا۔
دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہیلو"
یہ شائستہ آنٹی کی نوکرانی جمو کی آواز تھی۔
"جینی سے بات کرنا ہے۔۔۔۔ میں اسد بول رہا ہوں۔"
"اچھا چھوٹے صاحب جی کیا حال ہے۔۔۔ اماں جانی اچھی ہیں۔"
"سب ٹھیک ہے، جینی کو بلاؤ۔"
"ہولڈ کریں بلاتی ہوں۔"
اسد نے فون ذرا سا نیچا کیا۔۔۔ اور بڑے مسرور انداز میں گنگنانے لگے۔

جینی آ گئی..... اسد نے بڑے تپاک سے احوال پرسی کی..... جینی نے بھی سب کی خیریت دریافت کی۔

''کیا شغل ہے آج کل۔'' جینی نے پوچھا۔

''تم کیا کرتی رہتی ہو۔''

''میرے تو ہزاروں مشغلے ہیں۔ ابھی ابھی بازار سے آئی ہوں۔ ڈھیر ساری شاپنگ کر کے۔''

''شادی کی تیاری ہے؟''

''شاید۔''

اسد ہنس پڑے..... پھر بولے۔ ''اب شادی ہو ہی جانا چاہیے۔''

''نیک خیال ہے۔'' وہ بھی حسب عادت ہنس پڑی۔

دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے..... جینی..... بے تکی باتیں۔

پھر اسد بولے۔ ''یار میں تم سے بے حد ناراض ہوں۔''

وہ ہنسی۔ ''ادھر ایسی کوئی بات نہیں۔''

''جھوٹی۔''

''سچی۔''

دونوں ہنس پڑے۔

پھر جینی بولی۔ ''بھئی یہاں زندگی اتنی مصروف ہے کہ کسی کو یاد رکھنے یا بھلا دینے کا وقت ہی نہیں ملتا۔''

''تم ابھی تک کنفیوژ ہو۔''

''کس سلسلے میں؟''

''کسی کو یاد رکھنے..... کسی کو بھلا دینے کے سلسلے میں۔'' وہ حسب عادت کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''وہ چور کب واپس آ رہا ہے؟'' اسد نے چند لمحوں کے توقف کے بعد پوچھا۔

''وفی..... تمہارا..... دوست۔'' اسد چبا چبا کر طنزیہ انداز میں بولے۔

''تمہارا اشارہ شاید عنصر کی طرف ہے۔''

''ہاں شاید یہی نام ہے۔''

''نام تک صحیح طرح جانتے نہیں اور بے چارے کو چور بنا ڈالا۔''

''بس..... اس کا نام میرے ذہن میں چور کے حوالے ہی سے آتا ہے۔''

''ہائے اللہ۔''

''ہائے اللہ۔'' اسد نے اس کی نقل اتاری ..... اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کا یہی وطیرہ تھا۔ فون پر وہ بے تکلفی سے باتیں کیا کرتی تھی اور عادت کے مطابق کھلکھلا کر ہنسا کرتی تھی۔

''ہاں تو کب تک آ رہی ہو؟''

''کہاں؟''

''یہاں۔''

''کیوں؟''

''کیوں کا مطلب؟''

''بھئی کوئی کام..... کوئی بات ہو..... تو آؤں۔''

''احوال پرسی ہی کو آ جاؤ۔''

''کس کی؟''

''میری۔''

''کیوں کیا ہوا آپ کو؟''

''بیماری لگ گئی ہے۔''

''کون سی؟''

''دل کی۔''

''اوہو..... ہو..... ہو..... سنبھل کے رہیے گا۔ احتیاط بڑی لازمی ہے۔''

''مذاق اڑ رہی ہو۔''

''آپ کون سا سچ مچ کے بیمار ہیں۔''

''بیمار عشق ہوں۔''

''کوئی اچھا معالج پکڑیے۔''

''وہ تو تم ہو۔''

''اوں ہوں... میں کس کس کا علاج کروں گی... ایسے بے شمار مریض ہیں اردگرد۔''

''میں سب کو گولی مار دوں گا۔''

اور

جواب میں جینی کھلکھلا کر ہنس پڑی... اسد نے پھر آنے کی دعوت دی۔

''توبہ... اب کہاں آ سکتی ہوں۔ آپ آ جائیں نا۔''

''میں بہت مصروف ہوں۔''

''بس ٹھیک ہے۔ مصروف میں بھی ہوں... ہر کوئی ہے... اس لیے جب اور جس کو وقت ملے گا آ جائے گا۔''

''تم بہت بے درد ہو۔''

''ایسی تو کوئی صفت مجھ میں نہیں۔''

''تمہیں آنا پڑے گا۔''

''جبراً کہو گے... تو کبھی نہیں آؤں گی۔''

''پیار سے کہو تو؟''

''شاید آ جاؤں۔''

''یہ شاید کی دم کیوں؟''

''بس... اتنا ضروری جو نہیں سمجھتی... اسد بھئی سچ کہوں۔ میں اس حویلی میں گھٹن سی محسوس کرتی ہوں... اماں جانی اور بابا سے بھی جاتے۔''

''جینی... میں دادی ماں سے تمہارے لیے تجربہ کر چکا ہوں۔''

''کیا... بہت برا کیا۔''

''پہلا دورہ پڑا ہو۔''

"میں نہیں چاہتی کہ ایسی کوئی بات ہو۔"

"پھر میں تمہیں حاصل کیونکر کروں گا۔"

"کوئی ایسا ضروری بھی نہیں ... ہم اچھے دوست تو ہیں ... اچھے دوست رہ سکتے ہیں۔"

"جینی۔"

جینی پھر ہنس پڑی۔

جینی ان پر واضح نہیں ہوتی تھی۔ اسی لیے اسد جھلا جاتے تھے لیکن وہ جھلاہٹ بھی کیا کرتی۔ وہ تو خود اپنے آپ پر بھی واضح نہیں تھی۔ بیک وقت دو کشتیوں میں پاؤں رکھنے کی کوشش میں بیڑا غرق کرنے کو ہوتی تھی۔

اسد نے ملازم کے آنے پر فون بند کر دیا۔ کافی باتیں کر لی تھیں۔ خوش کن بھی اور دل شکن بھی ... پھر بھی وہ مسرور تھے ... اس یاتونی، شوخ اور چنچل لڑکی کی یہی ادائیں تو انہیں پسند تھیں۔

ملازم نیازی صاحب کے آنے کی اطلاع دے کر واپس چلا گیا۔

اسد فیکٹری کا نمبر ملانے لگے۔ منیجر سے بات کر کے وہ نیازی صاحب سے مل سکتے تھے۔

شام کے سائے پانی پر ناچ رہے تھے ... جب وہ دفتر سے فارغ ہو کر نکلے ... کام کی زیادتی کی وجہ سے انہوں نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ چائے اور کافی پی کر گزارہ ہوا تھا ... اب انہیں بھوک لگ رہی تھی۔ پہلے تو کسی ہوٹل میں چل کر کچھ کھا پی لیں ... سنیکس کھا لیں ... پھر نیازی صاحب سے ملیں ... وہ بہت تھکے ہوئے تھے اور کام ختم کر کے انہیں تھوڑا سا آرام کرنا چاہیے تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ آج کی رات ان کی دل پسند لڑکی کے ساتھ گزاریں۔

اسی خوشی کے سائے سے انہیں ایک خیال آ گیا۔ وہ اس سے ملنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ اس کا ٹھکانہ معلوم کرنے کے لیے انہیں کسی سے رابطہ قائم کرنا تھا۔ اس کے گھر کا فون نمبر ... اس کے گھر کا پتہ ... کس سے حاصل کیا جا سکتا تھا ... کس ذریعے سے ... کس طرف جایا جائے ... جس سے حاصل کیا جا سکے ... کس ذریعے سے حاصل کیا جائے ... ان کا کام تو چلتا رہتا ہے۔

گاڑی چلاتے ہوئے وہ اسی کے متعلق سوچ رہے تھے..... دل کے کسی گوشے میں اپنی زیادتی کا احساس چبھ رہا تھا..... وہ اپنے آپ کو مجرم محسوس کر رہے تھے۔

سوچتے سوچتے وہ جھنجھلا گئے..... ایسا اکثر ہوتا تھا..... جب بھی جینی ان کے جذبات میں لطف و انبساط کی ہلچل مچاتی..... کہیں سے بینا آ ٹپکتی..... لطف و انبساط کرکرے ہو جاتے۔ انہیں یوں لگتا کہ ان کا دل ابھی تک بینا کی مٹھی میں ہے۔ احساس کی ڈور اس کے وجود سے بندھی ہے..... اور کوشش کے باوجود بھی وہ مٹھی کھول کر اپنا دل آزاد نہیں کرا پائے..... احساس کی ڈور کو کاٹ نہیں سکتے۔

انہیں جینی کے جانے کا واقعہ یاد آ گیا۔ جانے سے پہلے انہوں نے جینی کو وہ انگوٹھی دینا چاہی تھی..... جو امریکہ سے بینا کے لیے لائے تھے۔ جینی ان کے کمرے میں آئی تھی..... وہ صبح واپس کراچی جا رہی تھی۔

"جینی۔" انہوں نے اسے انگوٹھی دینے کا سوچا تھا۔

"جی۔"

"میں تمہیں ایک چیز دینا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟"

"دیکھو گی تو پتہ چل جائے گا۔"

جینی پرشوق نظروں سے انہیں دیکھنے لگی تھی۔ وہ اٹھ کر ڈریسنگ روم میں آئے تھے۔ اپنی الماری کے اوپر والے خانے میں رکھا بریف کیس نکالا تھا جس میں انگوٹھی پڑی تھی..... چند لمحے انگوٹھی کو تکتے رہے تھے۔ پھر جانے کیا ہوا تھا کہ انگوٹھی واپس رکھ دی تھی..... امانت میں خیانت کا احساس دل کے کسی گوشے میں جاگ اٹھا تھا۔ وہ اپنی اس حرکت پر جھنجھلائے بھی تھے..... لیکن یوں لگتا تھا ان کے اندر کا انسان تن کر سامنے کھڑا ہو گیا ہے..... جو انگوٹھی کا نگہبان بنا ہوا ہے..... جینی نے اتنی دیر کر دینے پر انہیں آوازیں دی تھی۔

گھبرا کر انہوں نے بریف کیس بند کر دیا تھا..... اور ایک دوسرا انگوٹھی نما ڈبہ اٹھا لیا تھا۔ اس میں خوبصورت سے ٹاپس تھے۔ یہ ٹاپس وہ جینی کے لیے ہی لائے تھے..... اور اسے سونا کی پسند پر خریدا تھا۔

ناپس لے کر جینی بہت خوش ہوئی تھی۔

لیکن

ناپس دے کر اسد خوش نہ ہو سکے تھے۔ تذبذب کے عالم میں کمرے میں ٹہلتے رہے تھے..... بے چینی نے گھیر لیا تھا..... اور بینا کی مضبوط گرفت کا احساس جاگ اٹھا تھا..... ایسا کیوں ہوتا تھا۔

وہ اکثر سوچتے تھے۔

اور

اب بھی یہی سوچ رہے تھے۔ دل میں دبے پاؤں کی آہٹیں ہو رہی تھیں۔ بے آواز ہلچل مچی تھی..... بے قراری کو کسی طور قرار نہیں آ رہا تھا۔

لیکن

بینا سے ہمدردی کی بجائے انہیں حسب عادت اس پر غصہ آنے لگا۔ پتھروں کی مورتی جس میں زندگی کی حرارت کی رمق تک نہیں..... جو برف کا تودہ۔

سوچیں ایک دم ٹوٹ گئیں..... سامنے سے آنے والی دو بسوں سے بچنے کے لیے اسد نے اسٹیئرنگ وہیل کو برق کی سی تیزی سے گھمایا..... برابر برابر آنے والی تیز رفتار بسوں نے اک طوفانی صورت میں انہیں پاس کیا۔

لیکن ان کی گاڑی کو کیا ہوا..... اسد کو کچھ پتہ نہ چل سکا۔ گاڑی نے پلٹا کھایا اور سڑک کے کنارے لگے بجلی کے کھمبوں میں گھس گئی۔

اور

جب تک لوگ جائے حادثہ پر پہنچے بیہوش اسد سر کی چوٹوں سے ڈھیر سارا خون بہہ جانے کی وجہ سے موت کی دہلیز تک پہنچ چکے تھے۔ ونڈ و گلاس کی کرچیاں ان کے چہرے اور بدن میں چبھی تھیں۔ وہیل کندھے کے اوپر بڑا سا زخم بنا گیا تھا۔ بازو کی ہڈی دو جگہ سے ٹوٹ چکی تھی..... اور پاؤں کے دائیں ٹخنے پر سوجن بتا رہی تھی کہ یہاں بھی خاصی ضرب آئی تھی۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ مینا دادی ماں کو چائے پلا رہی تھی۔
موی نے فون اٹھایا۔
''ہیلو۔''
''میں سلطان بول رہا ہوں بیگم صاحبہ ہیں.....''
''مینا بی بی۔'' موی نے مینا کو بلایا..... اور فون اس کے حوالے کرتے ہوئے
چائے کی پیالی اٹھا کر دادی ماں کی طرف گئی۔
''ہیلو کون؟'' مینا نے پوچھا۔
''جی میں سلطان بول رہا ہوں..... ایک بری خبر ہے۔''
مینا بے طرح گھبرا گئی۔ ''آپ لیٹنر ل کے سیکشن۔''
''جی جی۔'' اس نے مینا کی بات پوری کرتے ہوئے عجلت سے کہا۔ ''اصغر
صاحب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔''
''کیا.....؟؟'' چیخ نما آواز مینا کے حلق سے نکلی اور فون ہاتھ میں کانپ گیا۔
''گاڑی الٹ گئی ہے۔ وہ شدید زخمی ہوئے ہیں۔ میں اتفاق سے ادھر سے گزر
رہا تھا..... ہسپتال سے بول رہا ہوں..... آپ لوگ جلدی پہنچئے۔''
''دا..... دی..... ما..... ں۔'' مینا کے منہ سے ڈوبتی ہوئی چیخ نکلی..... رنگ فق ہو
گیا۔ ہونٹ سپید پڑ گئے..... وجود کانپنے لگا..... دادی ماں بستر میں تڑپ کر اٹھ بیٹھیں۔
موی نے پیالی میز پر تقریباً پٹختے ہوئے اس کو پکارا ''مینا بی بی..... کیا ہوا؟''

تیزی سے لپک کر اس نے مینا کو تھام لیا..... وہ لہرا رہی تھی۔

''کیا ہوا؟'' دادی ماں کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔

''پتہ نہیں بیگم صاحبہ۔'' مومی نے مینا کو آہستگی سے قالین پر بٹھا دیا۔

بیگم نفیسہ کمال بستر سے اٹھیں اور تانگ کو گھسیٹتے مینا تک پہنچیں۔ ان کا دل ڈوب رہا تھا۔ مینا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پھولے سانسوں میں بولیں۔ ''کس کا فون تھا۔ کیا ہوا؟''

''ایکسیڈنٹ..... دادی ماں..... ایکسیڈنٹ۔'' مینا کے منہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر الفاظ نکلے۔

''کس کا؟'' مینا کو جھنجھوڑ کر مومی اور دادی ماں نے بیک وقت پوچھا۔

''اسد کا..... دادی ماں..... وہ ہسپتال میں ہیں..... شدید زخمی ہوئے ہیں..... خدا جانے۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر چیخی۔

دادی ماں نے کلیجہ دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔ چند لمحوں کے لیے تو جیسے انہیں سکتہ ہو گیا۔

مومی باہر دوڑی۔

ایکسیڈنٹ کی خبر حویلی میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔

پھر

آدھ گھنٹے کے اندر اندر ہسپتال کے برآمدے میں ڈھیروں لوگ جمع ہو گئے۔ ایمرجنسی وارڈ کے باہر بھی لوگ کھڑے تھے۔ رشتہ داروں میں سے جس کو بھی اطلاع ملی۔ دوڑا چلا آیا..... مختلف اطراف سے گاڑیاں آ آ کر رک رہی تھیں..... ادھر گھبرائے گھبرائے لوگ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔ باتیں کر رہے تھے۔

''ایکسیڈنٹ کیسے ہوا؟''

''اسد کی حالت کیسی ہے؟''

''یا خدا ان کو اپنی حفظ و امان میں رکھنا۔''

''بیگم نفیسہ کمال کو خدا مزید صدموں سے بچائے۔''

لوگ سرگوشیوں میں باتیں اور دعائیں کر رہے تھے۔ نوکر چاکر سرنگوں کھڑے

تھے۔ معمر نوکر جنہوں نے اسد کو گودوں کھلایا تھا اور جنہوں نے نفیسہ بیگم کے دو بیٹوں اور بہوؤں کی طیارے کی حادثاتی موت کا صدمہ اٹھایا تھا' کندھوں پر رکھے رومالوں سے بار بار آنکھیں پونچھ رہے تھے۔

بینا اور دادی ماں برآمدے میں تھیں' دادی ماں کو بیچارہ کا گیا تھا۔ فاروقی اور اجمل تھوڑی دیر بعد آ کر کہتے۔ ''آپ گھر چلی جائیں..... خدا خیر کرے گا۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔''

بانو' رابعہ اور شازی بھی ان کو مختلف آوازوں میں تسلی دینے کی کوشش کرتے ہوئے گھر جانے پر آمادہ کر رہی تھیں۔

لیکن

وہ تو جیسے کچھ سن ہی نہ رہی تھیں..... بالکل سن ہو گئی تھیں۔ نازک سا وجود مسلسل کانپ رہا تھا اور پتھر کے ٹھنڈے بنچ پر بیٹھی وہ مسلسل آپریشن تھیٹر کے دودھیا شیشوں کو تک رہی تھیں جن میں سے اندر کوئی کوئی شے نظر نہ آنے کے باوجود نہیں ہر شے دکھائی دے رہی تھی..... وہ اسد کو لہولہان آپریشن تھیٹر کی ٹیبل پر بے حس و حرکت پڑا چشم تصور سے تک رہی تھیں۔

کچھ

یہی حال بینا کا تھا۔ خوف و ہراس اس کے اندر پھیل گیا تھا۔ کسی آنے والے بے رحم لمحے سے اس طرح خوفزدہ تھی..... کہ جسم بالکل بے جان ہو گیا تھا..... آنکھیں چوپٹ تھیں..... اور آپریشن تھیٹر کے شیشوں اور بند دروازے سے ٹکرا ٹکرا کر زخمی ہو رہی تھیں۔

اسے تو اس وقت دعا کا بھی ہوش نہ تھا..... گنگ سی یخ بستہ دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔

اندھیرا ہو گیا تھا۔ برآمدہ بھر گیا تھا۔ تھیٹر کے عقبی حصے میں سامنے والے لان میں..... چھریلی پٹیوں پر..... لمبی ٹھنڈی میزوں پر لوگ بیٹھے تھے اور کھڑے تھے۔

سانس اٹکے ہوئے تھے۔ چپ بڑی جاندار تھی۔ سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔ یوں جیسے چپ کو بھی چپ لگ گئی ہو۔

ایک

دو

تین

اور

پھر

یوں ہی سات گھنٹے گزر گئے۔ رات گہری ہوگئی۔ سردیوں کے ٹھٹھرے سیاہ آسمان پر چاند ستارے چمک رہے تھے۔ درختوں پر چاندنی کے سائے اتر آئے تھے۔ سردی کا زور بڑھ گیا تھا۔

لیکن

وقت، جگہ اور موسم سے سبھی بے نیاز سے تھے۔ کسی کو چائے کی ایک پیالی حلق میں انڈیل لینے کا خیال تک نہ آیا تھا۔ بھوک کے پیٹ سردی کو کچھ زیادہ ہی محسوس کر رہے تھے۔

لیکن واقعہ ایسا ہولناک اور الم ناک تھا کہ کوئی بھی کچھ کھانے پینے کی غرض سے ادھر ادھر نہ ہوا۔

خاندان کے چیدہ چیدہ بزرگ اور جوان لڑکے ادھر ادھر سے اسد کی حالت کا پتہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ کوئی نرس یا ڈاکٹر نظر آتا تو وہ لپک کر جاتے۔

"خدا کے لیے اندر سے اتنا پتہ کر دیجیے۔ کیا اسد بچ جائیں گے۔" وہ منت کرتے۔

لیکن

کوئی بھی انہیں صحیح صورتحال سے مطلع نہیں کر رہا تھا۔ ڈاکٹر اور نرسیں اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی میں لگے ہوئے تھے۔

پھر

ایسے واقعات تو ہسپتال میں روز ہی ہوتے تھے۔ ایکسیڈنٹ تو روز کا معمول ہی بن گیا تھا..... ڈاکٹروں کی کوشش زخمیوں کو طبی امداد دے کر بچانے کی ہوتی تھی۔ انہیں یہ سروکار کہاں ہوتا تھا کہ کون کیا ہے؟ اور اس کی زندگی کی اہمیت کس کس کے لیے کتنی ہے۔ نرسیں اور نرسنگ اردلی لوگوں کے اس بے تاب ہجوم کو دیکھ کر ہراساں تھے۔ کئی

دفعہ انہوں نے آ کر لوگوں کو ہسپتال سے باہر چلے جانے کا کہا۔ اتنے ڈھیر سارے لوگ دوسرے مریضوں کے لیے تکلیف کا باعث بن سکتے تھے۔

لیکن ایسی بات نہیں تھی۔ ان ڈھیر سارے لوگوں کے سروں پر تو موت سایہ فگن تھی۔ اتنا سکوت اور ایسا سناٹا تھا کہ پتہ ہی نہ چلتا تھا کہ اتنے لوگ یہاں جمع ہیں۔

ہاں کبھی کبھی سرد آہیں، دعائیہ فقرے اور سسکتی آوازیں سکوت کو درہم برہم کر دیتی تھیں۔

تقریباً ساڑھے سات گھنٹے آپریشن تھیٹر میں موت و حیات کی کشمکش میں بیت گئے..... سرجن و ڈاکٹرز بڑی تندہی سے مصروف تھے۔

رات کے تقریباً دو بجے ڈرائی پر سرجن آپریشن تھیٹر سے باہر نکلا۔

اسد پٹیوں میں جکڑے ہوئے بے ہوش پڑے تھے۔ عزیزوں، رفیقوں اور گھر والوں کو صرف دور سے دیکھنے کی اجازت ملی۔

مینا تو غش کر گئی۔ دادی ماں سرتاپا بیٹے میں سما گئیں..... فاروق نے انہیں ہاتھوں پر اٹھا کر برابر والے کمرے کے ایک خالی بیڈ پر لٹا دیا..... اجمل ڈاکٹر کی طرف دوڑے۔

موت کا سناٹا کچھ لمحوں کے لیے ٹوٹ گیا۔

اسد کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ ہی خالی مل سکا..... دو دن میں بڑے کمرے خالی ہونے والے تھے۔

کمرے میں پہنچا کر اسد کو بستر پر ڈالا گیا..... وہ بے ہوش تھے، سانس ٹھیک سے نہیں لے پا رہے تھے..... آکسیجن لگا دی گئی تھی۔ نرس ان کی نبض پر انگلیاں رکھے حیران و پریشان سی نظر آ رہی تھی۔

کمرے کے باہر خطرناک حالت کی گنتی لگا دی گئی..... بمشکل ہسپتال کا عملہ اسد کے لواحقین کو لوٹا پایا۔

فاروق، اجمل اور خاور ہسپتال میں ٹھہر گئے..... باقی سب کو انہوں نے گھر بھیج دیا..... دادی ماں نیم بے ہوشی کے عالم میں گھر لائی گئیں..... اور مینا کو بھی سہارا دے کر گاڑی میں بٹھایا گیا۔

فاروق نے پل پل کی خبر گھر دینے کا بندوبست کر لیا..... فون پر دو منٹ منٹ کی

اطلاع گھر دے سکتے تھے۔

رات کسی نے کراچی میں اطلاع کر دی تھی..... صبح کی پہلی فلائٹ سے شائستہ آصف اور جینی بھی آ گئے۔

لال حویلی کے در و دیوار لرز گئے..... رونے دھونے سے فضا تھرا گئی۔ حادثے کے حوالے سے برسوں پہلے فضائی حادثے میں ہلاک ہونے والوں کی یاد تازہ ہو گئی۔

جینی' شائستہ اور آصف ناشتہ کیے بغیر ہی ہسپتال پہنچے..... بینا اور دادی ماں کی تو جیسے طاقت ہی کسی نے سلب کر لی تھی۔ بستر سے اٹھنا محال تھا۔

جینی نے کھڑکی کے بند شیشوں سے اسد کو دیکھا۔ اسے چکر سا آ گیا۔ ماں کے گلے لگ کر وہ بے تابی سے رو دی۔

○☆○

تین دن اور تین راتیں قیامت کا سماں پیدا کرتے گزر گئیں۔ اسد ہوش میں نہیں آ رہے تھے..... سر میں شدید چوٹیں آئی تھیں۔ خون بہت زیادہ بہہ گیا تھا..... کسی وقت تو حالت اتنی مخدوش ہو جاتی کہ بس چند سانسوں کا فاصلہ موت و حیات کے درمیان رہ جاتا۔

دادی ماں تو بستر سے لگ گئی تھیں..... انھیں تو دل ڈوبنے لگتا..... معالج ان کے سرہانے ہی بیٹھا رہتا۔

جینی اور بینا دونوں کی حالت غیر تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ کر روتی تھیں۔ کبھی جینی کو بینا حوصلہ دیتی اور کبھی بینا کو جینی..... دونوں کا درد جیسے مشترک تھا۔

چوتھے دن اسد کی طبیعت قدرے سنبھلی خطرہ ٹل گیا تھا..... نبض اور سانس معمول پر آ گئے تھے..... کسی وقت خون کا دباؤ بڑھ جاتا..... تو ڈاکٹر کمرے میں اکٹھے ہو جاتے۔

لیکن ہوش انہیں ابھی تک نہیں آیا تھا۔

ڈاکٹر نے شائستہ اور آصف کو خطرے سے نکل جانے پر مبارکباد دی تھی۔

"خدایا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" روتی آنکھوں سے شائستہ نے آسمان کی طرف دیکھا۔

جینی کی آنکھیں بھی بھر آئیں..... اور بینا خوشی سے جیسے پاگل ہو اٹھی..... وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔ جینی نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

شائستہ دونوں کو تسلی دیتے ہوئے بولیں۔ "اللہ تعالیٰ نے اتنا رحم کیا ہے۔ آگے بھی اپنا فضل کرے گا۔ مایوسی کی بات نہیں رہی..... اسد بچ جائیں گے۔"

جینی آنسو پونچھنے لگی۔

بینا کے صبر و ضبط کے بند ہی ٹوٹ گئے۔

اسد کو اب نسبتاً بڑے کمرے میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ کسی کسی وقت اب بھی سانس ٹھیک نہ آتی تو آکسیجن ماسک دے دیا جاتا..... جان کا خطرہ تو شاید ٹل گیا تھا لیکن ڈاکٹر متفکر تھے۔ اسد ہاتھ ہلاتے تھے نہ پاؤں چت پڑے تھے..... سر کے پچھلے حصے میں چوٹیں آئی تھیں۔ خدشہ تھا کہ سارا جسم کہیں مفلوج نہ ہو جائے..... نروس سسٹم متاثر ہونے کا امکان تھا۔

اب گھر کے دو افراد کو کمرے میں رہنے کی اجازت مل گئی تھی۔ دن اور رات کی ڈیوٹیاں خاندان کے نوجوانوں نے سنبھال لی تھیں..... ایک رات شائستہ وہاں ٹھہری۔ دن کو بینا رہی..... جینی بھی دن کا کافی وقت وہاں گزارنے لگی۔

ساتویں دن اسد نے سر کو ہلکی سی جنبش دی اور ان کے منہ سے سسکی نما آواز نکلی..... بینا کمرے ہی میں تھی..... وہ ٹکٹکی باندھے اسد کو دیکھے جا رہی تھی۔ گردن کی خفیف سی حرکت بھی محسوس کر لی۔ بھاگ کر قریب آئی۔

''اسد۔'' اس نے بے اختیارانہ ان پر جھک کر پکارا۔

ان کے ہونٹ تھرتھرائے..... پلکیں لرزیں..... پھر وہ چپ ہو گئے۔

بینا دوڑتی ہوئی باہر گئی..... جہاں خاندان کے چند لوگ احوال پرسی کو آئے تھے اور شائستہ سے انہی کی باتیں کر رہے تھے۔

سب بینا کی اطلاع پر بے تابی سے اندر دوڑے..... منان اور فاروق ڈاکٹر کو بلانے لپکے۔

ڈاکٹر تیز تیز قدم اٹھاتے آ گئے..... نرسیں بھی جمع ہو گئیں..... فالتو لوگوں کو کمرے سے چلے جانے کا کہا گیا۔

کئی گھنٹے ایسا ہی ہوتا رہا۔

اسد کے لب ہلتے..... کبھی کبھی ہاتھ چند انچ اوپر اٹھتا..... کبھی پاؤں کی انگلیاں ہلتیں..... آنکھیں جھپکتے..... بیچ بیچ میں گھنٹوں سکوت طاری رہتا۔

یہ ان کے ہوش میں آنے کی علامت تھی۔

ڈاکٹر گھر والوں کو مبارکباد دے رہے تھے۔

بینا کے شانے پر ڈاکٹر منہاس نے تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ "ہوش میں آ جائیں گے بی بی..... آپ کی حالت دیکھ کر تو خدشہ ہے کہ آپ بھی بیمار نہ پڑ جائیں۔"

بینا نے اک گہری سانس لے کر آہستگی سے کہا۔ "کاش ڈاکٹر یہ ممکن ہوتا..... کہ ان کی جگہ میں۔"

"اوہ..... ہمت کرو بی بی۔ خدا سے دعا کرو..... بہت بڑا خطرہ ٹل گیا ہے..... ہاتھ پاؤں ہلانے لگے ہیں..... ہمیں تو تشویش تھی..... کہیں جسم ہی مفلوج نہ ہو جائے۔"

بینا نے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔

ڈاکٹر سیف اور منہاس چند لمحے کھڑے رہے۔ پھر نرس کو ضروری ہدایات دیں۔

"ہمیں فوراً مطلع کرنا۔" دونوں جاتے ہوئے بولے۔

"یس سر۔" نرس بولی۔

بینا اور شائستہ بیڈ کے دونوں طرف کھڑی ہو کر اسد کو تکنے لگیں..... فاروق گھر فون کرنے چلے گئے۔

رات یوں ہی گزر گئی..... اس رات بینا، شائستہ اور فاروق تینوں ہسپتال میں رہے۔ تینوں میں سے کوئی بھی لمحہ بھر کو سو نہ سکا۔ انگوٹھا آنکھ پر رکھ کر اس کی پشت پر سر ٹکا لیا۔

بینا نے تو اس رات خدا جانے کتنے نوافل پڑھ ڈالے اور کیا کیا پڑھ کر اسد پر پھونکتی رہی..... اور کتنی کتنی دیر سجدے میں گڑگڑا گڑگڑا کر خدا سے کیا کیا دعائیں مانگتی رہی..... یہ وہی جانتی تھی۔

دن طلوع ہوا۔ ہوش میں آنے کے آثار بڑھتے پھیلتے جا رہے تھے۔ ڈاکٹرز آتے ان کے چہروں پر امید کے سورج طلوع ہو رہے تھے۔ وہ اسد کی ہر طرح سے دیکھ بھال کر رہے تھے..... ان کا خیال تھا..... کہ آج کسی وقت بھی وہ پوری طرح ہوش میں آ جائیں گے۔ انجکشن دیئے جا رہے تھے۔

دس بج چکے تھے۔ دن پوری طرح روشن ہو چکا تھا۔ شائستہ اور بینا ناشتے کے بعد کپڑے بدل کر کمرے میں آ گئیں۔ رحمت ناشتے کے خالی برتن لے کر گھر جا چکا تھا..... فاروق

بھی چلے گئے تھے..... اب سہاو اور ناصر آ گئے تھے۔

"ہائے۔" ایک زوردار آواز اسد کے لبوں سے نکلی۔

"آنٹی۔" بینا نے گھبراہٹ اور تجسس میں شائستہ کو پکارا۔ وہ کھڑکی میں کھڑی باہر گراؤنڈ میں آؤٹ ڈور چیئرس کی بھیڑ کو دیکھ رہی تھیں۔

"کیوں۔" وہ پلٹیں۔

"ہائے..... ما..... ں....." اسد کے لبوں سے پھر نکلا۔

"اسد..... اسد بیٹے۔" شائستہ ان پر جھکتے ہوئے بڑے پیار سے بولیں۔

"میں..... میں۔" اسد بڑبڑائے۔

"میرے بچے۔" شائستہ نے ان کے چہرے کو ہاتھوں میں تھام لیا۔ بینا بیڈ سے ذرا پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی..... اس کا دل زوروں سے دھڑک رہا تھا..... اسد ہوش میں آ رہے تھے..... بے پناہ خوشیوں کی یلغار بھی تھی..... لیکن یہ بھی دھڑکا تھا..... کہ ہوش میں آنے کے بعد شاید اسد اسے اپنے قریب دیکھنا پسند نہ کریں۔

"کاش جینی گھر نہ گئی ہوتی۔" بینا نے بے چارگی سے سوچا۔

ویسے وہ اب آنے ہی والی تھی۔ دن گیارہ بجے تک وہ آ جایا کرتی تھی..... اور شام پانچ بجے تک یہیں رہتی تھی..... کبھی کبھی وہ دوپہر کو بھی گھر چکر لگا آتی۔

بینا تو جب سے حادثہ ہوا تھا ہاسپٹل میں تھی۔ چند گھڑیوں کے لیے گھر جاتی۔ وہ بھی اس لیے کہ دادی ماں بھی پوری طرح بستر سے لگ گئی تھیں..... صالحہ اور رابعہ مستقل ان کے پاس آ گئی تھیں۔ بیٹے کی یہ بھانجیاں نفیسہ کمال کی پوری طرح دیکھ بھال کر رہی تھیں۔

شائستہ اسد کو پیار سے بار بار پکار رہی تھیں۔ لمحہ لمحہ تھم تھم کر گزر رہا تھا۔ وقت کو جیسے غنودگی آ گئی تھی..... گھڑیاں سرکنے کا نام ہی نہ لیتی تھیں۔

بمشکل شائستہ اسد سے جواب حاصل کر پائی۔ "میں تمہاری آنٹی ہوں اسد شائستہ آنٹی..... آنکھیں کھولو..... مجھے دیکھو..... تم اب بالکل ٹھیک ہو..... پہچان رہے ہو نا مجھے۔"

"ہوں۔" اسد نے بہ وقت جواب دیا۔

پھر بہت سارا وقت گزر گیا۔ نرس ڈاکٹر کو بلا لائی..... ڈاکٹر منہاس ڈیوٹی پر تھے۔

وہ اسد کو ہوش کی دنیا سے مانوس کرنے لگے۔

''مجھے..... کیا..... ہوا ہے۔'' اسد گھنٹہ بھر کی کوشش اور جدوجہد کے بعد بولے۔

''آنکھیں کھولیے..... آپ دیکھئے..... سب کو پہچانیے۔'' ڈاکٹر نے ان کے چہرے پر آئی چند خراشوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اسد آنکھیں کھولے ہوئے تھے۔

''بتی جلائیے..... اندھیرے..... میں کچھ نظر نہیں آتا۔'' اسد نے کہا تو جیسے سب کے دل تھم گئے۔

''مسٹر اسد۔'' ڈاکٹر نے بھی گھبرا کر کہا۔ ''آپ دیکھئے..... آنکھیں۔''

''روشنی کیجئے۔''

''اوہ۔''

ڈاکٹر نے اسد کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا..... ادھر ادھر ہلایا۔ ''کیا آپ روشنی نہیں دیکھ سکتے۔''

''نہیں۔''

ڈاکٹر کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی..... شائستہ کی چیخ گلے میں گھٹ گئی، وہ گرنے کو تھی..... کہ نرس نے کرسی میں بٹھا دیا۔

''کیا ہوا؟'' مینا جلدی سے ان کے قریب آ گئی۔

آواز سن کر اسد بولے۔ ''مینی۔''

مینا نے پھیلی پھیلی آنکھوں سے اسد کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھیں کھلی تھیں..... اور وہ مینی..... مینی..... کہہ رہے تھے۔

''آہ..... میرے بچے۔'' شائستہ کے لبوں سے نکلا۔

''کیوں ڈاکٹر؟'' مینا نے گھبرا کر منہاس کی طرف دیکھا۔

ڈاکٹر نرس سے کوئی بات کہہ رہے تھے..... ان کے چہرے پر مایوسی تھی۔

اسد پھر بولے۔ ''اندھیرا کیوں کر رکھا ہے..... میں کہاں ہوں..... میرا جسم..... کیوں جکڑا ہوا ہے۔''

ڈاکٹر نے بڑے تحمل سے انہیں حادثے کے متعلق بتایا۔

''اوہ..... ہاں۔'' اسد بڑبڑائے۔

مینا کو جیسے سکتہ ہو گیا۔ ''کیا..... کیا..... آنٹی۔'' وہ شائستہ کی گود میں سر رکھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گئی..... اسد بار بار روشنی گرنے کا کہہ رہے تھے۔

ڈاکٹر آہستگی سے بولا۔ ''شاید اسد اپنی بصارت کھو چکے ہیں۔'' نرس بولی تو اس کے ساتھ ہسپتال کے آئی سپیشلسٹ ڈاکٹر تھے۔

وہ اسد پر جھک گئے..... نرس نے ٹرے میں آنکھوں کے معائنے کے لیے کچھ آلات اٹھا رکھے تھے۔

معائنے کے بعد انہوں نے مایوسی میں سر ہلایا۔ ''بینائی جا چکی ہے۔''

''اوہ خداوند۔'' مینا کی چیخیں نکلنے کو تھیں اور شائستہ بھی کرسی کی پشت پر رکھا سر ادھر ادھر پٹخ رہی تھی۔

حادثے کا الیہ جیسے اب وارد ہوا تھا..... اسد بے اختیار رائفل چلا رہے تھے۔

ڈاکٹر نے جلدی سے انہیں انجکشن لگا دیا..... وہ ''میری آنکھیں..... میری آنکھیں'' کرتے کرتے غنودگی میں ڈوب گئے۔

گھر والوں پر قیامت ٹوٹ پڑی..... جب بارہ بجے کے قریب آئی..... یہ خبر سن کر اس پر بھی جیسے بجلی گری۔

''ممی۔'' کہتے ہوئے وہ شائستہ کے گلے میں بانہیں ڈال کر رو دی۔

O☆O

''جینی۔''

''جی۔''

''میں..... میں اب تمہیں نہیں دیکھ سکتا جینی..... میں اپنی عمر نہیں دیکھ سکوں گا۔''

''ایسی باتیں نہ کریں اسد۔ آپ کا آپریشن ہوگا..... تو آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی۔''

''مجھے عجیب سی فیلنگ ہوتی ہے..... تم..... تم سوچ بھی نہیں سکتیں..... کہ یہ تجربہ کتنا بھیانک ہے..... اندھیرا..... گھٹا ٹوپ اندھیرا..... دن..... کی تمیز..... رہی ہے..... نہ رات کی..... مسلسل رات اتری ہوئی ہے۔''

''کوئی اور باتیں کریں اسد۔''

''کیا باتیں کروں..... مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے ہر بات انتظام کو پہنچ گئی ہے۔ میں..... کتنا..... بدقسمت ہوں۔''

''اسد..... یوں گھبرائیں گے..... تو وقت کیسے گزرے گا۔''

''ایک ایک لمحہ گراں ہے جینی۔''

''مایوس نہیں ہونا چاہیے..... ہمت سے حالات کا مقابلہ کیجئے۔''

''ہونہہ۔''

اسد ہنس پڑے۔ یہ ہنسی کسی مدقوق کھوکھلے سینے کی کھڑکھڑاہٹ سے مشابہ تھی۔

جینی کے چہرے پر اداسی پھیل گئی..... اور کھڑکی کے قریب کھڑی مینا کی آنکھیں دھندلا گئیں۔

کئی دن بیت گئے۔ اسد کی حالت کچھ دن تو بے حد متغیر رہی تھی۔ یوں لگتا تھا نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا۔ اتنی بڑی المیہ سچائی کو سہہ جانا آسان تو نہیں تھا..... دنیا اندھیرے کا گولہ بن گئی تھی۔ اندھا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا تھا..... زندگی کی رعنائیاں، حسن اور رونقیں سب اس اندھیرے میں ڈوب گئی تھیں۔

ڈاکٹروں کی کوشش اور عزیز رشتہ داروں، دوستوں اور اپنوں کی تسلیوں سے اب اتنا ہوا تھا کہ اسد اس سچائی اور حقیقت سے قدرے مانوس ہو گئے تھے..... بے بسی ان پر مسلط تھی لیکن اب برداشت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

پھر

بھی

بے حد مایوسی کی باتیں کرتے تھے۔ سننے والوں کے دل پھٹنے لگتے اور آنکھیں بھیگ جاتی تھیں۔

دن کو جینی ان کے پاس رہتی۔ رات انہیں انجکشن دے کر سلا دیا جاتا تھا اور دن چڑھے بیدار ہوتے تھے..... اس لیے جینی رات کو گھر چلی جاتی..... بھابھی کبھی کبھی دن گھر چلی جاتی۔ رات دو تین مرد ہسپتال میں رہا کرتے تھے۔

دن گزر رہے تھے..... چہرے کی خراشیں اب ٹھیک ہو رہی تھیں۔ پاؤں کی سوجن اتر گئی تھی..... بازو پر پلستر چڑھا تھا..... اور سر پر تا حال زخموں کی پٹیاں بندھی تھیں۔ زخم آہستہ آہستہ مندمل ہو رہے تھے۔ ان کی اذیت تو محسوس ہی نہ ہوتی تھی..... اذیت تو صرف اندھا ہونے کی تھی۔

جینی اسد کے بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھی تھی۔ چہرہ اداس تھا اور اداسی سے آواز بھی بوجھل تھی۔

"جینی۔" اسد چپ لیٹے تھے۔ آنکھیں کھلی تھیں۔ روشنی سے محروم کھلی آنکھیں بڑی عجیب لگ رہی تھیں۔

"جی۔"

"ہسپتال میں پڑے کتنے دن ہو گئے ہیں۔"

"آج۔"

"ہاں۔"

"پانچ کو ایکسیڈنٹ ہوا تھا نا۔"

"ہاں۔"

"آج سترہ ہے۔"

"بارہ دن ہو گئے ہیں۔"

"ہاں۔"

"بارہ..... دن..... صرف بارہ دن؟"

"ہاں..... آج بارہواں دن ہے۔"

"اور۔"

"سات دن تو آپ بے ہوش رہے۔"

"اندھا ہونے کا ساتھ پانچ دنوں سے بھی رو پذیر ہے نا۔"

"جی۔"

"لیکن..... لیکن مجھے تو یوں لگتا ہے..... جیسے..... جیسے..... صدیاں بیت گئی ہیں..... اف جینی..... میں باقی زندگی اس حال میں کیسے گزاروں گا۔"

"اسد..... آپ کیوں اتنے مایوس ہیں..... آپریشن کے بعد خدا کرے گا ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"جھوٹی تسلیاں مت دو۔"

"ڈاکٹروں کا یہی خیال ہے۔ جھوٹی تسلیاں نہیں ہیں۔"

"جینی۔"

"ہوں۔"

"سچ سچ بتاؤ۔"

"کیا؟"

"جھوٹ مت بولنا۔"

''نہیں بولوں گی۔''

''ڈاکٹروں کی کیا رائے ہے؟''

''آپ کی آنکھوں کے متعلق۔''

''ہاں۔''

''ڈاکٹر نقی آتے رہتے ہیں۔۔۔آپ خود ان سے پوچھ لیجئے گا۔۔۔تسلی ہو جائے گی۔''

''تمہیں بھی تو پتہ ہے۔''

''ہاں۔''

''کیا کہتے ہیں؟''

''وہ مایوس نہیں ہیں۔۔۔لیکن آپریشن کوئی چھ ماہ بعد ہوگا۔''

''اس سے پہلے کیوں نہیں۔''

''ڈاکٹر نقی یہی کہہ رہے تھے۔۔۔شاید آپ کی چوٹوں اور زخموں کے مندمل ہونے کا انتظار کرنا ہو۔''

مینا نے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ چپ رہی۔۔۔ڈاکٹر نقی نے بتایا تھا کہ چوٹ لگنے سے خون سر کے اندر بھی رستا رہا ہے اور بینائی کا اعصاب بری طرح متاثر ہوا ہے۔جس کا تعلق مینائی سے ہے۔اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اعصاب کے جڑنے کی کوشش کریں گے تو پھر آپا کریں گے۔

وہ سب کچھ جانتی تھی اور جب ڈاکٹروں کا پینل رپورٹ دیکھ رہا تھا۔۔۔تو انہوں نے جو رپورٹ مرتب کی تھی وہ بھی اس نے پڑھی تھی۔۔۔کچھ ٹیکنیکل باتیں اس کی سمجھ میں بلاشبہ نہیں آئی تھیں پھر بھی وہ باتیں سمجھ گئی تھی۔

جینی انہیں یقین دلانے لگی کہ آپریشن کے بعد ان کی بینائی ضرور لوٹ آئے گی۔۔۔اور وہ پھر نارمل زندگی گزارنے کے قابل ہو جائیں گے۔

وہ باتیں کر رہے تھے کہ نرس آ گئی۔

جینی کرسی سے اٹھ کر مینا کے پاس جا کھڑی ہوئی۔۔۔نرس نے پاؤں کی پٹی بدلنا تھی۔۔۔ٹمپریچر لینا اور دوائی کھلانا تھی۔

مینا کھڑکی کے قریب کھڑی تھی۔آؤٹ ڈور ویشنس اب کافی کم ہو گئے تھے۔ایک

بچے کے بعد ان کو نہیں دیکھا جاتا تھا۔ پھر بھی کافی لوگ ابھی باری کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ وہ ان لوگوں پر نظریں جمائے سوچوں میں گم تھی..... جینی اس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے وہ آہستگی سے بولی۔ "کتنی بڑی ہر اسمنٹ ہو گئی ہے۔"

بینا نے اپنی سرخ اور متورم آنکھیں جھکا کر اسے دیکھا۔ اسی آہستگی سے بولی۔

"اسد کی۔"

"ہاں۔"

بینا نے اک دکھتی سانس لی۔ اسد کی طرف دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کا دل یونہی بھر بھر آ رہا تھا۔

"ان کی دیکھ بھال کرنا کتنی مشکل ہو گی۔ میں تو سوچتی ہوں تو دل گھبرانے لگتا ہے۔"

بینا نے پہلی بار جینی کی طرف ملتجی بھری نظروں سے دیکھا۔ "ان کی دیکھ بھال کرنے والے بہت ہیں جینی..... بس دعا کرو ان کی بینائی لوٹ آئے۔"

"کچھ ماہ تک تو آپریشن نہیں ہو سکتا۔"

"ہاں۔"

"اس کے بعد بھی جانے کتنا عرصہ لگے گا؟"

"یہ تو خدا بہتر جانتا ہے۔"

"اک لمبا عرصہ ہے۔" جینی نے گہری سانس لے کر سرگوشی کی۔

"لگتا ہے ابھی سے تھک گئی ہو۔"

"آں..... نہیں۔ تھکنے کی کیا بات ہے۔ میں کونسا سارا دن یہاں ہوتی ہوں۔ ویسے میں حیران ہوں تم پر بینا۔"

"کیوں؟"

"تم علی الصبح آتی ہو اور رات گئے واپس جاتی ہو..... میں تو تمہاری ہمت کی داد دیتی ہوں۔"

"کیوں؟" بینا زہر خند تھی۔

جینی نے کوئی جواب نہ دیا۔ چپ چاپ سوچوں میں ڈوب گئی۔ سسٹر اپنا کام کر چکی تھی۔ ٹرے میں چیزیں رکھ کر وہ کمرے سے نکل گئی۔

جینی اس کے جانے کے بعد پھر اسد کے قریب آ بیٹھی۔

''سسٹر چلی گئیں۔'' اسد نے پوچھا۔

''ہاں۔'' جینی نے جواب دیا۔

''تم کہاں تھیں؟''

''یہیں..... سسٹر کے آنے پر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی تھی۔''

''تمہیں کتنا آزار کتنا دکھ دے رہا ہوں جینی۔'' اسد نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ ان کی آواز گلوگیر تھی۔

جینی نے ان کا ہاتھ تھام لیا..... وہ بھی روہانسی ہو کر بولی۔

''نہیں اسد ایسے نہ سوچا کریں۔''

اسد کی آواز غم سے بیٹھ رہی تھی۔ درد بھرے لہجے میں بولے۔

''بنگلہ تو نہ جاؤ گی۔''

''نہیں..... اسد۔'' جینی کی آنکھوں سے دو آنسو گرے اور ہاتھ میں پکڑے اسد کے ہاتھ کو چھو گئے۔

اسد نے بے تابی سے کہا۔ ''تم روری ہو جینی۔''

پھر انہوں نے ہاتھ اٹھایا جینی کا چہرہ ٹٹولنے کے لیے..... جینی نے اپنا سر ان کے تکیے پر ان کے سر کے قریب رکھ دیا اور مچل مچل کر رونے لگی۔

کھڑکی میں کھڑی مینا کے آنسو بھی بے قرار ہو گئے..... اسد نے اپنی بے نور آنکھیں بند کر لیں اور ان کا دل سینے میں پھڑ پھڑانے لگا۔

O☆O

ایک ماہ اور چار دن بعد اسد ہسپتال سے ڈسچارج لے کر گھر لائے گئے۔ ان کے چہرے کی خراشیں مٹ گئی تھیں۔ کندھے کا زخم بھی مندمل ہو گیا تھا۔ سر کے زخم بھی تقریباً بھر گئے تھے۔ معمولی سی مرہم پٹی ہوئی تھی۔ بائیں بازو پر پلستر چڑھا دیا گیا تھا۔ ہاں پاؤں پر پوری طرح دباؤ نہیں پڑتا تھا۔ ویسے بھی سہارے کے بغیر وہ قدم نہیں چل سکتے تھے۔ چکر آ جاتا اور لہرا کر گرنے لگتے۔ ادھیڑ عمر سسٹر مولیہ کی خدمات حاصل کر لی گئی تھیں..... ایک نرسنگ اردلی بھی ماہانہ اجرت پر رکھ لیا گیا تھا۔ ویسے دیکھ بھال کرنے والوں کی کیا کمی تھی۔ گھر میں اتنے نوکر چاکر تھے..... کہ دن رات نگہبانی کا فرض بڑی خوش اسلوبی سے ادا کر سکتے تھے۔

گھر آئے تو ان کے صدقے اتارے گئے خیرات ہی۔ غربا کو کھانا کھلایا گیا۔ مساجد میں یتیم خانوں میں دیگیں بھجوائی گئیں..... دادی ماں بوڑھا بستر پر پڑ گئی تھی۔ یہ سب کچھ بستر پر پڑے پڑے ہی کرواتی رہیں۔

اسد کے کمرے کی ترتیب بدل گئی..... وہ بے حد لاڈلے ہو گئے تھے..... کمزوری بھی بہت تھی۔ سہولت کے لیے وہیل چیئر بھی منگوالی گئی تھی۔

وہ اک بڑے حادثے سے زندہ و سلامت بچ کر گھر آئے تھے لیکن جس حال میں آئے تھے..... وہ بڑا دلگداز تھا..... کھلی کھلی خوبصورت آنکھیں بے نور تھیں..... جس نے بھی دیکھا رو رو کر برا حال کر لیا۔

بینا سارا دن مصروف رہی۔ صدقے اور نذرانے خیرات وہی دے رہی تھی..... دادی ماں جیسے بتاتیں وہ کر رہی تھی۔

جینی نے وہ دن اسد کے ساتھ ان کے کمرے میں گزارا۔ انہیں دیکھنے آنے والوں کا بھی تانتا بندھا تھا..... سسٹر مولینہ سختی نہ کرتی تو خویش واقارب اسد کو بے طرح تھکا دیتے۔ اس نے نظم وضبط برقرار رکھا..... اپنی نگرانی میں احوال پرسی کرنے والوں کو کمرے میں لے جاتی..... چند لمحے کی مہلت دیتی۔

''پلیز اب آپ تشریف لے جائیے۔'' وہ ملاقاتیوں سے کہتی..... دوپہر ایک سے تین بجے تک اسد سوتے رہے۔ مولینہ نے اس دوران کسی کو ان کے کمرے میں جانے کی اجازت نہ دی۔ بڑی سی شیشے کے پٹ والی کھڑکی کے پردے ہٹا دیئے اور بولی۔ ''یہاں سے انہیں ایک نظر دیکھ لیں۔''

کچھ لوگوں نے برا بھی منایا۔

لیکن

مولینہ کے ذمہ اسد کی خدمت وتیمارداری تھی۔ وہ اپنے اصولوں پر کاربند تھی۔

کمرے میں ان کے پاس بیک وقت صرف دو افراد ٹھہرنے دیتی۔ ایک تو جینی تھی۔ دوسرے فاروق۔

شام بینا فارغ ہوئی تو اسد کو دیکھنے آئی..... لوگ جا چکے تھے۔ کچھ دادی ماں کے کمرے میں تھے۔ آج شائستہ اور آصف بھی واپس چلے گئے تھے۔ سارے کام نپٹا کر وہ ادھر آئی۔

فاروق بھی چار گھنٹے کی ڈیوٹی کے بعد چلے گئے تھے۔ کمرے میں صرف جینی تھی۔ نرسنگ اردلی اور سسٹر مولینہ باکنی میں کرسیاں ڈالے بیٹھے تھے۔

بینا کمرے میں داخل ہوئی۔

جینی بیڈ کی پٹی پر بیٹھی تھی اور اس کا ہاتھ اسد کے ہاتھ میں تھا۔ وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔

بینا جھجک گئی۔ اس نے واپس جانے کا قدم اٹھایا۔

''آ جاؤ..... آ جاؤ۔'' جینی بولی۔

''کون ہے؟'' اسد نے پوچھا۔

"بینا۔" جینی بولی۔

اسد چپ ہو گئے..... جینی نے پھر بینا کو بلایا۔ "آ جاؤ نا..... آج تو سارا دن تم آئی نہیں۔"

"ہم اچھے بھلے تھے تو ہمارے پاس نہیں آئی تھیں وہ..... اب تو اندھے ہو گئے ہیں۔" اسد نے تیز کٹاری جیسے لہجے میں کہا..... بینا کے دل کو دھچکا سا لگا..... اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔

جینی جلدی سے بولی۔ "یہ نہ کہیں اسد..... بینا نے ہسپتال میں آپ کے لیے دن رات ایک کر دیا تھا۔"

"کیا؟"

"ہاں اسد۔"

"وہاں تو سارا وقت تم میرے پاس تھیں۔"

"بینا بھی وہی ہوتی تھی۔"

اسد چپ ہو گئے۔

"میں تو اکثر گھر آ جاتی تھی..... بچوں سے ملنے [illegible] لیکن بینا تھی۔" جینی قدرے رک کر بولی۔

"بہت شکریہ۔" کئی لمحوں کے سکوت کے بعد اسد نے [illegible]

بینا دروازے کے قریب ہی کھڑی رہی۔

"آج صبح سے وہ تمہارے لیے ہی تو سب کچھ کر رہی ہے۔" جینی نے آہستگی سے کہا۔ "بھئی میں اس لڑکی کی ہمت کی داد دیتی ہوں۔ بڑا حوصلہ ہے اس کا۔"

"چلی گئی۔" اسد نے بھی آہستگی سے پوچھا۔

"نہیں..... کھڑی ہے دروازے میں۔" اس نے بھی اسی آہستگی سے کہا۔

"بلا لو نا اندر۔"

"تم خود بلاؤ..... وہ تمہاری بات سے کچھ دلبرداشتہ ہو گئی ہے۔"

"سوری۔"

''بینا آ جاؤ نا۔'' جینی نے بینا سے کہا جو کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ وہ خود بھی بیڈ کی پٹی سے اٹھ گئی۔

بینا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی اندر آ گئی..... بیڈ کی پائنتی کی طرف کھڑے ہو کر اس نے نرم آواز میں پوچھا۔ ''دن ٹھیک ٹھاک گزرا؟''

''ہاں۔'' جینی بولی۔

''دوائی وغیرہ۔''

''مولینہ بڑی مستعد نرس ہے۔''

بینا چند لمحے چپ رہی۔

''بینا۔'' اسد نے اسے پکارا۔

اس پکارنے اس کے اندر پکار پیدا کر دی۔ جانے کیوں دل بھر آیا۔ گلوگیر آواز میں صرف جی کہہ سکی۔

''تمہارا بہت بہت شکریہ۔'' اسد بولے۔

''کس بات کا؟'' بینا نے کہا۔

تو اسد جلدی سے بولے۔ ''جینی تم سے بولو۔ میں بینا سے یہ بات کہہ رہا ہوں۔''

جینی مسکرا کر بولی۔ ''اب بینا سے اتنا بے..... میں تو چپ بیٹھی ہوں۔''

''کیا واقعی بینا؟''

''جی۔''

''تم دونوں کی آواز پہلے تو اتنی ملتی تھی۔''

''ملتی تھی..... اب آپ نے صرف سننے کے حواس کام کر رہے ہیں نا اس لیے۔''

جینی بولی۔ ''بینا ہمارے ہاں آئی تھی تو میرے ملنے والے حیران ہو گئے تھے..... اس کی اور میری آواز پر۔''

''ہوں..... بہر حال بہت بہت شکریہ بینا۔''

''شاید اس تکلف کی ضرورت نہیں۔''

''میں پھر نہیں جان پایا کہ جواب کس نے دیا ہے۔''

"بینا نے بینا نے۔" جینی ہنس کر بولی۔

"کیوں بینا؟"

"جی۔"

"لو بھئی میں پرے کھڑکی کے قریب چلی جاتی ہوں۔ تم باتیں کرلو دھوکہ نہ ہوگا۔"

جینی ہنس پڑی۔

لیکن

اسد بے طرح اداس ہو گئے تھے۔ یہی حال بینا کا بھی تھا۔

"میں اتنا بے بس و لاچار ہو گیا ہوں۔" اسد بڑبڑائے..... ان کی کھلی کھلی آنکھیں ادھر ادھر گردش کر رہی تھیں لیکن بے نوری کی علامت بڑی واضح تھی۔ بینا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"آپ حوصلہ نہ ہاریئے..... انشاء اللہ آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔" بینا دکھ بھرے لہجے میں بولی۔

"یہ سب طفل تسلیاں ہیں۔" وہ جھلا کر اونچی آواز میں بولے۔

جینی لپک کر آئی..... اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے ان پر جھک کر بولی۔ "کیا ہوا اسد؟"

"تم۔" اسد نے اس کے ہاتھ پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔

"میں جینی ہوں۔" جینی بولی۔ "تم اتنی اونچی آواز میں بولے..... میں گھبرا گئی۔"

"میں بہت پریشان ہو جاتا ہوں جینی..... اس مسلسل اور گھمبیر اندھیرے سے میں زیادہ نہیں لڑ پاؤں گا۔ میرا دل پھٹنے لگتا ہے۔"

بینا کے ہونٹوں پر سسکیاں تڑپنے لگیں۔

"مت روؤ جینی۔" اسد نے کہا۔

"میں تو نہیں رو رہی۔" جینی جلدی سے بولی۔

بینا اپنی سسکیوں پر قابو نہ پا سکی۔ وہ جلدی سے کمرے سے نکل گئی۔

"بینا رو رہی ہے۔" اسد نے پوچھا۔

"ہاں۔"

اسد چپ ہو گئے۔

جینی نے کہا۔ "وہ چلی گئی ہے۔"

"ہوں۔" اسد نے صرف اسی قدر کہا۔

جینی ان کا دل بہلانے کو بولی۔ "اسد کوئی گانا سنو گے۔"

"کیا؟"

"ٹیپ پر کوئی خوبصورت آواز۔"

"نہیں..... جینی..... میں کیا کروں..... مجھے لگتا ہے۔ یہ اندھیرے مجھے نگل جائیں گے۔ میں..... میں ان سے نباہ نہیں کر سکوں گا۔ مجھے وحشت ہوتی ہے۔ میرا دل سینے میں پھٹنے لگتا ہے۔"

"اسد..... پلیز نارمل ہونے کی کوشش کریں۔ نیگیٹو تھنکس کریں۔ اس طرح تو وقت نہیں گزر سکے گا۔"

اسد کی آنکھوں کے گوشے گیلے ہو گئے..... انہوں نے بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

○☆○

بینا تازہ پھول توڑ کر لائی..... اور اسد کے کمرے میں گلدانوں میں سجانے لگی۔
جینی ابھی سو کر نہیں اٹھی تھی۔ گو خوش رنگ سویرا پھیل چکا تھا اور ٹھنڈی ٹھنڈی
چمکتی دھوپ پرسوں متوالی دوشیزہ کی طرح اتر رہی تھی۔
بینا دبے قدموں کمرے میں داخل ہوئی..... اور ہاتھ میں پکڑے پھیلی ٹہنیاں اور
سبز پتوں والی ٹہنیاں میز پر رکھ دیں۔ اسد کروٹ کے بل لیٹے تھے۔ پلستر زدہ بازو پٹے کے
ساتھ سیدھا رکھا ہوا تھا۔ سر پہ ابھی تک پٹی تھی۔ دوسرا ہاتھ پلستر کے اوپر تھا۔
بینا نے حسب معمول ہیٹ ڈی بھجوائی تھی۔ پینے کے بعد وہ شاید پھر سو گئے تھے۔ ان
اور رات کی اب تمیز ہی کہاں رہی تھی۔ رات بھی اندھی تھی اور دن بھی اندھے۔ وقت بے
وقت سو بھی جاتے تھے اور اسی طرح شاید راتوں کو بیدار بھی رہتے ہوں۔
بینا نے آہستگی سے گلدان اٹھایا۔ باسی پھول نکال کر میز پر پڑی پرانی اخبار پر
رکھ دیئے..... غسل خانے کے نل کے نیچے گلدان دھویا..... نیا پانی ڈالا..... کرسٹل کا گلدان
چمک اٹھا۔
بینا نے ایک شاخ جس پر دو پھول مسکرا رہے تھے۔ اس میں رکھ دی۔ جانے کیا
سوچتی رہی۔
پھر دوسری ٹہنی اٹھائی جس پر ایک اکیلا پھول تھا۔ پہلے اس نے اسے دوسرے
گلدان میں سجانا چاہا..... پھر یہ ٹہنی بھی دو پھولوں والی ٹہنی کے ساتھ رکھ دی۔
گلدان اس نے کونے والی تکون میز پر رکھ دیا۔

وہ کتنی دیر تک ان اکٹھے اور اکیلے پھول کو تکتی رہی۔

پھر کونے میں پڑے واز کو صاف کیا اور اس میں لمبی لمبی ٹہنیاں سجانے لگی۔ واز کی جگہ پر رکھنے لگی تو میز سے ٹکرا گئی..... اور میز پر پڑی نازک سی ترے نیچے گر پڑی..... ٹوٹنے سے تو بچ گئی لیکن ہلکی سی آواز پیدا کر گئی۔

بینا نے گھبرا کر اسد کی طرف دیکھا۔

وہ بیدار تھے۔ تکیے سے سر اٹھا کر بولے۔ ''کون ہے؟''

بینا کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔

''اے بھئی کون ہے۔'' وہ پھر بولے اور جواب نہ پا کر آواز دی۔ ''سہیل بابا۔''

کوئی جواب نہ ملا۔

بینا کا دل چاہا پھول وہیں چھوڑ کر کمرے سے نکل بھاگے۔ وہ اپنی جگہ کھڑی رہی۔ یوں جیسے پتھر کی بن گئی ہو..... وہ اسد کی طرف تکے بھی جا رہی تھی۔

اسد چت لیٹ گئے۔

اور

ان کی بے بسی پر بینا کا دل بھر آیا۔ آنسو آنکھوں سے تسبیح کے ٹوٹے دانوں کی طرح بکھرنے لگے..... وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے اسد کو تکتے ہوئے روئے گئی۔

اسد اب چت لیٹے تھے..... آنکھیں بند کر لی تھیں اور لمبے لمبے گہرے گہرے سانس لے رہے تھے۔ دکھ اور کرب کی اذیت ان کے زرد چہرے پر پھیلی ہوئی تھی۔

بینا کو جانے کیا ہوا..... وہ پٹے سے آنسو پونچھے اور بے آواز قدموں سے چلتی ان کی مسہری تک آ گئی۔

جالی کے مہین پردے سمٹے ہوئے تھے۔ وہ پردے کو پکڑ کر اسد کو تکنے لگی..... وہ اتنی بے باکی سے اسد کو کب کبھی دیکھ پائی تھی۔

لیکن

وہ ندیدوں کی طرح اسد کو تکے گئی۔

اور

اسے پہلی بار ان کی مسحور کر دینے والی خوبصورتی کا احساس ہوا۔ کمزوری اور چہرے کی زردی کے باوجود ان کا چہرہ بے حد پرکشش اور جاذب نظر تھا۔

کئی لمحے گزر گئے..... وہ اپنے من میں خوشیوں کے انبار سمیٹتی رہی..... وہ لبالب پیمانے کی طرح مسرتوں اور خوشیوں سے بھر گئی۔

اسد نے پھر اسی طرف کروٹ بدل لی۔ پلستر سے وزنی بازو اٹھانا مشکل تھا۔

بینا نے ہاتھ بڑھایا۔ بازو اٹھا کر دوسری جگہ رکھنے میں ان کی مدد کرنا چاہی لیکن رک گئی..... اسد کو اس کی موجودگی کا پتہ چل گیا..... تو؟

گھبرا کر قدرے پیچھے ہٹی..... اور اسی گھبراہٹ میں پھر چھوٹی سی میز پر رکھا کانچ کا مجسمہ اچھی خاصی آواز پیدا کرتے ہوئے گر گیا۔

اسد کا رخ اسی طرف تھا۔

"کون؟" انہوں نے پوچھا۔ "کیا گرا ہے؟"

"کچھ نہیں۔" وہ بولی۔

"جینی۔" اسد نے ایک دم پکارا۔

اور بلا سوچے سمجھے اس کے منہ سے نکل گیا۔ "جی۔"

"تم..... تم ہو کمرے میں۔"

وہ پشیمان..... لیکن جینی بن کر جی کر چکی تھی۔ اب ان کی بات کا جواب دینا ہی پڑا۔

"جی..... میں ہوں۔"

"کیا کر رہی ہو؟"

"لان سے پھول لائی تھی..... گلدانوں میں لگا رہی ہوں۔"

"پہلے بھی تم آئی تھیں؟"

"جی؟"

"تھوڑی دیر ہوئی۔"

"آں..... ہاں..... میں ہی تھی۔"

"میں نے تمہیں بلایا تھا..... پوچھا تھا کمرے میں کون ہے؟"

''وہ.....وہ میں باتھ روم میں گلدانوں کے لیے پھول لینے چلی گئی تھی..... مجھے نہیں پتہ کہ آپ نے پکارا۔''

''آج پھول لانے کا تمہیں کیسے خیال آ گیا۔''

وہ چپ رہی۔

''ہوں..... جینی..... اچھا بھی شکریہ۔''

''شکریے کی کیا بات ہے۔''

''جانتی ہو جینی مجھے گلابی پھولوں سے عشق ہے۔''

وہ پھر گھبرا گئی..... اس کی نظر اس گلدان میں پڑی..... جس میں وہ گلابی پھول ایک شاخ پر مسکرا رہے تھے..... اور ہلکے پیلے رنگ کا اکیلا پھول دکھ کا نشان بنا ہوا تھا۔

''جانتی ہو۔'' اسد پھر بولے۔

''ہاں۔''

''نہیں تمہیں علم نہیں..... ہم نے کبھی پھولوں کی بات ہی نہیں کی تھی۔''

''کی تھی۔''

بینا ہولے سے بولی۔

اسد اشتیاق سے بولے۔ ''کب۔''

''جب آپ نے پھول میرے بالوں میں لگایا تھا۔''

بینا کو وہ سین یاد آ گیا جب اسد برفانی موسم میں پہاڑی سے نیچے آ رہے تھے۔ ستانے کو ایک پتھر پر جینی بیٹھی تھی اور اسد نے پھول توڑ کر اس کے بالوں میں لگا دیا تھا۔

وہ اپنی کھڑکی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔

اسد کے لب مسکرائے وہ بولے۔ ''بڑی یادداشت ہے تمہاری۔''

بینا گہرا سانس چھوڑتے ہوئے چپ ہو گئی۔

کمرے میں ایک گھمبیر سا سناٹا چھا گیا۔

بینا بیڈ سے تھوڑے فاصلے پر اب بھی کھڑی اسد کو تک رہی تھی۔ اسے دکھ بھی ہو رہا تھا..... کہ اسد اسے جینی سمجھے اور سکون بھی ملا تھا کہ چلو اسی واسطے سے اسد سے باتیں کر لیں۔

"جینی۔" کئی لمحوں کے توقف کے بعد اسد بولا۔

"جی۔"

"میں سمجھا تم کمرے سے چلی گئیں۔"

"نہیں..... تو۔"

"اب کیا کر رہی ہو۔"

"پھول سجا رہی ہوں۔"

"اتنے پھول لائی ہو۔"

"ہاں..... کمرے میں ان کی مہک پھیل جائے گی تو آپ فرحت محسوس کریں گے۔"

"شکریہ..... تمہیں میرا اتنا خیال ہے۔"

جینا نے پھر اک دلدوز آہ بھری۔ آنکھیں پھر بھیگ گئیں۔

کاش

کاش

یہ احساسات و جذبات اس کے لیے ہوتے..... بڑے دکھ اور کرب سے اس نے سوچا۔

چند لمحے پھر خاموشی رہی۔

"جینی۔" اسد نے پھر پکارا۔

"جی۔"

"ابھی تمہارے پھول نہیں سجے۔"

"بس تھوڑے سے رہ گئے ہیں۔"

"انہیں رہنے دو۔"

"کیوں؟"

"ادھر آؤ۔"

"کہاں؟"

''میرے پاس۔''

اف بینا کا دل پھڑ پھڑانے لگا..... سر سے پاؤں تک سنسنی سی محسوس ہوئی..... جھوٹ کا پول کھلنے کے خیال سے وہ ڈر گئی۔

''آؤ نا۔''

وہ چپ رہی۔

''جینی۔'' اسد نے زور سے کہا۔

وہ سرتاپا کانپ گئی۔

''اکتا گئی ہو نا مجھ سے۔'' اسد روٹھنے کے انداز میں بولے۔

''نہیں..... نہیں ایسا نہیں۔''

''تو پھر آتی کیوں نہیں ہو میرے پاس۔''

''کاش آپ دیکھ سکتے..... کہ میں کیا کر رہی ہوں۔''

''میں نے کہا ہے چھوڑ دو پھولوں کو۔''

''اچھا..... یہ کانٹے وغیرہ سمیٹ لوں..... ہاتھ بھی گندے ہو رہے ہیں..... جا کر دھو آؤں۔''

بینا ان کا جواب سنے بغیر کمرے سے نکل بھاگی..... پھول اور کانٹے وہیں بکھرے رہے۔

O☆O

"جینی..... اوہ جینی..... جینی۔"

پھولے سانسوں کے درمیان بینا نے جینی کو پکارا..... وہ سو رہی تھی بالکل بے خبر۔

"جینی..... اٹھو نا جینی۔"

جینی آنکھیں ملتے ہوئے کروٹ لے کر بولی۔ "کیا ہے۔"

"اٹھو..... اتنا ٹون نکل آیا ہے۔"

"نکلنے دو۔"

"تمہیں اسد یاد کر رہے ہیں جینی۔"

"اوہ..... میں کیا کروں۔"

"جینی!!"

"سونے دو۔"

"اسد تمہیں بلا رہے ہیں۔"

"مجھے نہیں پتہ..... جاؤ کہہ دو..... جینی سو رہی ہے۔"

بینا کا دل دھک دھک کر رہا تھا..... وہ ابھی ابھی اسد سے اتنی ڈھیر ساری باتیں جینی کے نام پر کر کے آئی تھی..... ہاتھ دھونے کا بہانہ بنایا تھا..... اب اگر جینی ان کے پاس نہ جائے گی تو وہ سمجھ جائیں گے۔

وہ سمجھ گئے تو کیا ہوگا..... بینا کو ٹھنڈ میں بھی پسینہ آ گیا..... اپنے آپ پر غصہ بھی آنے لگا..... جانے اسے جینی بننے کا سودا کیوں سما گیا تھا۔

زندگی میں پہلی بار جھوٹ موٹ کا سوانگ بھرا تھا..... وہ بھی بھرم پھوٹ جانے کو تھا۔

"جینی پلیز اٹھو نا۔" اس نے بڑی منت سے کہا..... جینی ڈسٹرب تو ہو چکی تھی..... ویسے بھی نیند خوب نکال چکی تھی..... دونوں ہاتھ پکڑ کر اک زوردار انگڑائی لی..... اور نرم نرم لحاف پرے ہٹاتے ہوئے بولی۔ "بینا تم نے بے وقت جگا دیا۔"

"دن کافی دیر سے نکلا ہوا ہے۔"

"مجھے بہت گہری نیند سے تم نے بیدار کیا ہے۔ بہت ظلم کیا ہے بینا۔"

"تمہیں اسد بلا رہے ہیں۔"

جینی ہنس پڑی۔ "حد ہو گئی..... اسد کا حکم جیسے خدا کا حکم ہے..... انہیں کہہ دیتیں کہ جینی سو رہی ہے۔"

بینا گڑبڑا گئی۔

جینی نے گاؤن اٹھا کر پہنا۔ پاؤں میں میرون مخملی چپل پہنے اور بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹتے ہوئے بولی۔ "صبح صبح کیا کہنا تھا مجھے اسد نے۔"

"وہ..... وہ۔" بینا نے چوری نظروں سے اسے دیکھا..... چند لمحے چپ رہی پھر بولی۔ "چلو نا..... وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

"پاگل تو نہیں ہو گئیں تم۔"

"کیوں؟"

"ایسے ہی چلی جاؤں ان کے پاس۔ میں ابھی بستر سے نکلی ہوں بینا۔ میرا حلیہ تو دیکھو کمرے سے اس حالت میں نکلوں گی۔"

بات ٹھیک تھی لیکن بینا گھبرا رہی تھی۔

"کیا بات ہے۔" جینی نے کھڑے ہو کر پھر زوردار انگڑائی لی۔

"کچھ نہیں۔" بینا نے کہا۔

"تم پریشان لگ رہی ہو..... اسد کی طبیعت تو ٹھیک رہی ہے نا۔"

"ہاں..... ہاں..... وہ ٹھیک ہی ہیں۔"

"اور مجھے بلا رہے ہیں؟"

"ہاں۔"

"کہہ دیا ہوتا کہ جینی دس بجے سے پہلے کمرے سے باہر نہیں ہوتی۔" وہ ہنس پڑی۔
بینا نے کہا۔ "انہیں وقت کا کب پتہ چلتا ہے۔ دن یا رات ان کے لیے سب ہی ہوتے ہیں۔"
"ہاں۔" جینی چند قدم چل کر کرسی پر تساہل سے پڑ گئی۔
"اوہ خدایا..... کیا کر رہی ہو..... جلدی کرو نا..... اسد بیچارے انتظار کر رہے ہوں گے..... تمہیں کچھ تو احساس ہونا چاہیے۔"
"بینا۔" وہ چند لمحے چپ رہی پھر سنجیدگی سے بولی۔ "اسد معذور ہو گئے ہیں۔"
"ہاں یہ تلخ حقیقت ہے۔"
"میں..... میں سمجھ نہیں پاتی کہ کیا کروں۔"
"کیوں؟"
"بھئی میں کب تک یہاں رہوں گی..... آخر مجھے واپس بھی جانا ہے۔ میرا کالج کھل گیا ہے۔ ممی ڈیڈی بھی میرے لیے اداس ہو گئے ہوں گے۔"
جینی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "میں چلی جاؤں تو یہاں نہیں رک سکتی۔"
"جینی۔" بینا بولی۔
"تعجب کی بات ہے نہ حیران ہونے کی۔" جینی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں اپنے گھر سے اداس ہوتی ہوں۔"
"اور..... اور..... اسد۔"
"بھئی میں کیا کروں۔" اس نے کندھے اچکائے اور باتھ روم کی طرف بڑھی۔ بینا نے لپک کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "باتھ روم سے تم گئے بھر کے بعد نکلو گی۔"
"جی ہاں..... تیار ہو کر نکلوں گی۔"
"لیکن وہ۔"
"تمہیں کیا ہو رہا ہے بینا..... کوئی خاص بات ہے۔" وہ باتھ روم کے دروازے کی دہلیز پر قدم رکھتے ہوئے مڑ کر بولی۔

بینا نے خوفزدہ ہو کر خاص بات بتا ہی دی۔
جینی قہقہہ لگا کر بینا کی طرف مڑی۔ ''تم اتنی ڈرپوک کیوں ہو رہی ہو؟''
''جینی..... تم مذاق کے موڈ میں ہو۔''
''ہے ہی ایسی بات۔''
''اسد اسے سنجیدگی سے لیں گے۔''
''میں چلی جاؤں گی تو وہ تمہارے رحم و کرم پر ہی تو ہوں گے۔'' جینی ہنسی۔
''جینی۔'' بینا پریشان ہو گئی۔
''میں صاف گو لڑکی ہوں بینا..... اسد کی آنکھیں کھو جانے کا مجھے بھی بہت افسوس ہے لیکن حقیقت کا سامنا کرنا ہے ہمیں۔''
''تمہارا مطلب کیا ہے؟''
''صاف اور واضح۔''
''یعنی؟''
''یعنی میں ان کی خاطر یہاں مستقلاً تو نہیں ٹھہر سکتی۔''
''جینی..... وہ تمہارے لئے۔''
''اوہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''
''اسد تمہیں بہت پیار کرتے ہیں۔''
''ہاں..... مجھے علم ہے۔''
''بینا سچی بات کہوں۔''
''اور تم۔''
''بینا سچی بات کہوں۔''
بینا نے اک گہری نظر سے اسے دیکھا۔
وہ سر جھکاتے ہوئے بولی۔ ''مجھے اعتراف ہے..... کہ میں اسد کے ساتھ بہت دور..... نکل گئی..... یہ کہوں تو مناسب ہوگا کہ وہ مجھے دور لے گئے۔''
بینا نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔ جینی بولی۔ ''سوچنے اور سمجھنے کے بعد

میں نے آخری فیصلہ کر لیا ہے..... اسد میرے کزن ہیں، ہینڈسم ہیں۔ بہت اچھے ہیں لیکن..... لیکن ان سے پہلے میں عنصر سے وعدہ کر چکی ہوں۔ عنصر واپس آنے والا ہے۔"

"جینی۔" بینا نے غضبناک لہجے میں کہا۔

"ہوں۔" وہ اطمینان سے بولی۔

"اسد کا دل کھلونا تو نہیں..... جسے کھیل کے بعد یوں توڑ دیا جائے۔"

"میں کب کہتی ہوں۔"

"تو پھر تمہاری ان باتوں کا مطلب کیا ہے۔"

"یہی کہ جو ہو چکا ہو چکا..... اب میں واپس جاؤں گی۔"

"اسد کو چھوڑ کر۔"

"ظاہر ہے۔"

"اس لیے کہ وہ اندھے ہو چکے ہیں۔"

"بینا..... میری بات سمجھو..... میرا یہ فیصلہ ان کے اندھا ہونے سے پہلے کا ہے۔"

"بکواس کرتی ہو۔"

"نہیں۔"

"دو ماہ سے تم یہاں ہو..... اور میں کیا سب دیکھ رہے ہیں..... کہ۔"

"بینا..... یہ دو ماہ میں نے صرف اور صرف اسد کی معذوری کی خاطر یہاں گزارے ہیں..... وہ اندھے ہو گئے ہیں..... یہ بات مجھے بھی تکلیف دیتی ہے..... میں یہ بھی جانتی ہوں..... کہ وہ مجھ سے بہت زیادہ..... وابستہ ہیں۔"

"پھر؟"

"پھر بھی میں واپس جا رہی ہوں۔ میں نے ان سے پہلے عنصر کو پسند کیا تھا..... وقتی طور پر یہ سمجھ لو کہ میں لڑکھڑا گئی..... لیکن اب میں ایک فیصلہ کر چکی ہوں اور اس پر قائم ہوں۔"

"فیصلہ؟"

"ہاں..... عنصر سے شادی کرنے کا۔"

"اسد پر چاہے قیامت بیت جائے۔"

"ایسا نہیں ہوگا..... میں نے انہیں اس بارے میں سوچنے کی کبھی مہلت نہیں دی۔"

"تمہارے ایسا کرنے سے کیا ہوتا ہے..... تمہاری یہ سنگدلی انہیں....."

"انہیں بتانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔"

"ہاں..... بالکل..... میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے..... یوں نہیں مہینوں سوچ کر۔"

جینی اپنی کشمکش اور تذبذب کی کیفیت اور پھر اس سے نکل جانے کا حال مختصراً بینا کو بتانے کے بعد بولی۔ "میں نے سوچ لیا ہے کہ کیا کرنا ہے..... تم فکر نہ کرو..... چلو جاؤ..... میں ابھی آتی ہوں۔"

"جینی میں تمہیں بتا چکی ہوں..... کہ میں۔"

"جینی بن کر اسد سے باتیں کرتی رہی ہو۔"

"ہاں۔" جینی مسکرائی۔

"اب تم جتنی دیر سے ان کے پاس جاؤ گی..... وہ شک میں مبتلا ہو جائیں گے۔" بینا بولی۔

جینی ہنس پڑی اور بینا کے گال پر پیار سے چٹکی کاٹتے ہوئے بولی۔ "بہت سادہ بہت بھولی اور بہت ہی معصوم ہو۔"

بینا روہانسی ہوگئی۔

جینی بولی۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"وہ تمہارے انتظار میں ہوں گے۔" بھلا کر بینا بولی۔

"انہیں کہلا بھیجو..... کہ جینی کو..... جینی کو..... ٹھیک ہے کہلا بھیجو کہ جینی کو اماں جانی نے بلا لیا ہے۔"

وہ مسکراتے ہوئے باتھ روم کے اندر چلی گئی..... بینا چند لمحے کھڑی سوچتی رہی پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی باہر نکل آئی۔

اس نے واقعی سلمٰی کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ جینی تھوڑی دیر بعد آئے گی۔ وہ اماں جانی کے پاس ہے۔

O☆O

''دادی ماں۔''

''کیوں بیٹی۔''

''آپ جینی کو روک لیں نا۔''

''وہ خود سری لڑکی ہے۔ اس نے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو اسے روک کون سکتا ہے۔''

''آپ کہہ کر تو دیکھیں۔''

''بینا میں اس کی عادت جانتی ہوں..... اس کے منہ پڑنا نہیں چاہتی۔''

''ہائے اللہ۔''

''تم اتنی پریشان کیوں ہو؟''

''دادی ماں..... وہ..... وہ۔''

''اسد کی پریشانی کا خیال آتا ہے۔''

''جی..... وہ جینی کے بغیر..... ایک دن بھی نہیں گزار سکتے..... ان کا جی بہلا رہتا ہے ورنہ ایسی حالت میں تو جانے کیا کر بیٹھیں۔''

دادی ماں بستر میں بیٹھی تھیں..... بینا نے ان کی پشت اپنے سینے سے لگا کر پیار بھرا سہارا دیا ہوا تھا۔

''آج مجھے اسد کے کمرے میں تو لے چلو.....'' دادی ماں نے کہا۔

''وہیل چیئر پر ہی جا سکتی ہیں۔''

''نہیں سہارا دے کر لے چلو تو میں چل بھی لوں گی۔''

''دردزیادہ نہ ہو جائے۔''

''نہیں ہوگا۔''

بینا چند لمحے چپ رہی..... پھر بولی ''ان سے جینی کا نہ کہیے گا۔''

''ہوں۔''

''وہ بہت پریشان ہوں گے..... اور پریشانی ان کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔''

دادی ماں نے اپنے گال کے ساتھ لگے بینا کے گال کو انگلیوں سے چھو کر پیار کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ باتیں جینی کو سوچنا چاہئیں۔''

''آنٹی کا تو محض بہانہ ہے۔ اس کا جی اب یہاں لگتا ہی نہیں۔ وہ عنصر کے لیے جا رہی ہے۔''

''پھر دادی ماں۔''

''میں کیا کہوں..... جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔''

''دادی ماں۔''

''میں کیا کر سکتی ہوں میری بچی۔''

دونوں باتیں کر رہی تھیں..... کہ جینی آ گئی..... اس نے جدید قسم کا خوبصورت لباس پہن رکھا تھا۔ چہرے پر پہلی سی تازگی اور شگفتگی تو بے شک نہ تھی..... ہمارا سارا دن اسد کے ساتھ ان کے کمرے میں بیٹھے رہنے سے لگتا تھا وہ کچھ مرجھا سی گئی ہے۔ وہ تو کھلنڈری سی لڑکی تھی جس کا سارا دن مصروفیات کی نظر ہوتا تھا۔ کبھی کہیں جانا کبھی کہیں۔ دوست احباب کے ساتھ تفریح کے پروگرام بھی معمول کا حصہ تھے۔ یہاں صرف اور صرف اسد کی تیمارداری..... وہ اکتا چکی تھی۔

''اماں جانی۔'' وہ بیڈ کے قریب آ کر بولی۔

''جی بیٹے۔'' وہ بولیں۔

''میں واپس جا رہی ہوں۔ پتہ ہے نا آپ کو۔''

''سیٹ ہو گئی۔''

''ہاں نعمان نے بک کروا دی ہے۔''

"کب کی ہے۔"

"کل صبح دس بجے کی۔"

دادی ماں خاموش ہو گئیں۔

جینی بولی۔ "جب سے ممی کا فون آیا ہے۔ میں پریشان ہوں..... ان کی طبیعت جانے اب کیسی ہوگی۔"

"تمہارے جانے کا اک بہانہ ہے۔" دادی ماں نے تلخی سے مسکرا کر کہا۔

جینی بھی ہنس پڑی..... پھر ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

"دیکھیں نا اماں جانی پورے دو ماہ اور تین دن ہو چکے ہیں۔"

"پنجرے میں بند ہوئے۔"

جینی شوخی سے ہنس پڑی۔

دادی ماں نے اسے روکنے کے لیے نہیں کہا..... وہ خوش ہو گئی..... شاید دادی ماں بھی نہیں چاہتی تھیں کہ آزاد پنچھی اس طرح مقید ہو کر اپنے بال و پر تھا ڈالے۔

جینی تھوڑی دیر کے بعد اٹھی تو دادی ماں نے پوچھا۔ "اسد کو بتا دیا ہے۔"

"اپنے جانے کا۔"

"ہاں۔"

"نہیں اماں جانی۔"

"کیوں؟"

"ڈر لگتا ہے..... وہ مجھ سے بہت اٹیچڈ ہیں۔ خاص کر اس معذوری کے عالم میں تو مجھ پر ہی ڈیپنڈ کرنے لگے ہیں۔"

"یہ بات جانتے ہوئے بھی واپس جا رہی ہو۔"

"پھر کیا کروں؟"

"اسد کے متعلق کیا سوچا ہے؟"

جینی ہولے سے مسکرائی..... پھر بولی۔ "بینا جو ہے..... ساری خدمت تو یہی کر رہی ہے..... میں تو صرف ان کے پاس بیٹھتی ہوں۔ ان سے باتیں کرتی ہوں..... کبھی اخبار

پڑھ کر سنا دیا' کبھی ٹیپ کے گانے بس۔"

"پھر؟"

"پھر..... اماں جانی..... یہ کوئی مسئلہ نہیں..... اسد دیکھ تو سکتے نہیں ہیں..... اور میری آواز بینا سے جس قدر ملتی ہے آپ جانتی ہیں....." جینی نے پوری ڈھٹائی سے جواب دیا۔

دادی ماں نے غور سے جینی کی طرف دیکھا۔ بینا قدرے پرے ہٹ کر اپنے دونوں ہاتھ ملنے لگی۔ جینی کتنی خود سر' خود پسند اور اپنی منوانے والی لڑکی تھی!

"ٹھیک ہے نا اماں جانی۔" جینی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اسد کو پتہ نہیں چلنا چاہیے کہ میں واپس چلی گئی ہوں..... بینا اسد کی خاطر جینی بن سکتی ہے۔"

وہ چپ رہیں۔

"کیوں بینا۔" جینی نے کہا۔ "کتنی دفعہ تم نے میری جگہ اسد سے باتیں کی ہیں..... اور کتنی دفعہ میں نے تمہاری طرف سے ان کی باتوں کے جواب دیے ہیں۔"

بینا سر جھکائے بیٹھی رہی..... چھوٹے چھوٹے کئی واقعات رونما پذیر ہو چکے تھے جب اسد نے بینا کو جینی سمجھا تھا اور جینی کو بینا۔

"تردد کی کوئی بات نہیں اماں جانی۔" جینی نے جھک کر دادی کا پیار لے لیا۔

"اور اگر..... تردد کی بات ہوئی بھی..... تو میں آ جاؤں گی..... فون کر دیجئے گا۔"

دادی ماں نے ایک نظر جینی پر ڈالی۔ یہ لڑکی کیا تھی؟ وہ اسے تکتے ہوئے سوچ رہی تھی..... رشتوں کا احترام اسے آتا تھا لیکن رشتوں کے بندھن اور نزاکت کا قطعاً احساس نہیں تھا..... اسد اس پر جس طرح لٹو تھے..... وہ سب جانتے تھے۔ دادی ماں کو بھی علم تھا۔ اس کے جانے کے بعد اسد جس صدمے سے دوچار ہو سکتے تھے..... اس کا بھی احساس تھا۔

لیکن جینی واپس جانے پر کمر بستہ تھی۔ کئی دنوں سے واپسی کے لیے۔

○☆○

اسد سرشار سے بولے۔ ''جینی..... تم تو بہت ہی سنجیدہ ہو گئی ہو۔'' جینی چپ رہی..... اسد کے جذبات و خیالات کا اندازہ اسے بھی تھا۔ اپنے پکڑے جانے سے جو خلا پیدا ہوگا' خدا جانے جینا اسے پورا بھی کر پائے گی یا نہیں۔

وہ سوچ ہی رہی تھی کہ اسد بولے۔ ''جینی..... ایک بات پوچھوں۔''

''پوچھیے۔''

''تم بور تو نہیں ہو جاؤ گی؟''

''کیا مطلب؟''

''سچ سچ بتاؤ نا..... بور تو نہیں ہو جاؤ گی؟''

''نہیں.....'' جینی نے کہا۔ اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

''شکریہ۔'' اسد نے سکون کا سانس لیا..... پھر کروٹ اس کی طرف بدل کر ہولے سے مسکرائے اور آہستگی سے بولے۔ ''جینی..... میرا خیال نہیں تھا..... کہ..... تم..... اتنی استقامت سے..... میرا ساتھ دو گی۔''

جینی چپ ہو گئی..... دل دھک دھک کرنے لگا۔ اس نے ایک بے چین نگاہ اسد پر ڈالی..... کچھ ڈانواں ڈول ہوئی۔

''تم جیسی کھلنڈری لڑکی سے ایسی توقع نہیں کی جا سکتی تھی نا کہ گھنٹوں پابند ہو کر میری پٹی سے لگی بیٹھی رہے گی..... یہ کام میں جانتا تھا۔ تم جیسی لڑکی کے لیے خاصا مشکل ہے..... کہاں تمہاری مصروف اور گہما گہمی سے معمور زندگی..... اور کہاں.....؟ خیر تمہارا

شکریہ جینی بے حد شکریہ..... وعدہ کرو کہ یہ احساس ادھورا نہیں چھوڑو گی..... جینی..... بولو نا..... مجھے منجدھار میں اکیلا چھوڑ تو نہ جاؤ گی..... تم تو میری بینائی بن چکی ہو..... مجھے۔"

"اسد۔" گھبراہٹ میں جینی کے منہ سے نکلا اور اک لمحہ سسکی فضا میں لہرا گئی۔

چند منٹ وہ وہاں ٹھہری..... پھر باہر آ گئی۔

وہ سیدھی بینا کے پاس گئی..... جو اداس و پریشان اپنے کمرے کی بیرونی کھڑکی میں کھڑی خلاؤں میں دیکھ رہی تھی۔

جینی نے اس کے گلے میں بازو حمائل کر دیئے اور بڑی بے چینی سے بولی۔ "بینا..... میرے جانے کے بعد اسد کو محسوس نہ ہونے دینا کہ میں یہاں نہیں ہوں..... وہ..... وہ۔"

جینی دونوں ہاتھ ملتے ہوئے بڑی مضطرب نظر آئی..... بینا نے اک بھرپور نگاہ اس پر ڈالی..... اور بولی۔ "اسد کو بتا دیا ہے..... کہ تم جا رہی ہو۔"

"نہیں بتانا ضروری نہیں..... ویسے یقین مانو انہیں یوں چھوڑ کر جانے کا مجھے بھی دکھ ہے۔"

"ہونہہ۔"

"ان سے میرا انمٹ خونی رشتہ ہے بینا..... اسی لیے تم سے بھی کہتی ہوں کہ ان کا خیال رکھنا..... تم جانتی ہو..... میرے جانے سے انہیں صدمہ ہوگا۔ اسی لیے جینی بن جانا..... وہ کونسا دیکھ سکتے ہیں اور پھر ساری خدمت تم ہی تو کر رہی ہو یہ کام بھی کرو گی تو کیا فرق پڑے گا تمہیں۔"

بینا چپ ہو گئی..... پھر آہستگی سے بولی۔ "جب تک اسد کا آپریشن نہیں ہوتا میں جینی بن سکتی ہوں۔ جب....."

"جب دیکھا جائے گا..... اب تو ان سے ہمدردی ہے نا..... کہ وہ اندھے ہیں۔ آنکھیں مل جائیں گی..... تو وہ جو بھی صورت حال ہوگی اس کا مقابلہ کر سکیں گے..... وعدہ کرو جینی بن کر ان کا دل بہلاؤ گی نا۔"

بینا تلخی سے مسکرا دی۔ "عجیب لڑکی ہو۔"

"ہوں تو۔"

"انہیں چھوڑ کر بھی جا رہی ہو..... اور اتنا خیال بھی ہے۔"

"میری بات سمجھا بھی کرو..... اسد میرے کزن بھی تو ہیں..... مجھے اس سے

سے دکھ بھی ہوتا ہے۔"

"پھر بھی..... ان کی خاطر کوئی قربانی نہیں دے سکتیں۔"

"قربانی۔" وہ ہنس کر بولی۔ "دل اور پسند کے خلاف کام کرنے کو اگر تم قربانی

کہتی ہو..... تو میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں ایسا کوئی کام نہیں کر سکتی..... میں نے تمہ

سے وعدہ نہ کیا ہوتا تو۔"

"چپ رہو۔" ثنا نے غصے سے کہا۔

وہ جانتی تھی کہ وہ حقیقتوں سے بھاگنے والی لڑکی ایک کشتی کو ڈوبتے دیکھ کر

دوسری میں چھلانگ لگانا چاہتی ہے۔

شاید۔

یہ اس ماحول اور تہذیب کا اثر تھا۔

جس کے تحت جینی کی پرورش ہوئی تھی۔

O☆O

آواز سے جینی بن جانا مشکل نہ تھا لیکن جینی بن کر اس کردار کو خوش اسلوبی سے ادا کرنا اور نبھانا آسان نہ تھا۔

جانے سے پہلے جینی بینا کو ساتھ لے کر اسد کے کمرے میں آئی تھی۔ اس کا دل بھر بھر آ رہا تھا..... وہ کوئی الوداعی جملہ بھی تو زبان پر نہ لا سکتی تھی۔ بیڈ کے قریب سر جھکائے بھر بھر آتی آنکھوں سے وہ اسد کو تک رہی تھی کہ اسد کسی کو قریب محسوس کر کے بولے۔ ''کون ہے؟''

جینی نے میز کے قریب کھڑی بینا کو جواب دینے کے لیے اشارے سے کہا۔

''میں ہوں۔''

''جینی؟''

جینی نے سر کے اشارے سے بینا کو ہاں کہنے کو کہا۔

''جی۔'' بینا بولی۔

''کیا کر رہی ہو؟'' اسد نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' بینا نے جواب دیا۔

جینی نے پھولوں اور گلدانوں کی طرف اشارہ کیا۔ بینا جلدی سے بولی۔

''گلدان جگہ جگہ پہ رکھ رہی ہوں۔''

''پھولوں کی کیا ضرورت ہے۔'' اسد مسکرائے۔

''کیوں؟'' جینی نے کہا۔

''تمہاری مہک سے کمرہ بھر جائے تو پھولوں کی ضرورت نہیں رہتی۔''

"تحریر۔" جینی نے انگلی کی پور سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"جینی۔" اسد چند لمحوں بعد بولے۔

"ہوں۔" جینی بینا کے قریب آ گئی۔

"آج موسم کیسا ہے؟"

جینی نے بینا کو کہنی مار کر جواب دینے کا اشارہ کیا۔ بینا بولی۔ "یا اللہ صورت دن نکلا ہے۔"

"کاش آپ دیکھ سکتے۔" جینی نے بات بنا دی۔

اسد نے اک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "شاید اندھیرے مستقل ہی میرے نصیب میں لکھ گئے ہیں۔"

"ایسا نہ کہیے اسد۔" بے تاب ہو کر بینا کہا تھی۔

"لگتا ایسا ہی ہے۔"

"مایوسی گناہ ہے۔"

"مجھے ڈاکٹر تقی کی باتوں سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔"

"مثبت انداز کی گنجائش ہونی چاہیے۔"

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ آپریشن ان شاء اللہ کامیاب ہوگا۔"

بینا اسد سے باتیں کر رہی تھی۔ جینی کھڑکی کے قریب تھی۔ اسے تسکین مل رہی تھی۔ یقیناً بینا جینی بن کر یہ کردار نبھا رہی تھی۔

"جینی۔" چند لمحوں بعد اسد نے اسے پکارا تو بینا نے جینی کی طرف دیکھا۔ جینی نے اسے ہی جواب دینے کو کہا۔

"جی۔" بینا بولی۔

"دور دور کیوں ہو؟"

"جی۔"

"ادھر آؤ نا میرے قریب۔"

بینا کی تو جیسے جان پر بن آئی..... وہ جہاں کھڑی تھی..... وہیں کھڑی رہی..... جینی

نے اسے بیڈ کی طرف دھکیلا..... اور اس کے کان میں سے آواز سرگوشی کرتے ہوئے بولی۔

"بے وقوفی مت کرو..... انہیں پتہ چل گیا..... کہ۔"

"کوئی اور بھی ہے کمرے میں۔" اسد نے پوچھا۔

"ہاں۔" جینی نے جواب دیا۔

"کون؟"

"موٹیہ آئی تھی چلی گئی ہے۔" جینی نے بات بنائی اور بینا کو بیڈ سے اور قریب کر لیا۔

اسد چند لمحے چپ رہے پھر بولے۔ "آج ڈاکٹر لتی کی رپورٹ ملے گی۔"

"کونسی؟" بینا نے جینی کے اشارے پر پوچھا۔

"اس دن جو ٹیسٹ ہوا تھا۔"

"ہاں۔"

"جینی..... رپورٹ تم خود پڑھنا۔"

"اچھا۔"

"سب مجھے حقیقت حال سے بے خبر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں..... مجھے کسی پر اعتماد نہیں سوائے تمہارے..... اس لیے تم خود رپورٹ پڑھ کر مجھے بتانا۔"

بینا چپ رہی۔

"بتاؤ گی نا۔"

"ہاں۔"

"اچھی بری..... جیسی بھی ہوئی مجھ سے چھپانا نہیں۔"

"نہیں چھپاؤں گی۔"

بینا کی آواز رندھ گئی۔ اسے اسد پر بے حد ترس آ رہا تھا..... بیچارگی کی باتیں جینے میں کھاؤ ڈال رہی تھیں۔

"جینی۔" اسد بولے۔

"جی۔" بینا نے جواب دیا۔

جینی انہیں باتیں کرتے چھوڑ کر کمرے سے نکل گئی۔

''تمہاری آواز بھرائی بھرائی رہتی ہے۔''

وہ چپ رہی۔

''مجھے محسوس ہوتا ہے..... جیسے تم..... اکثر روتی رہتی ہو۔'' وہ اب بھی کچھ نہ بولی۔

''بتاؤ نا..... کیا میں جو محسوس کرتا ہوں۔ وہ ٹھیک ہے۔'' وہ کچھ نہ بولی..... اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے..... اسد نے دوبارہ پوچھا تو وہ بلکو گیر آواز میں بولی۔ ''یہ جو کچھ جو گزر رہا ہے معمولی نہیں۔''

''میری بینائی کے ساتھ تمہاری شوخی اور چنچل پن بھی لے گیا۔''

''یہ قدرتی بات ہے اسد..... آپ پر جو صدمہ بیت چکا ہے وہ سب کے لیے پریشان کن ہے۔''

''ہوں۔''

''اپنے تو اپنے غیر بھی آپ کے لیے پریشان ہیں..... حویلی کا کوئی فرد بھی پرسکون نہیں رہا۔''

''میں جانتا ہوں..... میرا دل ممنون احسان ہے۔''

''احسان تو نہیں ہے۔''

وہ چپ رہے۔

بینا بھی کچھ نہ بولی۔

چند لمحے آہستگی سے سرک گئے۔

بینا نے دیوار پر لگے کلاک پر نگاہ ڈالی..... جینی کے جانے کا وقت ہو رہا تھا۔'' کچھ گھبرائی..... پھر اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بولی۔ ''تھوڑی دیر کے لیے دادی ماں کے پاس جا رہی ہوں۔''

''دادی ماں۔'' اسد ایک دم بولے۔

''ہاں۔''

''جینی۔''

"جی۔"

"تم تو دادی ماں کو اماں جانی کہتی ہو۔"

"اوہ..... " بینا گڑبڑائی..... لیکن جلدی سے بولی۔ "کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ انہیں دادی ماں کہتے ہیں۔ میں بھی کہہ لیتی ہوں۔"

بینا کا دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔ بھینی بننے کے لیے اسے کتنی چھوٹی چھوٹی اور غیر اہم باتوں کا بھی خیال رکھنا پڑے گا۔ سوچ سوچ کر وہ گھبرانے لگی۔

"جاؤں۔" بینا نے ہولے سے کہا۔

"جاؤ..... لیکن جلدی لوٹ آنا۔ میں تمہارے بغیر اپنے آپ کو بالکل ہی اندھا محسوس کرنے لگتا ہوں۔"

"جی۔" وہ حیرانگی سے انہیں دیکھنے لگی۔ ان کی باتوں سے کچھ نہ سمجھ پائی۔

"تم نے میری بینائی بننے کا وعدہ کیا ہے بھینی..... تم قریب رہتی ہو..... تو واقعی یوں لگتا ہے..... میری بینائی ہو..... میں تمہارے توسط سے ہی تو تمہاری دنیا کو دیکھ سکتا ہوں۔"

بینا نے اک گہری سانس لی۔

وہ جانے ہی کو تھی کہ بھینی آخری بار اسد کو دیکھنے آ گئی۔

چند لمحے وہ بیڈ کے قریب کھڑی رہی۔

پھر دل گیری واپس مڑی۔

اسد نے پکارا۔ "بھینی۔"

بینا نے جواب دیا۔ "جی۔"

"میں سمجھا تم چلی گئی ہو۔"

"جا رہی ہوں۔" بینا کی جگہ بھینی نے بڑے حوصلے سے کہا۔ پھر بینا کو اشارہ کیا۔ دونوں کمرے سے باہر آ گئیں اور طویل برآمدہ طے کرتے ہوئے دادی ماں کے کمرے کی طرف جانے لگیں۔

بھینی نے بینا کے گلے میں بازو ڈال کر کہا۔ "مجھے امید ہے تم اسد کے لیے بھینی بن جاؤ گی۔"

''اب تو بننا ہی پڑے گا۔''

''خدا کرے تم اس طرح.... اسد کو پالو۔''

بینا نے اک جھٹکے سے گردن موڑی اور حیرانگی سے اسے دیکھا۔ جینی روتی آنکھوں سے مسکرا کر بولی۔ ''مجھے تمہارے جذبوں کا علم ہے۔''

بینا نے سر جھکا لیا۔

جینی نے ایک گہری سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔ ''بعض حماقتیں انسان سے لاعلمی کی بنا پر سرزد ہو جاتی ہیں۔''

بینا نے خاموش نظروں سے اسے دیکھا.... وہ دھیرے سے بولی۔ ''مجھے معاف کر دینا۔''

''کیا؟'' بینا نے صرف اسی قدر آہستگی سے کہا۔

جینی نے بانہیں پوری طرح اس کے گلے میں ڈال دیں اور اس کے گال پر پیار کرتے ہوئے بولی۔ ''میں واپس جا رہی ہوں' خدا تمہیں خوش رکھے۔''

بینا کچھ نہ سمجھ پائی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے جنہیں جینی نے بڑے پیار سے پونچھ ڈالا۔

دونوں دادی ماں کے پاس آ گئیں جہاں فاروق اور حنان بھی تھے۔ دونوں نے جینی کو ایئرپورٹ پر چھوڑنے جانا تھا۔

O☆O

بینا کو جینی بننا ہی تھا۔ اک حقیقت تھی..... جو سامنے آ چکی تھی..... اب اسد کی خاطر ان کی صحت کی خاطر ان کی معذوری کی خاطر اس نے یہ بہروپ بھرنا ہی تھا۔ دل کے تقاضے یوں بھی پورے ہوتے ہیں نا۔ محبتیں اپنا خراج اس طرح بھی وصول کرتی ہیں..... قربانی کی دیوی جب جھولی پھیلاتی ہے تو اس میں وجود و جذبات کی کرچیاں ہی کیوں نہ ہو..... آخر ڈالنا ہی پڑتی ہیں اس میں۔

بینا کے من میں سلگاوٹیں سلگاوٹیں تھے۔ محبت کی آنچ سے من تو کبھی کا پگھل چکا تھا..... یہ پگھلا ہوا من کسی بھی سانچے میں ڈھل سکتا تھا۔

وہ

اسد کے لیے

اپنی معصوم اور [illegible]

اپنے گونگے [illegible]

سب کچھ کر سکتی تھی۔

سب کچھ کرنا تھا

سب کچھ۔

سب

کچھ

گھر کے نوکروں چاکروں کو اعتماد میں لے لیا گیا تھا۔ بیگم نفیسہ کمال نے ہر ایک کو

واضح طور پر ہدایت کی تھی..... کنبے قبیلے کے لوگوں کو بھی کہہ دیا گیا تھا..... کہ اسد پر یہ بات ظاہر نہ ہونے دیں..... کہ بینا جینی نہیں ہے۔

مولیہ اور نرسنگ اردلی تو پہلے ہی دونوں کو مس صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔ پھر بھی انہیں ہدایات دے دی گئی تھیں۔

فاروق اور اجمل اسد کے زیادہ ہی قریب تھے۔ دادی ماں نے انہیں خاص طور پر سمجھایا تھا..... دوسرے کزنز کو بھی کہہ دیا تھا۔ بھابھیوں اور شبنم کی سب بہنوں پر بھی معاملے کی وضاحت کی گئی تھی۔

دادی ماں تو ہر طرف سے مطمئن ہو گئی تھی..... لیکن بینا پر گھبراہٹیں ہی گھبراہٹیں مسلط تھیں..... زندگی اک نئے موڑ پر آ گئی تھی..... سمجھ نہ آتی تھی..... کیا کرے..... نئے سانچے میں ڈھل جانے کو تیار تو تھی لیکن ڈھلتے ڈھلتے بھی کچھ وقت لگنا ہی تھا۔

دوسرے ہی دن اسد کو پھر آئی سیٹ کے لیے ہاسپٹل لے جانا تھا۔ ڈاکٹر نقی یہ ٹیسٹ اپنے اطمینان کے لیے لینا چاہتے تھے۔ رپورٹ باہر بھیجنے سے پہلے اطمینان کے لیے یہ ٹیسٹ ضروری تھا..... پچھلے ٹیسٹ سے دو کچھ مایوس سے ہوئے تھے۔

اسد کو ڈریسنگ کے بعد نرسنگ اردلی نے بتایا تھا۔ "آج آپ ہاسپٹل جا رہے ہیں۔"

"ہاں مجھے علم ہے۔"

"تیار ہیں۔"

"ابھی جانا ہے۔"

"ساڑھے دس وہاں پہنچنا ہے۔"

"میرے ساتھ کون جا رہا ہے۔"

"فاروق صاحب اور....."

"جینی بھی جائیں گی نا۔"

"ابھی آئیں تو پوچھ لیجئے گا۔"

"کہاں ہیں وہ؟"

"ابھی باہر گئی ہیں۔"

دادی ماں نے کمال ضبط سے کام لیتے ہوئے انہیں پیار کیا اور سب کو خدا حافظ کہہ کر رخصت کیا۔

"آپ کتنی عظیم ہیں۔" اسد نے سر اٹھا کر کہا۔

"میرے بچے میرے عزیز۔" دادی ماں نے ان کی پیشانی چوم لی۔

پھر

فاروق نے اسد کو وہیل چیئر پر بٹھایا اور گھر سے باہر لے گئے۔ دادی ماں اور مینا کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔

اس شام اسد بے طرح اداس تھے۔ مینا ان کے بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھی تھی۔

"جینی۔" اسد نے اسے پکارا۔

"جی۔" وہ بولی۔

"میرا جی بہت گھبرا رہا ہے۔"

"کیوں؟"

"جی چاہتا ہے آنکھیں نوچ پھینکوں۔"

"اسد۔"

"جانے کیا اندر سے بے چین کرتا ہے۔"

مینا کا جی بھر آیا۔ گلوگیر آواز میں بولی۔ "آپریشن کے بعد ٹھیک ہو جائیں گے آپ۔"

وہ زہر خندی سے بولے۔ "ڈاکٹر نتی کی آواز سے میں نے محسوس کیا تھا۔"

"کیا؟"

"کہ وہ زیادہ پر امید نہیں ہیں۔"

"نہیں..... نہیں تو..... آپ نے غلط محسوس کیا۔"

وہ تلخ سے ہنسے۔

پھر بولے۔ "میری آنکھیں ٹھیک نہ ہوئیں تو مجھے لگتا ہے میں ذہنی توازن کھو بیٹھوں گا۔"

"ناامیدی گناہ ہے اسد۔"

"ویسے مجھے تسلیاں دینے والے خود بھی ناامید ہیں۔"

"یہ..... یہ کیسے جانا آپ نے۔"

"تمہاری گلوگیر آواز بتا رہی ہے۔"

مینا سے ضبط نہ ہو سکا..... وہ بے اختیار ہو کر رو دی۔

چند لمحے اسد چپ رہے۔

پھر کروٹ بدل کر رخ اس کی طرف کرتے ہوئے بے نور آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"جینی رو رہی ہو نا۔"

وہ چپ رہی..... ہاں اس کی ہلکی ہلکی سسکیاں فضا کو مرتعش کر رہی تھیں۔

اسد کچھ دیر ویسے ہی پڑے رہے۔

پھر فضا کو خوشگوار بنانے کے لیے جبراً ہنس کر بولے۔ "چھوڑو یار تم بھی چھوٹا سا دل رکھتی ہو..... رونے کی کیا بات ہے۔" وہ رو دے گی۔

"جینی۔" اسد نے کئی لمحوں کے بعد پکارا۔

"جی۔" وہ آنسوؤں سے رندھی آواز میں بولی۔

"تم تو مجھے سہارا دیا کرتی ہو..... آج بزدلوں کی طرح رو کیوں رہی ہو؟"

"نہیں..... نہیں روتی..... نہیں رو رہی۔"

اسد چند لمحے چپ رہے۔ جیسے جینی کے رونے پر غور کر رہے ہوں۔

"عجیب سی بات ہے۔" وہ کئی لمحے چپ رہنے کے بعد بولے۔

"کیا؟"

"کچھ نہیں۔ بس بعض اوقات کچھ باتیں ایسی ہو جاتی ہیں جنہیں ذہن قبول کرتا بھی ہے اور نہیں بھی۔"

اسد سوچوں میں ڈوب گئے۔ وہ بڑے مضمحل اور بے چین نظر آ رہے تھے۔ مینا نے آنکھیں پونچھ ڈالیں لیکن آنسو پھر بھی تواتر سے بہتے رہے۔ وہ اسد کی بات سن کر پریشان ہو گئی۔

OYO

''موی۔''

''جی۔''

''کیا بینا بی بی۔''

''مجھے کبھی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے۔''

''کہیئے نا۔''

''جیسے اسد اندھا ہونے کا بہانہ کر رہے ہیں۔''

''اوہ نہیں بینا بی بی۔''

''پتہ نہیں کیوں..... ایسا لگتا ہے۔''

موی نے اک گہری ٹھنڈی سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔ ''چھوٹے صاحب کی بینائی ختم ہو چکی ہے..... کل ناصر اچانک ہی کمرے میں چلا گیا تو وہ دیوار کے ساتھ ٹکرانے سے بچ گئے۔''

''ہاں..... میں جانتی ہوں۔ اسی لیے تو انہیں اکیلا نہیں چھوڑتی..... کل عمرانہ آ گئی تھی۔ اس لیے میں انہیں کمرے میں اکیلا چھوڑ گئی تھی..... اسد احوال پرسی کرنے والوں سے اب بہت گھبرانے لگے ہیں۔''

''جی ہاں..... بڑی بیگم صاحبہ تو چاہتی ہیں۔ چھوٹے صاحب کو پہاڑی بنگلے میں بھیج دیں۔''

''نہیں۔ وہاں اسد بالکل ہی اکیلے ہو جائیں گے..... وہ لوگوں سے بے طرح

گھبراتے ہیں..... لیکن بالکل تنہا رہنا بھی پسند نہیں کرتے۔"

"میں جانتی ہوں۔ وہ..... آپ کی صحبت میں رہنا چاہتے ہیں اور بس۔"

بینا نے اک گہری آہ بھر کر کھڑکی سے نیلگوں آسمان کی وسعتوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"میری نہیں مومی..... جینی کی محبت میں کہو۔"

"جینی بی بی تو گئیں۔"

"لیکن وہ مجھے جینی سمجھتے ہیں۔"

مومی چپ ہوگئی۔ بینا خود ہی اس کی طرف مڑی اور بیچارگی سے بولی۔ "میں جینی نہیں بن سکتی مومی..... جینی بننا قبول کر کے میں نے اپنے آپ کو مخمصے میں ڈال لیا ہے..... میں یہ ڈرامہ نہیں نبھا سکوں گی..... مجھے..... اسی لیے تو لگتا ہے کہ اسد اندھے نہیں ہیں۔"

"یہ آپ کا وہم ہے ورنہ۔"

"میں بھی جانتی ہوں لیکن کبھی کبھی وہ..... بے طرح چونک جاتے ہیں..... شاید انہیں..... انہیں محسوس ہونے لگتا ہے کہ میں جینی نہیں ہوں۔"

مومی نے آہستگی سے کہا۔ "یہ آپ کا وہم ہے بی بی..... ورنہ انہیں کیسے پتہ چل سکتا ہے..... ان کی ناظرہ تو سبھی آپ کو جینی ہی سمجھتے ہیں۔"

بینا نے پھر رخ کھڑکی کی طرف موڑ لیا۔

وہ اس وقت اپنے کمرے میں تھی..... اسد کو کھانا کھلانے کے بعد وہ آرام کرنے کے لیے کمرے میں چھوڑ آئی تھی..... ناصر اور نرسنگ اردلی کو ان کی نگہداشت کی بہت تاکید کر کے کمرے میں آئی تھی۔

اس نے نہا دھو کر لباس تبدیل کیا تھا۔ کھلے لمبے اور سیاہ بالوں میں برش کرتے ہوئے وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی..... مومی اس کا کمرہ درست کر رہی تھی..... کچھ کپڑے استری کیے تھے جنہیں ہینگروں میں ڈال کر الماری میں لٹکا رہی تھی۔

بینا کے من میں سوچیں ابھر ڈوب رہی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے کئی واقعات رونما ہوئے تھے جہاں اس کے قدم ڈول گئے تھے اور اسے یوں لگا تھا جیسے یہ بھروپ

اسے مہنگا پڑے گا..... وہ اس نئے موڑ پر تھک ہار کر شکست تسلیم کرنے لگی۔

کل شام کا واقعہ اس کے ذہن میں کھنک رہا تھا۔

دادی ماں اسد کے پاس تھوڑی دیر بیٹھنے اور تسلی و تشفی دینے کے بعد اٹھ کر گئی تھیں۔

''میں کمرے تک چھوڑ آؤں دادی ماں۔'' بینا نے کہا تھا۔

''اسد اکیلے ہیں۔ میں سلطانہ کے ساتھ چلی جاتی ہوں۔'' دادی ماں سلطانہ کا سہارا لے کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔

''بینا۔'' اسد نے کئی لمحے تکیے میں منہ چھپائے رکھنے کے بعد پکارا تھا۔

''جی۔'' بینا بھول گئی کہ وہ جینی ہے۔

''اچھا..... تو یہ..... تم تھیں.....'' اسد بڑبڑائے تھے۔

''جی؟'' بینا پریشان ہو کر بولی لیکن موقعے کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے اس نے حواس پر قابو پالیا تھا۔

اسد چپ تھے۔

بینا بیڈ کے قریب آ کر دھیرے سے بولی۔ ''شاید..... آپ جینی کو..... بلانا چاہ رہے تھے۔''

''نہیں..... یہ بات نہیں۔''

وہ چپ ہو گئی۔

اسد بھی چپ رہے۔

کئی لمحے بیت گئے..... پھر بینا نے خود ہی کہا۔ ''جینی کو بلا دوں۔''

اسد اضطراب کے عالم میں اپنے پاؤں سہلاتے ہوئے بولے۔ ''وہ کہاں گئی؟''

بینا تحمل سے بولی۔ ''شاید اپنے کمرے میں۔''

''سچ کہتی ہو بینا۔''

بینا ہڑبڑا کر بولی۔ ''ہاں..... ہاں..... بالکل۔''

اسد کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی..... اس مسکراہٹ نے بینا کو پریشان کر دیا تھا۔

آج صبح بھی کچھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا..... جس کے بعد اسد کرسی پر بیٹھے تھے۔ پاؤں کی سوجن قدرے کم تھی۔ ایک نیچی سی چوکی پر ٹکا رکھا تھا..... پلستر والا بازو کرسی کے ہتھے پر تھا..... اور دوسرے کرسی کی پشت پر لے جاتے ہوئے گردن سے لگا رکھا تھا۔

بینا ان کے قریب ہی کین کی نیچی سی کرسی پر بیٹھی تھی۔ وہ اپنے سامنے اخبار اور میگزین رکھے تھی۔

''کیا سننا پسند کریں گے۔'' اس نے اسد سے پوچھا۔

''کیا سناؤ گی؟''

''اخبار ہیں..... کہیں تو خبریں سنا دوں گی..... یا کوئی آرٹیکل۔''

''خبریں سناؤ۔''

''انگریزی یا اردو۔''

''ہیڈ لائنز سناؤ..... پاکستان ٹائمز ہے؟''

''جی۔''

بینا نے اخبار اٹھایا..... اور چیدہ چیدہ سرخیاں پڑھ کر سنانے لگی۔

اسد چند لمحے سنتے رہے۔ پھر گردن کے پیچھے سے ہاتھ نکال کر بلا پھیرتے ہوئے بولے۔ ''بینی۔''

''تمہارا ایکسنٹ۔''

''جی؟''

''گھبرا کیوں جاتی ہو۔''

''میں۔''

''ہاں۔''

''نہیں..... نہیں تو۔''

''تمہارا ایکسنٹ مجھے اجنبی لگا ہے۔''

بینا کا دل دھک دھک کرنے لگا تھا..... بمشکل کہہ پائی تھی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔ آپ کو یونہی لگتا ہے۔"

"اچھا۔"

وہ چپ ہو گئے تھے..... اور اپنے ہاتھ کی انگلیاں سے اضطراب سے پلستر پر پھیرنے لگے تھے۔

کئی لمحوں بعد بینا نے پوچھا تھا "کوئی آرٹیکل پڑھ کر سناؤں۔"

"نہیں۔"

"اردو کا پڑھ دوں۔ کوئی افسانہ..... یا کہانی..... یا لطیفے۔"

"تمہاری مرضی۔"

بینا نے اخبار رکھ کر میگزین اٹھایا..... ورق الٹنے پلٹنے لگی اسد بے چین بے چین بیٹھے رہے۔

بینا نے ایک رسالہ اٹھایا۔ چند مزید ادھر ادھر سے لطیفے اس نے نوٹ کیے ہوئے تھے۔ وہ اسد کو سنانے لگی۔

"تم..... تم۔"

"جی۔"

"بھینی تم اردو اتنی روانی سے پڑھنے لگی ہو۔"

بینا کا سارا دھیان اچھل کر چہرے اور دماغ میں بھر گیا تھا۔ سائیں سائیں کی آوازیں اس کے کانوں میں اترنے لگیں۔

"سناؤ..... اچھا تھا لطیفہ....." اسد کئی لمحے چپ رہنے کے بعد بولے تھے۔

بینا مریل سی آواز میں بولی۔ "آپ کو میرا پڑھ کر سنانا اچھا نہیں لگ رہا شاید۔"

"اوہ..... نہیں بھینی..... دراصل..... اندھے آدمی کے جذبات کو تم سمجھ نہیں سکتیں۔"

وہ کرسی کی پشت پر گردن ڈالتے ہوئے بے حد پریشان اور مضطرب نظر آئے تھے۔

"کوئی بھی اندازہ نہیں کر سکتا..... کوئی بھی..... کہ مجھ پر کیا بیتتی ہے اور میں کن کن عذابوں سے دوچار ہوتا رہتا ہوں۔ تم..... برا نہ ماننا۔ یہ میرے بس کی بات نہیں..... خدشے

وہم اور وسوسے ہر آن ہر لمحہ مجھے شک کرتے رہتے ہیں..... میری سوچیں مجھے پریشان کرتی ہیں..... میں نے تم سب لوگوں کو بھی عذاب میں ڈال رکھا ہے..... میں۔"

"ایسا نہ کہیں اسد۔" بینا کی آواز بھرا گئی تھی۔

مسز مولینہ کمرے میں آ گئی تھی۔ باتوں کا سلسلہ یوں منقطع ہو گیا تھا۔ وہ جانتی تھی تو جانے بینا کے لیے جینی کا بہروپ بھرے رکھنا ناممکن ہی ہو جاتا۔

پھر

ابھی ابھی بھی تو جو کچھ ہوا تھا..... بینا کے لیے پریشانی کا باعث بنا تھا۔

اسد کو کھانا کھلانے کے بعد ناصر برتن اٹھا کر لے گیا تھا۔ وہ چند لمحے کرسی پر بیٹھے رہے تھے..... پھر اسے آواز دی تھی۔

"جینی۔"

"جی۔"

"تم کھانا میرے ساتھ کھایا کرو۔"

وہ پشیمان تھی..... پھر کہہ رہا تھا۔ "بہت بہتر۔"

"کھانا بھی اور باتیں بھی۔"

"اچھا۔"

"وعدہ خلافی نہ ہو گی۔"

"نہیں ہو گی۔"

"ٹھیک....." اسد نے اپنا ہاتھ پھیلا کر کہا تھا۔ "ہاتھ دو..... پکا پکا وعدہ۔"

لیکن

جینی کی طرح بینا ان کے ہاتھ پر ایک دم ہاتھ نہ رکھ سکی تھی..... اسد کا ہاتھ کئی لمحے پھیلا رہا تھا۔

پھر وہ بولے تھے۔ "کہاں ہو..... وعدہ کرو نا۔"

"کر لیا۔" تذبذب کے بعد اس نے کہا تھا لیکن ان کے پھیلے ہاتھ پر اپنا ہاتھ نہ رکھ سکی تھی..... وہ تو سر تا پا پسینہ پسینہ ہو گئی تھی..... جھجک اور حیا مانع تھی۔ دل اس طرح دھڑک

رہا تھا..... کہ دھڑکن کانوں میں اتر رہی تھی۔

''یار وعدہ کرو نا۔'' اسد بے تکلفی سے بولے تھے۔

''کر لیا ہے۔'' اس نے ہولے سے جواب دیا تھا۔

''اوں ہوں۔ ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر وعدہ کرو۔'' اسد مسکرائے تھے۔

مینا گڑبڑا گئی تھی..... دھڑکتے دل سے اس نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ کی طرف بڑھایا لیکن ان کے ہاتھ کو چھونے کی جرأت اپنے میں نہ پائی۔ گھبرا کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

کئی لمحے گزر گئے۔

اسد پہلے تو جھنجھلائے۔ ''کہاں ہو..... کیا کر رہی ہو۔'' وہ کچھ نہ بولی تھی..... تو اسد کا ہاتھ ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح گر گیا تھا۔

وہ بالکل گم سم سے ہو گئے تھے۔

کئی گھڑیاں گزر گئیں..... پھر اسد نے کہا ''مجھے بستر تک پہنچا دو۔''

مینا نے آہستگی سے وہیل چیئر کی پشت پکڑی تھی..... اور بیڈ کے قریب کر دی تھی۔

''شکریہ۔'' اسد کرسی سے اٹھ کر بستر میں آ گئے تھے۔

''آپ تھوڑی دیر آرام کریں گے۔'' اس نے ان کے قریب آ کر پوچھا تھا۔

''ہاں۔''

''میں جاؤں۔''

''جا سکتی ہو۔''

وہ ان کے کمرے سے نکل کر سیدھی دادی ماں کے پاس ان کی نشست گاہ میں چلی آئی تھی اور قالین پر دوزانو ہوتے ہوئے سر ان کی گود میں رکھ کر رو دی تھی۔

''کیا ہوا میری بچی۔'' انہوں نے دلاسا دیتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

تو وہ روتے روتے بولی تھی۔ ''دادی ماں..... جینی کو واپس بلا لیں..... میں جینی نہیں بن سکتی..... میں جینی نہیں ہوں..... جھوٹ کا پول کھل جائے گا دادی ماں..... مجھے لگتا ہے میں یہ ڈرامہ جاری نہیں رکھ سکوں گی۔''

اب بھی کھڑکی میں کھڑی وہ یہی سوچ رہی تھی۔ کبھی اسے یوں لگتا
اندھے نہیں ہیں۔ کبھی یہ محسوس ہوتا کہ وہ جینی کے لیے بے چین ہیں اور کبھی یہ خیال
اسد کو پتہ چل گیا ہے کہ جینی کی جگہ وہ ان کو بہلا رہی ہے..... تو..... وہ کھڑکی کے
پر سے ہٹ گئی۔

دامن کہسار میں بڑے چمکیلے اور جاندار دن نے آنکھ کھولی تھی۔ موسم بڑا دلفریب تھا..... آسمان کی نیلگوں وسعتیں بیکراں نظر آتی تھیں۔ دامن کہسار کی پہاڑی ڈھلانوں پر سبزہ اور شعلوں کی طرح جلتے رنگوں کے پھول بکھرے ہوئے تھے۔ یہ خودرو خوشبودار پھول اس موسم میں لاکھوں کی تعداد میں سبزے کے بطن سے اُگ آتے تھے۔

فضا میں خوشبو بسی تھی۔ مست خرام ہوائیں ان خوشبوؤں کو پھیلا رہی تھیں..... معطر ہوائیں بڑی دلکش تھیں..... سنہری دھوپ نکھری ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا ہر شے پر سنہری خول چڑھا ہوا ہے۔ خول جو اتنا کمسن اور نازک ہے کہ کسی شے کی بھی خوبصورتی اور حسن کو نہاں نہیں رکھتا۔

مینا پچھلے وسیع و عریض لان میں سے گزرتے ہوئے پھلواری کے ختم ہوتے ہوئے اونچی بلندیوں کی طرف جا رہی تھی۔

اسد کے پاس کچھ لوگ آئے بیٹھے تھے۔ ان میں کچھ تاجر اور منشی بھی تھے۔ کچھ کاروباری باتیں تھیں شاید..... کیوں کہ انہوں نے اسد کی ماں کو بھی وہیں بلا لیا تھا۔

سب باتوں میں مصروف تھے۔ اسد برائے نام ہی باتوں میں حصہ لے رہے تھے۔ مینا کی تو کوئی دلچسپی ہی نہ تھی۔ اس لیے وہ باہر آ گئی تھی۔

بہت دنوں بعد اس نے موسم کا یہ حسن اور فضا کا یہ سحر دیکھا تھا۔ بے اختیار جی چاہ رہا تھا کہ اپنا ترک کیا ہوا مشغلہ پھر سے شروع کر دے۔ قدرت کے اس حسن کو رنگوں اور برش سے کینوس میں ہمیشہ کے لیے مقید کر دے۔

لیکن وہ ایسا نہ کر سکی۔ قدرتی نظاروں کو صرف آنکھوں میں ہی بھر لینے پر اکتفا کیا۔ وہ کچھ دیر بڑے سے پتھر پر جس کے اردگرد سبزہ اور پھول تھے بیٹھی رہی۔

اس کے ذہن میں اسد ہی بسے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ انہیں یہاں سے آئے..... اور ایک ایک چیز کے متعلق اتنی تفصیل سے بتائے کہ انہیں اپنی بینائی سے محرومی کا احساس ہی نہ رہے۔

وہ کافی دیر وہاں بیٹھی رہی..... سحر انگیز ماحول میں کھوئی کبھی بے تکی اور کبھی تکی باتیں سوچتی رہی۔

گھنٹہ بھر بعد وہ اسد کے کمرے میں آئی..... لوگ اٹھ کر جا چکے تھے۔ صرف ناصر بیڈ کی پائنتی کی طرف بیٹھا ان کے سوجھن زدہ پاؤں کو آہستہ آہستہ دبا رہا تھا..... اسد بستر پر لیٹے یا کرسی پر بیٹھے تھک جایا کرتے تھے۔ ناصر اکثر انہیں دبایا کرتا تھا..... وہ کمرے میں آئی..... باہر کی فضا کے مقابلے میں یہاں قدرے گھٹن تھی۔

''اسد۔'' اس نے انہیں پکارا۔

''جینا۔'' اسد ایک دم کہہ اٹھے۔

وہ بڑبڑائی..... ناصر جلدی سے بولا۔ ''جینی بی بیا ہیں جی۔''

اس نے اپنی دانست میں اپنا فرض ادا کیا..... اسد نے جھک کر اپنا پاؤں کھینچ لیا۔

''کیوں چھوٹے صاحب جی۔'' وہ گھبرا گیا۔

''بس کرو۔''

''اچھا جی۔''

وہ بیڈ سے پرے ہٹ گیا۔

''جینی۔'' اسد کے چہرے پر خوشگوار تاثرات نہیں تھے۔

''جی۔''

''کہاں تھیں تم؟''

''باہر۔''

وہ چپ ہو گئے..... تو وہ بولی۔ ''باہر بڑا خوشگوار موسم ہے۔ آپ باہر جانا پسند

کریں گے۔"

"ہاں..... میں یہاں کافی بوریت محسوس کر رہا ہوں۔"

"حویلی کے پچھلے چمنوں میں پھلدار درختوں تلے بڑی معطر ہوا رینگ رہی ہے۔ سبزے اور پھولوں کی خوشبو آپ پسند کریں گے۔"

"چلو..... لے چلو مجھے۔"

"اٹھیے۔"

اسد نے ہاتھ بڑھایا۔ بینا نے ناصر کو اشارہ کیا..... ناصر نے انہیں ہاتھ سے تھام کر اٹھایا۔

"وہیل چیئر پر بٹھا دو۔" بینا نے کہا۔

"اچھا جی۔" ناصر نے مودبانہ انداز میں کہا۔

"چیئر تم پکڑو گی۔" اسد کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

بینا مسکرائی اور بولی۔ "جہاں میں آپ کو لے جانا چاہتی ہوں۔ وہاں ناصر ہی لے جائے گا۔"

"تم کیوں نہیں۔"

"اسد میں آپ کو دامن کہسار کی اونچی بلندی پر لے جاؤں گی۔"

"وہاں؟"

"ہاں۔"

"کیوں؟"

"وہاں بڑا ہوشربا منظر ہے۔"

"تصویر کشی کرو گی۔"

بینا نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "میں سب کچھ آپ کو اس طرح بتاؤں گی کہ آپ سمجھیں گے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔"

"اچھی آرٹسٹ ہو۔"

"جی۔"

"منظر کشی اک فنکاری ہی کر سکتا ہے..... مجھے اعتراف ہے کہ میرے خاوند نے تمہیں فنکارہ بنا دیا۔"

وہ چپ رہی۔

"کیا غلط کہہ رہا ہوں۔"

"کیا پتہ۔"

"تم کیا سے کیا بن گئیں..... محض میری آنکھیں کھونے سے۔"

"اسد..... لے چلیں آپ کو۔" اس نے بات بدلی۔

"ہاں۔" اسد زیر لب مسکرائے۔

بینا نے چیئر کو دھکیلا۔

"میں لے چلوں چھوٹی بی بی۔"

"تم ساتھ آؤ..... بیرونی چمن تک میں لے چلتی ہوں۔ آگے تم۔ میں چیئر ڈھلان پر نہیں لے جا سکوں گی۔"

اسد چپ رہے..... بینا چیئر دھکیلتی کوٹھی کے [illegible] طویل برآمدے طے کیا۔ اسد نے اس دوران کوئی بات نہیں کی..... بینا بھی چپ تھی۔ ناصر پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

برآمدے سے چمن تک چیئر جانا ہوتی ہے آئی۔ [illegible] بچے کھیل رہے تھے..... فاروق کے بیوی بچے اور رابعہ بھابھی کل سے آئی ہوئی تھیں۔ ملازموں کے بچوں کے ساتھ ان چار پانچ بچوں نے طوفان اٹھا رکھا تھا۔ کرکٹ کھیلی جا رہی تھی۔ شور شرابہ خوب مچا ہوا تھا۔

"کچھ دیر یہاں رکو گی نہیں۔" اسد نے پوچھا۔

"کیوں؟"

"بچے کھیل رہے ہیں نا۔"

"ہاں فاروق بھائی کے بچے ہیں اور رابعہ بھابھی کے تین بیٹے بھی کھیل میں مصروف ہیں..... رخسانہ پھپھی کی دونوں بچیاں بھی ہیں..... رحمت سلطانہ اور مالی کے بچے بھی ہیں۔"

''میں تمہاری آنکھوں کے توسط سے انہیں دیکھ رہا ہوں۔''

بینا رک گئی تھی..... وہ بچوں کے لباسوں کے رنگ اور ان کی حرکات کے متعلق اسد کو تفصیل سے بتانے لگی۔

اچانک رابعہ کا بڑا بیٹا ان کی طرف آ گیا۔ ''انکل اسد۔''

بینا پر گھبراہٹ سی طاری ہوئی..... کہیں وہ اس کو بھی ہم لے کر نہ پکارے۔ وہ جلدی سے بولی۔ ''اسد یہ رابعہ بھابھی کے بڑے بیٹے توصیف ہیں۔''

''اچھا..... اچھا کیسے ہو بیٹے۔''

''انکل..... آپ بائکل بھی نہیں دیکھ سکتے۔''

''اندھے ہو گئے ہیں۔'' رحمن کی چھوٹی گول مٹول سی بیٹی توصیف کے برابر آ کھڑی ہوئی۔

''انہیں کچھ بھی نظر نہیں آتا توصیف۔''

''بھاگو بچو..... جاؤ کھیلو۔'' بینا نے جلدی سے کہا۔

اسد بڑے کرب سے مسکرائے۔

بینا نے سختی سے آنکھوں وہاں سے بھاگ جانے کا اشارہ کیا۔

''اچھا آنٹی جاتے ہیں۔'' توصیف نے کہا۔

ان کی دیکھا دیکھی باقی بچے بھی ادھر آنے کو تھے..... بینا نے سب کو ہاتھ کے اشارے سے واپس کر دیا۔

پھر وہ تیزی سے چیئر آگے لے گئی۔

اسد اداس ہو گئے..... بینا انہیں موسم اور فضا کی رنگینی کے متعلق تفصیل سے بتانے لگی۔

پھر وہ انہیں ناصر کی مدد سے دامن کہسار کی کچھ اونچائی پر لے گئی..... ناصر کی مدد سے اسد اس بڑے سے پتھر پر بیٹھ گئے جس پر پھولوں سے لدی درختوں کی شاخیں جھک آئی تھیں اور جس کے اردگرد سبزے کے بطن سے لاتعداد خوشبودار سرخ پھول پھوٹ نکلے تھے..... کچھ فاصلے پر پہاڑی ندی اٹھلاتی لہراتی اونچائی سے نیچے کی طرف جا رہی تھی۔ پانی

گرنے کا ہلکا ہلکا شور بڑا مترنم تھا۔ معطر ہواؤں میں مترنم شور رچ بس جائے تو فضا کتنی رومانی ہو جاتی ہے۔ احساس کے پردوں پر یہ رومانی نرماہٹ بخوبی محسوس کی جاتی ہے۔

بینا نے ناصر کو کچھ پھل لانے کو کہا۔

"ٹرے ٹیبل میں لانا۔"

"بہت اچھا جی۔"

وہ چلا گیا..... تو اسد بولے۔ "پکنک کا پروگرام ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "یہی سمجھ لیں..... آج بے حد خوبصورت فضا ہے۔"

"رومان پرور۔" اسد مسکرائے۔

وہ محجوب سی ہو کر انہیں تکنے لگی۔

اسد چند لمحے چپ رہے..... وہ پتھر پر بیٹھے کسی دیوتا کا روپ دھارے لگ رہے تھے۔ سیاہی مائل نیلے شلوار کرتے اور اسی رنگ کی جیکٹ میں ان کا وجود بڑا پروقار اور وجیہہ لگ رہا تھا..... پٹیوں اور پلستر نے دیکھنے والی ہمدردی کا احساس جگایا ہوا تھا۔

بینا کو ان پر ٹوٹ کر پیار آ رہا تھا..... جینی بن کر ہی سہی..... وہ قربتوں کی مہکتی لذت سے آشنا تو ہو گئی تھی۔

"جینی۔" اسد چند لمحوں بعد بولے۔

"اس خوبصورت اور دلفریب منظر کی تصویر نہیں بناؤ گی۔"

"جی۔" وہ ایک دم چونکی..... گھبرا کر اسد کو دیکھا..... اسد خود ہی بولے۔ "مجھ سمیت سارا خوبصورت منظر کیمرے کی آنکھ میں بند کر لو۔"

"یادگار لمحوں کو جامد ہو جانا چاہیے۔"

بینا کی جان میں جان آئی۔ آہستگی سے بولی۔ "ضرور۔"

"بینا بڑی اچھی تصویریں بناتی ہے۔" وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولے۔

"ہاں۔"

"اس کے چند شوق مجھے بہت پسند ہیں۔"

"کون سے؟" بینا تجسس سے بولی۔

"تصویریں بنانا اور..... ستار بجانا۔"

"ہوں۔"

"تمہیں نہ تو تصویریں بنانے کا شوق ہے..... نہ ہی ستار سے کوئی دلچسپی۔"

وہ ہڑبڑائی..... لیکن جلد ہی پرسکون ہو گئی..... ناصر پھل لے کر آ رہا تھا..... بات بدلی جا سکتی تھی..... وہ آہستگی سے بولی۔ "اپنا اپنا ذوق ہی ہے نا۔"

"تمہاری دنیا بینا کی دنیا سے مختلف جو ہے۔"

"شاید۔"

"رک رک کر بہتے ہوئے بہتی ندی اور چاندنی راتوں میں سمندری لہروں کے بپھرنے میں جو فرق ہے نا۔"

وہ خاموش رہی۔

"دونوں بہنوں میں ہے۔"

"ناصر ادھر لاؤ۔" بینا نے ان کی بات کا جواب دینے کی بجائے ناصر سے کہا۔

اسد خاموش ہو گئے۔ ناصر نے ٹرے ٹیبل جس پر سیب اور کینو وغیرہ رکھے تھے بینا کے قریب رکھ دی۔

"ناصر ممی سے کہو میری الماری سے کیمرہ نکال دے۔" بینا نے ٹرے سنبھالتے ہوئے کہا۔

"سچ مچ تصویر لو گی۔" اسد نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"اچھی بات ہے یادگار رہے گی۔"

ناصر چلا گیا۔ بینا کیمرہ چھیلنے لگی۔

دونوں پھر تنہا رہ گئے۔ شاید اسی تنہائی کے حوالے سے اسد نے کہا۔ "ہم اپنی اپنی ذات کے اندر کس قدر تنہا ہوتے ہیں۔"

"جی۔" بینا نے حیرانگی سے انہیں دیکھا۔

"کبھی کبھی تنہائی ہمارے اندر خودرو جھاڑیوں کی طرح خود بخود اگ آتی ہے۔"

''یہ تو اس صورت میں ہوتا ہے جب کسی کا کوئی نہ ہو..... آپ کے تو سب ہیں۔''

''ہاں ہیں تو..... پھر بھی..... جانے کیوں..... عجیب سی ٹینشن ہوتی رہتی ہے۔''

''نہیں ہونی چاہیے۔''

''اس لیے کہ تم میرا ساتھ دے رہی ہو۔''

''ہاں۔''

وہ اطمینان سے مسکرائے..... پھر بولے۔ ''کبھی کبھی یوں لگتا ہے جیسے بندھن کے ناطے ٹوٹ گئے ہیں..... مجھ سے سب دور ہو گئے ہیں، بہت دور۔''

وہ بڑے دکھ سے بولی۔ ''شاید بعض خلا ایسے ہوتے ہیں جنہیں پوری کوشش سے بھی پُر نہیں کیا جا سکتا۔''

اسد کے چہرے پر بشاشت کے آثار تھے..... یوں لگتا تھا جیسے وہ اسے تنگ کرنے کو ایسی باتیں کر رہے ہوں۔

بینا نے کیو پلیٹ میں رکھ کر ان کی طرف بڑھایا۔ ''لیجیے کیو۔''

''ہاتھ میں پکڑا دو۔''

بینا نے پلیٹ ان کے ہاتھ میں پکڑا دی۔ اسد نے دانستہ اس کی انگلیوں کو اپنی انگلیوں سے چھو لیا۔

مسکراہٹ لبوں میں دباتے ہوئے انہوں نے کہا۔ ''شکریہ۔''

بینا ان کی طرف بغور دیکھنے لگی۔

دو تین گھنٹے انہوں نے وہاں گزارے۔ کھانے کے وقت تک دونوں واپس لوٹ آئے۔

آج اسد بڑے مطمئن اور پرسکون نظر آ رہے تھے۔

O☆O

ڈھیر سارے دن گزر گئے تھے..... بینا جینی کا روپ دھارے اسد کی قربتوں میں پگھل رہی تھی..... انہیں سکون دینے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔

''بند کرو جینی۔ یہ گانا مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔'' اسد نے اٹ پٹانگ گیت ناپسند کیا۔

''کوئی اور کیسٹ لگا دوں؟'' وہ بولی۔

''کوئی اور؟'' اسد نے پوچھا۔

''ہاں جو پسند ہو۔'' اس نے ہولے سے کہا۔

''غزل؟'' اسد کے منہ سے نکلا۔

''بہت اچھی غزلیں ہیں۔'' وہ خوشی سے بولی۔

''لگا دو۔'' اسد نے کہا۔

''اچھا۔'' بینا نے جواب دیا..... کرسی پر بیٹھے اسد کو بھرپور نظروں سے دیکھا۔

وہ ڈیک کے قریب کھڑی تھی۔ اس نے اپنی پسندیدہ غزلوں کی کیسٹ نکالی۔ اگلی کیسٹ بٹن دبا کر نکال لی..... اور دوسری لگا دی۔

تھوڑی دیر بعد کمرے میں ایک پرسوز آواز میں خوبصورت سی غزل لہریں لے رہی تھی..... بینا کو اس فنکار کے گیت اور غزلیں بے حد پسند تھے۔ آواز دل میں اترنے والی تھی۔ غزلوں کا انتخاب لاجواب تھا۔ ہر بول احساس کے تاروں کو چھو جاتا تھا۔

اسد آنکھیں بند کیے بیڈ پر بیٹھے تھے۔ اب وہ بستر سے نکل کر کرسی پر بیٹھنے لگے تھے..... وہیل چیئر پر کمرے سے باہر بھی انہیں لے جایا جاتا تھا۔ پاؤں میں ابھی تکلیف تھی

اور سر جن نثار کا خیال تھا..... کہ ایڑی کے اوپر نخدن کا آپریشن کرنا پڑے گا۔ پاؤں پر زیادہ دباؤ ڈالا ہی نہیں جا سکتا تھا..... ٹیسیں اٹھنے لگتی تھیں..... اسی لیے وہیل چیئر پر باہر کی تازہ اور خوشگوار فضا میں کچھ دیر کے لیے چلے جاتے تھے۔ سر کا زخم اب بہتر ہونے کا نام ہی تھا۔ چند دنوں میں پٹی اترنے والی تھی..... بازو کا پلستر ابھی نہیں اترا تھا۔ اس کے لیے انہیں مزید کچھ دن تکلیف سہنا تھی۔

نرسنگ اردلی نے اسد کی ڈریسنگ کرنے کے بعد انہیں کرسی پر بٹھا دیا تھا۔ بینا نے بیرونی کھڑکی کھول دی تھی اور سنہری دھوپ کی آمد میں بیٹھے اسد بینا سے باتیں کر رہے تھے..... غزل واقعی بے حد مرصع تھی۔ آواز کا جادو جاگ رہا تھا..... ہر لفظ گویا بینا کے جذبات کی ترجمانی کر رہا تھا..... وہ ڈیک کے قریب قالین پر بیٹھی تھی اور چند فٹ کے فاصلے پر بیٹھے اسد کو تکتے ہوئے سوچوں میں گم تھی..... کاش اسد اور اس کے درمیان اجنبیت کی کوئی دیوار نہ ہوتی..... چینی کا بہروپ نہ بھرنا پڑتا..... تو کتنی خوشگوار قربت ہوتی۔

سوچوں سے وہ اس وقت چونکی جس وقت اسد نے دوسری مرتبہ پکارا۔

''چینی..... کیا کمرے سے چلی گئی ہو۔''

''کیوں؟''

''میری آواز نہیں سن رہیں۔''

''آپ نے مجھے بلایا؟''

''ہاں۔''

''سوری..... میں نے نہیں سنا۔''

اسد کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکان پھیل گئی۔ بولے ''غزل کے سحر میں کھو گئی ہو۔''

''ہاں۔'' بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا۔

''چینی۔''

''جی۔''

''ایک بات بتاؤ۔''

''کیا؟''

''تمہاری پسند..... اتنی بدل کیوں گئی ہے؟''

''میری پسند۔'' بینا حیران ہوئی..... لیکن جلد ہی محتاط ہو کر بولی۔ ''ہاں۔''

وہ دھیرے سے مسکرائے۔

''کہاں وہ پاپ میوزک..... اسکو پارٹی میوزک۔''

''وہ..... وہ اپنی جگہ..... یہ اپنی جگہ۔''

''ہوں۔''

وہ چپ ہو گئے..... پھر آہستگی سے بولے۔ ''لگتا ہے میرے حادثے نے تم پر ضرورت سے زیادہ ہی اثر کیا ہے۔ تم مجھے بہت بدلی بدلی لگتی ہو..... میں یہی محسوس کرتا ہوں۔''

بینا کا دل تڑپ اٹھا..... جی چاہا چیخ چیخ کر کہہ دے یعنی تمہاری خاطر بدلنے والی نہیں ہے..... تم اسے عزیز ہو لیکن تمہارے لیے وہ اتنی بڑی قربانی کا سوچ بھی نہیں سکتی..... خدمت گزاری تو میرا شعار ہے۔ تمہارے حادثے نے تو میری کایا پلٹی ہے..... میں تمہاری خاطر وہ بہروپ بھرے ہوئے ہوں جس کا میں سوچ بھی نہ سکتی تھی..... میں نے تمہارے لیے اپنی کئی عادتیں بدل ڈالی ہیں۔ اپنے آپ کو شمع کی طرح پگھلا پگھلا کر نئے سانچے میں ڈھال رہی ہوں۔

کاش کاش۔

تمہیں بتا سکتی..... تم سے کہہ سکتی..... تمہیں اپنے گہرے اور بھرپور جذبوں کا احساس دلا سکتی۔

ایک غزل ختم ہو گئی تھی۔ اب دوسری شروع ہونے والی تھی۔ ساز بدل رہے تھے۔ نئر ڈھلنے کو بے تاب تھے۔

''تمہارا ذوق بہت بلند ہے۔'' اسد بولے۔

''جی؟'' وہ حیرانگی سے انہیں تکنے لگی..... اسے یوں لگا جیسے یہ بات وہ اسے صرف کہہ رہے ہیں۔

''بہت اچھی غزل تھی۔''

''ہاں۔''

''میں اسے پھر سنوں گا۔''

''ریورس کروں۔''

''ہاں۔''

بینا اٹھی اور کیسٹ ریورس کرنے لگی۔

اسد کچھ بے چین بے چین سے نظر آنے لگے۔

غزل دوبارہ شروع ہوئی۔ اس دفعہ کچھ زیادہ ہی اثر انداز ہوا..... دونوں چپ چاپ بیٹھے غزل سنتے رہے۔

جب غزل ختم ہوئی تو اسد نے کرسی کی پشت پر گردن ڈالتے ہوئے کہا۔ ''بس اب بند کر دو۔''

''اور غزلیں نہیں سنیں گے؟''

''اس کے بعد کچھ اور سننے کی ضرورت نہیں رہی۔''

''جی۔''

وہ گردن کرسی کی پشت سے اٹھاتے ہوئے بینا کی آواز کی سمت تکنے لگے۔

بینا کو کچھ جھرجھری سی آ گئی۔

خاموشی دھیرے دھیرے سمٹتی رہی۔ دونوں کے دل ہولے ہولے دھڑک رہے تھے۔

اور کوئی بات نہ ہو سکی..... دادی ماں بختو اور امینہ کا سہارا لیے اسد کو دیکھنے آ گئیں۔ موضوع بدل گیا..... وہ کافی دیر ان کے پاس بیٹھی رہی۔ اسد کرسی سے بستر پر آ گئے..... اور دادی ماں کی گود میں سر رکھ کر بچوں کی طرح مچلتے رہے۔ یہ روز ہی کا معمول تھا..... بینا جتنی دیر دادی ماں اسد کے پاس رہتیں، کمرے سے چلی جاتی..... کبھی کوئی ادھورا کام مکمل کر لیتی۔ کبھی بستر میں کمر سیدھی کرنے جا لیٹتی اور اپنے آئندہ پروگرام کی ذہنی ریہرسل کرنے لگتی۔

ان دنوں بہار کی مہک فضا میں رچی تھی۔ ہوائیں خوشبوؤں سے لدی تھیں۔ تا حد نگاہ سبزہ اور پھول ہی پھول نظر آتے تھے۔ نیلے آسمان پر سونے ایسی دھوپ بکھری ہوئی تھی..... بہت ہی خوبصورت موسم تھا..... حسن ہی حسن تھا چہار سو۔

اسد بستر ہی میں تھے۔ نرسنگ اردلی نے انہیں شیو کے بعد منہ ہاتھ دھلا کر لباس تبدیل کروایا تھا۔ وہ تازہ دم نظر آ رہے تھے۔ ڈریسنگ بھی کی تھی..... سر میں زخم ہونے کی وجہ سے بالوں کی کٹنگ نہ ہو سکی تھی۔ بال کافی بڑھ چکے تھے۔ وہ کروٹ کے بل لیٹے تھے ذہن میں سوچیں رینگ رہی تھیں۔

''اسد۔'' بینا نے کھڑکی میں کھڑے معطر ہواؤں کو اندر جذب کرتے ہوئے کہا۔

''ہوں۔''

''باہر چلنا پسند کریں گے۔''

''بہت خوبصورت موسم ہے۔''

''خوبصورتی میرے لیے بھیانک سیاہ دھبہ بن چکی ہے۔''

''غلط بات۔''

''کیوں؟''

''میں آپ کو بتانے کے متعلق آتی تفصیل سے بتاؤں گی..... کہ آپ کو دیکھنے کا احساس نہیں ہوگا۔''

اسد چند لمحے چپ رہے..... پھر پراسرار سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر پھیل گئی..... دھیرے سے بولے۔ ''میں تم جان ہوتا ہوں۔ تم کتنی بدل گئی ہو..... اور..... بدلتی جا رہی ہو۔''

بینا نے پلٹ کر اسد کی طرف دیکھا۔ ان کی باتوں سے واضح مطلب اخذ کرنے کے لیے وہ پھیکی پھیکی آنکھوں سے انہیں تکنے لگی۔

''چلو..... لے چلو مجھے باہر۔'' اسد چند لمحوں بعد بولے تو وہ بیڈ میں اٹھ بیٹھے۔

''وہیل چیئر لاؤں۔'' بینا ابھی تک کچھ بکھری بکھری تھی۔

''نہیں۔''

''تو پھر کیسے جائیں گے۔''

''تمہارے سہارے۔''

''ج..... جی۔''

اسد پھر مسکرائے۔

"ادھر آؤ نا..... میرا ہاتھ تھام لو۔"

بینا کا دل بڑی تیزی سے دھڑکا..... اس تصادم سے تو وہ فرار ہونے کی برابر کوشش کیا کرتی تھی۔

"آپ وہیل چیئر پر بیٹھ جائیں..... چلنا آپ کے لیے مضر ہوگا۔"

"میں پاؤں پر زیادہ دباؤ نہیں ڈالوں گا..... اور اب تو کافی افاقہ بھی ہے۔"

"لیکن۔"

"ادھر آؤ۔" اسد نے قدرے تلخی سے جھنجلا کر کہا۔

بینا خوفزدہ سی نظر آئی..... سحر زدہ سی آگے بڑھی..... لیکن اسد کا ہاتھ تھامتے ہوئے اسے حجاب آیا..... شرم سے وہ پانی پانی ہوئی جا رہی تھی۔ ماتھے اور ہاتھوں میں پسینے کی نمی تھی..... جسم لرز رہا تھا۔

اسد نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھا رکھا تھا..... اور پلنگ سے اترتے ہوئے پاؤں سے ٹٹول کر چپل تلاش کر رہے تھے۔

بینا سے جانے کھڑا رہا جا سکا یا خود ہی جھک گئی..... اس نے پنجوں سے چپل اسد کے قدموں میں رکھ دیے اور یوں چپل رکھتے ہوئے اس کی انگلیوں کی ٹھنڈی پوریں اسد کے پاؤں سے مس ہو گئیں۔

جھک کر اس نے ہاتھ بڑھا لیے۔

اور

ہاتھوں کا لمس اسد کو سرور بخش گیا۔ وہ مسکراہٹ لبوں میں دبانے کی کوشش کرتے ہوئے بولے۔ "بینی..... میرا ہاتھ نہیں تھام لو گی۔"

بینا تذبذب کے عالم میں کھڑی تھی کہ اسد خود ہی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

لیکن

چکر سا آ گیا..... وہ لہرائے..... گرنے کو تھے

کہ

مینا نے بلا سوچے سمجھے تیزی سے آگے بڑھ کر انہیں تھام لیا۔ جس تیزی سے اس نے انہیں تھاما..... اسی تیزی سے اسد نے اپنا بازو اس کے گرد لے جاتے ہوئے اسے لپیٹ سا لیا..... بازو کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ مینا کا نرم و گداز جسم اسد کے مضبوط جسم میں جیسے دھنس گیا۔

اس لمحاتی حادثے نے اس کے ہوش و حواس زائل کر دیئے۔ اس کی جذباتی دنیا میں طوفانی ہلچل مچ گئی..... وہ جلدی سے ان سے الگ ہو گئی اور ان کا ہاتھ پکڑ کر گھبراہٹ میں بولی۔ ''آپ نہ اٹھئے..... لیٹ جایئے..... لیٹ جایئے۔''

اسد نے اپنے ہاتھ کا پورا دباؤ اس کے نازک ہاتھ پر ڈالا..... پسینے کی نمی اور کپکپاہٹ محسوس کر کے وہ مسکرائے جا رہے تھے۔

وہ پلنگ پر بیٹھ گئے۔

اور

مینا اپنا آپ چھڑا کر کمرے سے نکل بھاگی۔

کئی لمحوں بعد اسد نے آواز دی۔ ''مینی۔''

کوئی جواب نہ ملا۔

تو..... وہ۔

مسکراہٹ پر قابو پاتے ہوئے بستر میں لیٹ گئے۔

○☆○

اسد بیڈ کے چوبی تکیے کے ساتھ فوم کے موٹے تکیے اوپر تلے رکھے نیم دراز تھے..... ان دنوں وہ بہت خوش رہتے تھے..... یوں لگتا تھا انہوں نے اپنی ہر محرومی سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ بہت کم مایوسی کی باتیں کرتے تھے..... مینا ان کے دم کے ساتھ دم دے رہی تھی..... اب بھی کمرے میں کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔

''جینی۔'' اسد نے آواز دی۔

''جی۔'' وہ وہیں سے بولی۔

''تم کیا کر رہی ہو؟''

''کچھ نہیں۔''

''کہاں ہو؟''

''کھڑکی سے باہر دیکھ رہی ہوں۔''

''کیا دیکھ رہی ہو؟''

''نیلا آسمان..... دھوپ' پرندے' سبزہ..... پھول۔''

''بہت رومانٹک ہو رہی ہو۔''

''جی؟''

''اتنی حواس باختہ سی کیوں رہتی ہو آج کل۔''

''نہیں..... نہیں تو۔''

''ادھر آؤ نا۔''

''جی..... جی آتی ہوں۔''

''کچھ پڑھ کر ہی سناؤ۔''

''نیوز کا وقت ہو رہا ہے..... ریڈیو آن کر دوں۔''

''کیا کروں گا خبریں سن کر۔''

''کیا سننا پسند کریں گے۔''

''دل کی باتیں۔''

''جی..... کی۔''

مینا کے بوکھلا جانے پر اسد نے قہقہہ لگایا۔

وہ چپ رہی..... ہراساں ہراساں اسد کو تکنے لگی..... اسے خدشہ محسوس ہوا۔

''کہیں اسد اندھے ہونے کی اداکاری تو نہیں کر رہے۔''

لیکن

یہ خدشہ بے بنیاد تھا۔ ڈاکٹر نقی آج صبح دادی ماں سے صلاح و مشورے کے لیے آئے تھے..... اسد کو علاج کے لیے وہ امریکہ بھیجنا چاہتے تھے۔ وہاں کے مشہور آئی سپیشلسٹ اور سرجن ڈاکٹر ہنری ڈاک اور ڈاکٹر بیرن سے انہوں نے بات طے کر لی تھی۔ ان کے خیال میں اگلے ماہ اسد کو وہاں ہونا چاہیے تھا۔ وہ سارے انتظامات مکمل کر رہے تھے۔

''جینی۔'' چند لمحے جیسے وہ اندر ہی اندر محظوظ ہوتے رہے تھے۔

''جی۔''

''تم مجھ سے کترانی کیوں ہو؟''

''ایسی کوئی بات نہیں۔''

''پھر کھل کر باتیں کیوں نہیں کرتیں؟''

''کرتی ہوں۔''

وہ ہنسے اور بولے۔ ''کیا واقعی بدل گئی ہو۔''

''کیا مطلب؟''

''مجھے تو لگتا ہے..... لگتا ہے۔'' وہ دانستہ چپ ہو گئے۔

"کیا لگتا ہے۔" بینا کے منہ سے سرگوشی کی سی آواز نکلی۔

"جیسے..... جیسے تم..... بینا بجتی جا رہی ہو۔" وہ بولے۔

"جی۔" بینا کی آواز لرز گئی..... اسے تھرتھری سی آ گئی..... پوری آنکھیں کھول کر اس نے حیرانگی سے انہیں دیکھا۔

"ہاں سچ کہہ رہا ہوں..... ہر وقت کام کام..... خدمت..... اطاعت..... قناعت۔" وہ ہنس پڑے۔

بینا نے الجھتی سانسوں کے درمیان بے ساختہ کہا۔ "بری باتیں ہیں سب؟"

"نہیں..... میں نے کب کہا۔"

"پھر؟"

"تم نے یہ خصوصیات اپنائی ہیں..... اس لیے عجیب لگتا ہے۔"

بینا نے اک گہرا سانس لے کر اوسان بحال کرتے ہوئے کہا۔ "سب کچھ بدل گیا ہے اسد۔ کاش آپ اس حادثے سے دوچار نہ ہوتے۔"

"اس حادثے سے دوچار ہو کر..... میں نے اگر کچھ کھویا ہے تو بہت کچھ پایا بھی ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولے۔

"کیا۔" اس کے لبوں سے نکلا۔

"تمہاری قربت..... تمہاری محبت..... تمہارے من..... تبدیلی۔"

بینا نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"تبدیلی کہنے میں شاید آپ حق بجانب ہیں۔" وہ جذبات میں بہتی جا رہی تھی۔

"لیکن..... قربت....."

وہ رک گئی..... اسد زیر لب مسکرائے..... پھر بولے۔ "تمہاری قربت حاصل تھی نہ محبت۔"

بینا پھر چونکی..... محتاط ہوئی آہستگی سے بولی۔ "جھوٹ مت بولیں۔"

"کیوں؟"

"سب سے آپ آئے ہوئے ہیں..... ہم قریب رہے ہیں۔"

"قربت اس حادثے نے بخشی ہے..... اس سے پہلے کی قربت کو میں قربت نہیں کہہ سکتا۔"

بینا چپ ہو گئی..... اک گہری سانس لی اور اسد کا منہ تکنے لگی۔ اسد بھی چپ ہو گئے تھے۔

کئی لمحے خاموشی چھائی رہی..... دل دھڑکتے رہے اور ذہنوں میں ہلچل سی مچی رہی۔

"اندر آ جاؤں سر۔" مولینہ کی آواز نے دونوں کو چونکا دیا۔

"یس۔" اسد مخمور لہجے میں بولے۔

"انجکشن دینا ہے۔"

"لگا لو۔"

مولینہ شین لیس سٹیل کی ٹرے میں دوائی، انجکشن اور دوسری چیزیں اٹھائے بیڈ کے قریب آ گئی۔

انجکشن دے کر اور دوائی کھلا کر وہ کمرے سے نکل رہی تھی کہ چند ملنے والے آ گئے۔ ان میں فاروق اور جمیل بھی تھے۔

بینا نے سب کا خیر مقدم کیا..... اور انہیں اسد کے کمرے میں چھوڑ کر خود وہ ماں کے پاس چلی گئی۔

ان دنوں اسے جانے کیا ہو رہا تھا۔ امید و بیم کی حالت رہتی تھی۔ وہ جب اپنے کمرے میں سونے یا لیٹنے کے لیے آتی..... تو اسد کی باتوں کو ذہن میں دہراتی..... ان کے انداز کو پرکھتی..... ان سے مطلب وضع کرنے کی کوشش کرتی۔

کبھی کبھی تو اسے واضح طور پر محسوس ہوتا کہ اسد جانتے ہیں کہ وہ چینی نہیں رہا ہے۔

لیکن

انہی کی کئی باتیں اس کی نفی بھی کر دیتی تھی۔

وہ سوچ سوچ کر کبھی پریشان ہو جاتی..... کبھی مطمئن و پرسکون۔ دن گزر رہے تھے۔

اس رات جب وہ اسد کو شب بخیر کہہ کر کمرے سے جانے لگی تو اسد بولے۔ "ذرا رکنا چینی۔"

''کیوں؟''

''یہ پٹی ذرا کس دو۔''

انہوں نے سر کی پٹی کی طرف اشارہ کیا۔

بینا آگے بڑھی۔

''ٹھیک ہے۔'' اس نے پٹی چھوئے بغیر کہا۔

''ذرا کس دو۔'' وہ چت لیٹے لیٹے بولے۔

بینا آگے بڑھی۔ جھکی اور ماتھے پر لگی گرہ کھولنے لگی۔ سوتی ململ کی کھردری پٹی کی گرہ بیٹھ چکی تھی۔ اسے گرہ کھولنے میں کچھ دشواری پیش آئی۔

اسد آنکھیں بند کیے لیٹے تھے۔

بینا نے ناخنوں کی مدد سے گرہ کھولی۔ وہ ان کے اوپر جھکی تھی اور اس کی لمبی چوٹی کندھے سے پھسل کر اسد کی چھاتی پر لہرا رہی تھی۔

اسد نے انگلیوں سے اس چوٹی کے سرے کو چھوا۔ [illegible] ہاتھ سے چوٹی سے ہاتھ مس کیا۔

بینا نے گرہ کھول کر پٹی قدرے کس دی۔

''بس۔'' وہ سیدھے ہوتے ہوئے بولی۔ [illegible] قریب ہونے سے وہ نروس سی ہو رہی تھی۔ اسد کی مخصوص پرفیوم اس کے حواس پر چھا گئی۔

''شکریہ۔'' اسد سنجیدگی سے بولے۔ وہ کچھ بے چین سے لگ رہے تھے۔

''اور کوئی کام۔'' اس نے ملائمت سے پوچھا۔

''بس شکریہ۔'' اسد سوچوں میں کھوئے ہوئے تھے۔

''خدا حافظ۔'' بینا نے آہستگی سے کہا۔

''خدا حافظ۔'' وہ اسی انداز میں بولے۔

وہ کمرے سے نکل گئی۔ نرسنگ اردلی اندر آ گیا۔ سسٹر مولیہ ساتھ والے کمرے میں جا چکی تھی۔

باہر چاندنی کا غبار پھیلا تھا۔ حویلی کا درمیانی لان چاندنی کے سحر میں ڈوبا

تھا.... فوارے سے پانی آہستہ آہستہ برس رہا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں جانے کی بجائے پتھریلے بنچ پر آ بیٹھی تھی۔

پھر

اس کا جی ستار بجانے کو چاہا.... اپنا یہ شغل تو وہ جیسے بھول ہی چکی تھی۔

وہ اٹھ کر گئی۔

اور ستار لے کر واپس آ گئی۔

فوارے کے قریب مرمریں منڈیر پر بیٹھ کر وہ ستار کے تاروں کو چھیڑنے لگی۔

فضا میں درد بکھرنے لگا۔

لطیف سا احساس گدگدایا.... اور وہ ستار کے سروں میں ڈوبتی چلی گئی۔

وہ دیر تک ستار بجاتی رہی.... بے نوا اور بے حد حزیں ہو کر مضراب سے تاروں کے سینے پر ضرب لگاتی رہی.... [illegible]

وہ اپنے آپ میں ڈوبی گئی۔

اسے احساس تک نہ ہوا تھا

کہ

ستار کے سروں سے بہنے والے درد نے اپنے کمرے میں لیٹے اسد کو بے کل و بے قرار کر دیا ہے.... اور دکھ کے سینے میں پگھل کر حساس جذبوں کو بے رحمی سے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

O☆O

''جینی۔''

''جی۔''

''میرا دل بہت اداس ہو رہا ہے۔''

''کیوں؟''

''پتہ نہیں کیوں۔''

''آپ کی پریشانی انشاءاللہ دور ہو جائے گی۔ امریکہ جانے اور آپریشن کروانے کے انتظامات ہو رہے ہیں۔''

''میں اپنی آنکھوں کی بات نہیں کر رہا۔''

''تو۔''

''دل کی بات کر رہا ہوں۔''

بینا کا چہرہ گلابی ہو گیا..... جینی بننے میں ایسے موڑ آتے جاتے تھے..... جہاں وہ چونک کر رک جاتی تھی..... یا بے تحاشا بھاگے چلی جاتی تھی۔

اسد کے لگنے کا معمولی سا آپریشن ہو چکا تھا..... پاؤں پر پٹی بندھی تھی۔ چند دنوں کے لیے پاؤں پر دباؤ ڈالنے سے ڈاکٹر نے منع کر دیا تھا..... سر کے زخم ٹھیک ہو گئے تھے..... کئی دنوں کے بعد انہوں نے آج کٹنگ کروائی تھی اور وہیل چیئر پر کمرے سے باہر نکلے تھے..... بازو کا پلستر بھی اتر چکا تھا۔ وہ اپنے آپ کو خاصا ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔ بینا انہیں حویلی کے بیرونی لان میں لے آئی تھی..... بہار بہار پہ آئی ہوئی تھی۔

ہوائیں مست خرام تھیں..... خوشبوؤں اور مہکوں سے لدی تھیں۔ سبزہ نکھرا ہوا تھا..... اور موسمی پھولوں پر جوبن پھٹا پڑتا تھا۔

جڑے سے چھتنار درخت کے سائے میں اسد وہیل چیئر پر بیٹھے تھے۔ بینا ان کے قدموں کے قریب گھاس پر بیٹھی تھی..... یہاں آنے سے پہلے اسد تھوڑی دیر کے لیے دادی ماں کی احوال پرسی کو بھی گئے تھے اور انہوں نے اسد کو ڈاکٹر نعمی سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کیا تھا۔

اسد کا امریکہ علاج کے لیے جانا ضروری تھا۔ اس سلسلے میں جو کچھ ہو رہا تھا..... دادی ماں نے انہیں بتایا تھا۔

"بینی۔" اسد بینا کی خاموشی سے اکتا کر بولے۔

"جی۔"

"تم چپ کیوں ہو جاتی ہو؟"

"میں۔"

"ہاں..... یہ جانتی بھی ہو کہ آج کل اس دنیا سے میرا اب صرف آواز کا رابطہ ہے۔"

"میں..... چپ تو نہیں ہوں۔"

"بننے لگی ہو بہت۔"

"وہ کیسے؟"

"تم اتنی ریزرو تو نہ تھیں۔"

"کوئی اور باتیں کریں اسد..... میں آپ کو کوئی افسانہ پڑھ کر سناؤں؟"

"نہیں۔"

"گانا سنیں گے۔"

"تمہارا۔"

"میرا؟"

"ہاں۔"

"میں نے کبھی گایا ہے؟"

''بہت..... سب کچھ بھولتی جارہی ہو..... تم تو اچھی خاصی سنگر ہو۔''

''اوہ۔'' مینا ایک دم محتاط ہوگئی..... وہ مینا تو نہیں جینی تھی نا۔ اسی حوالے سے باتیں کرنا چاہیے تھیں۔

''ایک بات پوچھوں جینی۔''

''پوچھیے۔''

''مینا کہاں ہے؟''

''مینا۔'' مینا کے لبوں سے مریل سی آواز نکلی..... منہ کھلا رہ گیا' چہرے کی رنگت پیلی پڑ گئی..... اس نے دونوں گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔

اسد نے خود ہی اس کی مشکل حل کر دی۔ آہستگی سے بولے۔ ''مجھے لگتا ہے وہ مجھ سے ناراض ہے۔''

''کیوں؟'' سہمی ہوئی آواز مینا کے لبوں سے نکلی۔

''میں نے اسے اپنے اردگرد محسوس ہی نہیں کیا۔ اس نے بھی مجھ سے بات تک نہیں کی..... آتی بھی ہوگی..... تو چپ چاپ۔''

''ہاں..... ہاں۔''

''اب مجھے دیکھنے آئی نا تو مجھے بتانا۔''

مینا پریشان سی ہو کر بولی۔ ''کیوں؟''

''میں۔ میں..... اچھا چھوڑو۔''

مینا نے گردن اٹھا کر انہیں دیکھا۔ وہ بے نور آنکھیں بھینچ رہے تھے۔

چند لمحے دونوں چپ رہے۔ یہ چپ بڑی گمبھیر تھی۔ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے..... مینا کے سامنے معاملے کا نیا پہلو آیا تھا۔ جب سے جینی گئی تھی..... وہ برابر جینی کا رول ادا کر رہی تھی۔ اس رول کی ادائیگی میں مینا پس منظر میں چلی گئی تھی..... اسے کبھی کبھی مینا بن کر بھی اسد کی احوال پرسی کر لینی چاہیے تھی۔

کیا عجب؟

کیا عجب کہ اسد کو یہی بات کھٹک رہی ہو۔

بینا کا ذہن خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ وہ کب تک بھٹی کا رول نبھائے گی۔
اس نے کیوں بھٹی بننا قبول کیا تھا؟
قربتیں محبتوں کی امین بن جاتی ہیں۔ کیا خبر وہ بینا رہتے ہوئے اسد کے اتنا قریب رہتی تو درمیان کی سنگلاخ چٹان بھربھری مٹی بن جاتی..... شاید اسی توقع کے سہارے وہ بولی۔ "اسد۔"
"ہوں۔"
"آپ کہہ رہے تھے..... بینا آپ کو دیکھنے آئے..... تو..... میں آپ کو بتاؤں۔"
"ہاں۔"
"کوئی خاص بات ہے؟"
"جلنے لگی ہو اس بیچاری سے۔"
"بیچاری۔"
"ہاں۔"
"آپ کو احساس ہے..... کہ..... وہ بیچاری ہے۔"
"ہوں..... کبھی..... کبھی..... میں سوچتا ہوں۔"
"کیا سوچتے ہیں۔"
"یہی..... کہ میں نے....."
بینا سننے کو بے تاب تھی لیکن وہ بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہو گئے۔
"بتائیں نا۔"
"تمہیں تجسس کیوں ہے بینا کے متعلق..... میری سوچیں جاننے کا۔"
"تجسس..... ہاں..... ہے۔"
"کیوں۔"
"بس..... یہ انسانی فطرت ہے۔"
"اگر میں اس کے بارے میں کوئی ایسی بات کہہ دوں جو تمہیں گراں گزرے..... تو۔"

بینا نے پھیکی پھیکی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

وہ دھیرے دھیرے مسکرا رہے تھے۔

"چھوڑو یار۔" اسد چند لمحوں بعد بولے۔ "آؤ اپنی باتیں کریں..... اس بوری لڑکی کا ذکر ہی نہ کریں۔"

بینا کے دل کی دھڑکن گویا تھم گئی..... چہرے پر بلا کی خاموشی کر چھا گئی..... جی چاہا چیخ چیخ کر رو دے۔

"سوائے اس کے کہ....." اسد چند لمحوں بعد بولے۔ "کہ وہ ستار بہت اچھی بجاتی ہے۔ اس میں کوئی خوبی نہیں۔"

بینا کی آنکھیں جلنے لگیں۔

اسد خود ہی باتیں کرنے لگے۔ "جینی ایک بات بتاؤں؟"

"جی۔" اس کے حلق میں آواز پھنس گئی۔ شاید اسد نے محسوس ہی نہیں کیا۔ وہ اپنی رو میں بولے گئے۔

"میں امریکہ میں تھا نا۔"

"ہوں۔"

"تو بینا میرے حواس پر چھائی رہتی تھی۔"

بینا نے پھر آنکھیں پھیلا کر دیکھا۔

وہ بولے۔ "لیکن یہاں آیا..... تو تم مل گئیں..... بینا نے مجھے..... مایوس کر دیا تھا..... میں نے اس کی دقیانوسی عادتوں کی وجہ سے اسے پسند نہیں کیا۔"

بینا کا دل پھٹ جانے کو تھا..... اس کے اندر کی عورت اس توہین پر تڑپ اٹھی..... اس کا جی چاہا..... بہروپ کا چولا اتار ڈالے۔

اسد خود ہی بولے۔ "لیکن جینی..... اب محسوس ہوتا ہے..... کہ میں..... میں غلطی پر تھا۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ حیرانگی سے انہیں تکے گئی۔

"سراب کے پیچھے بھاگنے والے کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔" اسد جیسے اپنے آپ سے کہہ رہے تھے۔

''اسد۔'' وہ جانے کیسے کہہ اٹھی۔

''ہوں۔''

''کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم کسی اور موضوع پر باتیں کریں۔''

اسد ہنس دیے۔

''اس موضوع پر کیوں نہیں؟''

وہ چپ رہی۔

اسد بولے۔ ''بعض اوقات دل پر ایک بوجھ سا محسوس ہوتا ہے۔ جو باتیں کرنے سے اتار پھینکا جاتا ہے۔ ہلکا ہو جاتا ہے۔''

''آپ بینا کے لیے دل پر بوجھ محسوس کر رہے ہیں؟''

''ہاں..... اپنی زیادتی کا خیال بوجھ سے کم نہیں۔''

''زیادتی کیسی؟''

''وہ کم گو اور بے زبان سی لڑکی ہے۔''

''اسی لیے جو ہے۔''

''نہیں، وہ تو میں نہ سمجھ سکا تھا۔''

بینا انہیں تکتی رہی۔ اسد کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ کیا کہنا چاہتے تھے۔ بینا سمجھ نہ پائی۔

اسد نے اس کے بعد کوئی بات نہیں کی۔ یوں لگتا تھا۔ کسی الجھن میں مبتلا ہیں۔

کئی لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔

پھر اسد بولے۔ ''میں تھک گیا ہوں۔''

''واپس لے چلوں کمرے میں۔''

''ہاں۔''

بینا اٹھی..... کپڑے جھاڑ کر گھاس کے تنکے چھڑائے۔ دوپٹہ ٹھیک کیا اور وہیل چیئر کی پشت پر آ گئی۔

''کسی کو بلا لو۔'' اسد نے کہا۔

''میں خود لے جاؤں گی۔'' اس نے کرسی کی پشت کو پکڑ لیا۔

''تم..... کتنی اچھی ہو۔'' اسد نے کہتے ہوئے اپنے ہاتھ کندھے سے پیچھے لے جا کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

بینا کے ہاتھ لرز گئے جنہیں اسد نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے پکڑ رکھا تھا..... اور وہ ان پر خوب دباؤ ڈال رہے تھے اور ہاتھوں کی لرزش اور نرمی محسوس کر کے مسکرا رہے تھے۔

بینا کی ساری ہستی تھرا گئی تھی۔

لیکن

نہ تو ہاتھ چھڑا سکتی تھی..... اور کچھ کہہ بھی تو نہ سکتی تھی۔

''میں تمہارا احسان مند ہوں۔'' اسد نے دونوں ہاتھ ہاتھوں میں پکڑ کر آگے کر لیے۔ صرف آگے کرنے پر ہی اکتفا نہ کیا۔

انہوں نے ان لرزتے کانپتے پسینے پسینے ہاتھوں کو بڑی عقیدت و احترام سے ہونٹوں سے مس کر لیا..... ان ہونٹوں سے جن پر ہمیشہ ہی [illegible] تھی۔

بینا پر جو بیتی..... وہ وہی جانتی تھی..... گنگ اور ساکت سی کھڑی رہ گئی۔

○☆○

شائستہ نے اپنی آمد کی اطلاع فون پر دے دی تھی۔ وہ ایک دن کے لیے آ رہی تھی..... فون تو اکثر آتے رہتے تھے۔ جینی بھی فون پر اسد کی خیریت بینا سے دریافت کر لیا کرتی تھی۔

بینا نے کئی دفعہ کہا تھا۔ ''تم کب آؤ گی۔''

وہ ہنس کر ٹال دیتی..... یہاں آنے کا اس کا پروگرام نہیں تھا۔ اب شائستہ بطور خاص آ رہی تھی۔ دادی ماں اور بینا اس کی آمد پر قیاس آرائیاں کر رہی تھیں۔

عنصر یو ایس اے سے واپس آ گیا تھا۔ اس نے جینی کے لیے پروپوزل دیا تھا..... جینی کی مرضی و خوشی شائستہ کو مقصود تھی۔ اسے عنصر بھی پسند تھا۔ اس لیے بات تقریباً طے ہی تھی۔

اب وہ ماں سے مل کر ان کی عزت افزائی کے لیے صلاح و مشورہ لینے آ رہی تھی۔

رات کھانے کے بعد وہ ماں کی خوابگاہ میں آ گئی..... کچھ دیر اسد کی باتیں ہوتی رہیں۔

''خدا کرے امریکہ میں ان کا آپریشن کامیاب ہو جائے۔'' ماں کی ساری باتیں سننے کے بعد وہ بولی۔

''ہاں دعا تو سب کی یہی ہے..... لیکن دل کو دھڑکا سا لگا رہتا ہے۔''

''اتنا فکر نہ کیا کریں..... آپ کی صحت پہلے ہی کونسی اچھی ہے اماں جانی۔''

وہ دکھ سے مسکرا دیں۔

شائستہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد مطلب کی بات ہونٹوں پر لے آئی۔

عنصر کے متعلق تفصیل سے انہیں بتایا..... جینی کی پسند کا بھی ذکر کیا۔

بیگم نفیسہ کمال بستر میں قدرے اونچی ہو کر بیٹھ گئیں..... بڑی سہ تالی اور سلجھی ہوئی جینی سے انہوں نے بیٹی کو دیکھا۔ وہ سوچنے لگیں۔

شائستہ کس طرح نئی تہذیب کے سانچوں میں ڈھل کر اپنا آپ ختم کر چکی ہے۔ اسے جذبوں کی قدر ہی نہیں۔ نہ ہی ان کی نزاکت کا احساس ہے۔ جینی اسد کی بجائے عنصر کو رفیق راہ و زندگی بنانے پر آمادہ ہو گئی تھی..... کیا شائستہ اک ماں کی حیثیت سے اسے گوارا نہ کر سکتی تھی..... اسد کو کس جرم کی سزا دینا مقصود تھی۔

اسی لیے وہ بولیں۔ ''شائستہ تمہیں علم تو ہے نا..... کہ اسد اور جینی میں کتنی قربت تھی۔ پیار تھا۔''

''اب بھی ہے۔'' وہ اپنے نظریے سے بولی۔

دادی ماں نے سر اٹھا کر اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ ''اسد جینی کو پسند کرتے ہیں۔ پیار کرتے ہیں۔ جینی کے جانے کے بعد محض ان کا دل رکھنے کے لیے بینا کو جینی بننا پڑا ہے۔''

شائستہ نے ہولے سے قہقہہ لگایا۔ ''ہاں جینی نے مجھے بتایا تھا۔'' وہ صرف اس کا منہ تکنے لگیں۔

''بینا واقعی بڑی اچھی طرح رول نبھا رہی ہے۔''

''لیکن۔''

''کیا اماں جانی؟''

''اسد کی آنکھوں کا آپریشن ہونے والا ہے۔''

''جی۔''

''خدا کرے ان کی بینائی لوٹ آئے۔''

''سب کی دعا ہے۔''

''آنکھیں دوبارہ مل گئیں..... تو بینا جینی نہ رہے گی۔''

''ہاں..... ہاں۔''

''حقیقت جان لینا ان کے لیے عذاب ہوگا..... اور یہ عذاب اور بھی کربناک ہوگا جب انہیں پتہ چلے گا..... کہ جینی اور مضر۔''

''اوہ اماں جانی..... مجھے صرف اور صرف جینی کی خواہش اور مرضی کے مطابق چلنا ہے۔ میں اسے اس کے خلاف مجبور نہیں کر سکتی۔''

تھوڑی دیر ماں بیٹی میں بحث ہوتی رہی..... شائستہ اپنی بات پر قائم رہی۔

دادی ماں نے سر اثبات میں ہلا کر آہستگی سے کہا۔ ''تم لوگ اپنے افعال کے مختار ہو۔''

شائستہ نے شکریہ کہا اور سونے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ دوسرے دن شائستہ واپس چلی گئی۔

اسد ان کے آنے اور جانے سے کچھ کچھ اخذ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

شام بینا ان کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ اسد کے سامنے بھی چائے رکھی تھی جسے ٹٹول کر وہ اٹھاتے اور چائے کا گھونٹ پی کر واپس رکھ دیتے تھے۔

''ساتھ کچھ لینا پسند کریں گے۔'' بینا نے پوچھا۔

''کیا ہے؟''

''کباب ہیں..... میٹھے بسکٹ بھی ہیں۔''

''کباب بینا بناتے ہیں کیا؟''

وہ ایک لمحہ چپ رہی پھر بولی۔ ''ہاں..... اس نے بنائے ہیں۔''

''پھر میں ضرور لوں گا۔''

بینا نے پلکیں جھپکا جھپکا کر انہیں دیکھا..... ان دنوں انہیں بینا کا اس طرح کیوں بار بار خیال آ جاتا تھا۔ وہ حیرانگی سے سوچنے لگتی تھی۔

بینا نے کباب ان کی پلیٹ میں رکھا..... کیچ اپ ڈالی اور کانٹا ساتھ رکھ کر پلیٹ ان کی طرف بڑھائی۔

انہوں نے ہاتھ اٹھایا..... اندازے سے پلیٹ کی طرف بڑھایا۔ بینا نے جلدی سے پلیٹ ان کے سامنے کر دی۔

"شکریہ۔" اسد نے پلیٹ پکڑ لی..... اور کانٹے سے کباب کھانے لگے۔

بینا کو ان پر ٹوٹ ٹوٹ کر پیار آ رہا تھا..... ہمدردی اور دکھ گڈمڈ ہو گئے تھے۔

چند دنوں سے اسد نے خود ہی کھانا پینا شروع کیا ہوا تھا۔ بازو کا پلستر اتر جانے سے اب وہ دونوں ہاتھوں کو استعمال کر سکتے تھے۔ اس لیے بہت سے اپنے کام خود کرنے لگے تھے۔

"ان کبابوں کی لذت ہی الگ ہوتی ہے۔" اسد بولے۔ "مجھے بینا کے ہاتھ کے کباب بہت پسند ہیں۔"

"واقعی۔" وہ بے اختیارانہ بولی۔

اسد زیرلب مسکرائے اور سر اثبات میں ہلا دیا۔

بینا بڑبڑائی۔ "کباب پسند ہیں۔ بینا ہی پسند نہیں۔"

اسد نے سن لیا۔ جلدی سے بولے۔ "عجیب سی بات ہے نا۔"

"کہ بینا آپ کو پسند نہیں۔"

"ہاں۔"

وہ چپ ہو گئی۔

اسد مسکرائے جا رہے تھے۔ آہستگی سے بولے۔ "چپ کیوں ہو گئیں۔ تم تو مجھے پسند ہو..... اور تم ــــ بینا..... تو نہیں ہو نا۔"

وہ سٹپٹا گئی..... شک بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔ وہ زیرلب مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یوں جیسے واقعی دیکھ رہے ہوں۔

"شائستہ آنٹی چلی گئیں۔" اسد نے بات ہی بدل دی۔

"جی۔" وہ بولی۔

"کیوں آئی تھیں؟"

بینا ایک دم کچھ نہ کہہ سکی۔

"لگتا ہے۔ یہ فلائنگ وزٹ کسی سپیشل ایم کے تحت تھا۔"

بینا نے انہیں غور سے دیکھا اور بڑی معصومانہ سادگی سے بولی۔

"اسد..... کہیں آپ اندھے ہونے کا بہانہ تو نہیں کر رہے؟"

وہ اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

وہ حیرانگی سے انہیں تکے گئی۔

وہ ہنستے چلے گئے۔

جب ہنسی ذرا رکی تو بولے۔ "یہ خیال تمہیں کیونکر آیا۔"

وہ آہستگی سے بولی۔ "کبھی کبھی مجھے ایسا ہی لگتا ہے۔"

"یعنی میں دیکھ رہا ہوں..... دیکھ سکتا ہوں۔"

"ہاں۔"

"دیکھ میں واقعی سکتا ہوں۔"

"جی؟"

"ہاں..... لیکن یقین مانو میری دونوں آنکھیں اندھی ہیں۔"

وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئے اور بولے..... "یہ ایک انتہائی تلخ تجربہ ہے۔ تلخ اور روح فرسا۔ کوئی بھی تصور نہیں کر سکتا کہ اندھیرے گھر پر کیا کیا قیامتیں ڈھاتے ہیں..... مجھے کس قدر گھبراہٹ اور کتنی وحشت ہوتی ہے۔"

بینا سسک اٹھی۔

اسد بھی مضطرب ہو گئے..... پھر بولے۔ "اک موہوم سی امید ہے۔ شاید آپریشن ہو جائے۔"

"ہو جائے گا انشاء اللہ کامیاب ہو جائے گا۔"

وہ تلخی سے ہنسے۔ "ڈاکٹرز تو یہی کہیں گے..... لیکن میں نے ڈاکٹر تلخی کی ہر رپورٹ سنی ہے۔"

"آ..... آپ نے..... کس نے پڑھ کر سنائی۔"

"فاروق نے..... اجمل نے..... میں نے انہیں مجبور کیا تھا۔ میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہتا تھا..... یہ معمولی آپریشن نہیں ہے میری جان۔"

اسد کے منہ سے بے اختیار نکل گیا..... بینا سوز و گداز کی دنیا میں ڈوبی تھی۔ اس

طرز تخاطب پر وہ شرمائی نہیں..... بے قراری سے رو دی۔

"تم رو رہی ہو۔"

"نہیں۔"

"جھوٹ کیوں دیتی ہو مجھے۔"

"اسد۔" وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اسد بے حد مضطرب و بے چین ہو گئے۔

اگلے دن وہ جب اپنی فرمائش پر غزل سن رہے تھے۔ بینا ڈیسک کے پاس کھڑی تھی..... کہ شائستہ آنٹی کا ذکر آ گیا۔

"تم نے بتایا نہیں تھا کہ آنٹی کس مشن پر آئی تھیں۔"

"آپ کو دیکھنے۔"

"نہیں۔"

"پھر؟"

"ضرور کوئی اور بات ہو گی۔"

"ہو گی۔"

"تمہیں نہیں پتہ۔"

"نہیں۔"

"خوب جھوٹ بولو..... کی طرح جھوٹ [illegible] جاتی ہو تو اللہ ہاں۔ کہنا مجھے حقیقت پتہ چل سکے گی۔"

بینا پریشان ہو گئی..... وہ کیا کرتی..... کیوں کر سچ کہتی..... وہ تو کسی مکڑی کی طرح جھوٹ کے جال میں جکڑی گئی تھی۔

اسد کھڑکی کے قریب کھڑے تھے۔ رخ پلٹ کر دوسری طرف ہو گئے..... پھر انہوں نے کہنیاں کھڑکی کی سل پر رکھ کر ہاتھوں پر سر کو گرا لیا۔

بینا چند لمحے پریشان کھڑی رہی..... پھر غزل بند کر دی۔ اسد نے کوئی نوٹس نہ لیا..... وہ جھجکتے جھجکتے آگے بڑھی..... اور ان کی پشت کے پاس آتے ہوئے بولی۔ "اسد۔"

"ہوں۔"

"ناراض ہو گئے ہیں۔"

"ہاں۔"

"کیوں۔"

"مجھے تم سے توقع نہ تھی..... کہ مجھے یوں ہر حقیقت سے اندھیرے میں رکھو گی۔"

"آپ..... غلط سمجھتے ہیں اسد۔"

"ہونہہ۔"

"تو..... تو پھر میں کیا کروں..... مجھے تو خود سمجھ نہیں آتا۔"

وہ روتے ہوئے پلٹی۔

اور کمرے سے نکل گئی۔

اسد ایک دم [illegible] لیٹ کر سر کو تھامتے ہوئے بیڈ پر آ گئے۔

لگتا تھا وہ سخت [illegible]

اسد نے بینا سے ستار سننے کی فرمائش کر دی۔

''جینی..... بینا سے کہو۔ مجھے ستار پر کوئی چیز سنائے۔''

''اچھا۔'' بینا نے حامی تو بھر لی..... لیکن پریشان ہو گئی..... کیونکہ اسد نے اس فرمائش کے ساتھ یہ بھی کہا تھا۔

''رات حوض کے قریب بینا سے ستار سنیں گے۔ تم میرے قریب بیٹھنا اور بینا سے کہنا حوض کی منڈیر پر بیٹھ کر ستار بجائے..... تمہیں اور مجھے قریب دیکھ کر اس کی ستار سے جو نغمہ ابلے گا..... وہ بہت دلدوز ہو گا۔''

بینا پریشان ہو گئی۔

اس نے حامی تو بھر لی لیکن سمجھ [illegible] لیے گا۔

وہ بولائی بولائی پھرتی رہی [illegible] ے تھے۔ ان کی خاطر داری وہ ہمیشہ خود کیا کرتی تھی..... لیکن آج [illegible] دے گی اپنے کمرے میں بستر میں پڑ کر تکیے میں منہ چھپا لیا۔

موی کمرے میں آ گئی..... ان دنوں موی اور اس کا آمنا سامنا کم ہی ہوتا تھا۔ بینا کا سارا سارا دن اسد کے ساتھ گزرتا تھا..... اس لیے موی بہت کم باتیں کرنے کا موقع پاتی تھی۔

آج بینا کو کمرے میں دیکھا تو شوخی سے بولی۔ ''کہیے چھوٹی بی بی۔''

بینا نے سر اٹھایا..... موی اسے پریشان دیکھ کر قریب آ گئی۔

"کیا بات ہے؟"

"چھوٹے صاحب سے جھگڑا تو نہیں ہو گیا۔"

"موی۔"

"جی۔"

"جھگڑا کس بات پہ ہونا تھا۔ ویسے انہوں نے..... پریشان کر دیا ہے۔"

"کیوں؟"

"لگتا ہے یہ ڈراما اب زیادہ دیر نہیں چل سکے گا۔"

"آپ کو جینی بی بی سمجھے گا؟"

"ہاں۔"

"کوئی خاص بات ہوئی؟"

مینا نے بیڈ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھتے ہوئے موی کو اسد کی فرمائش کے متعلق بتا دیا۔

موی قالین پر اس کے قدموں کے قریب بیٹھ گئی..... چند لمحے سوچتی رہی..... پھر سر ہولے ہولے ہلاتے ہوئے بولی۔

"لگتا ہے چھوٹے صاحب کو شک ہے..... کہ..... آپ جینی بی بی نہیں۔ مینا بی بی ہیں۔"

"خود میرا بھی یہی خیال ہے۔"

مینا اٹھ کر کھڑکی میں جا کر کھڑی ہوئی..... حویلی کے درمیانی چمن میں کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ مہمان عورتیں اور مرد تو دادی ماں کے کمرے میں تھے۔ کچھ اسد کو دیکھنے ان کی خوابگاہ میں گئے تھے۔ خوبصورت لباسوں والے پھول سے بچے چمن میں دھینگا مشتی کر رہے تھے۔

"اب کیا کریں گی مینا بی بی۔" موی بولی۔

"پتہ نہیں۔"

"چھوٹے صاحب جو بات کہہ دیں پوری کروا کے چھوڑتے ہیں۔"

"مجھے علم ہے۔"

"پھر؟"

"پھر..... پھر۔" اچانک ہی مینا کو ایک بات سوجھ گئی..... جلدی سے گھومی اور مومی کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "آئیڈیا..... آئیڈیا۔"

"کیا؟"

"مشکل حل ہوگئی مومی۔"

"کیوں کر؟"

"میں ستار پر کوئی دلفریب نغمہ ٹیپ کر لیتی ہوں..... ہوں..... ٹھیک..... ٹھیک ہے نا۔"

مومی مسکرائی..... کتنا اچھوتا خیال تھا۔

مینا بڑی مسرور و شاداں نظر آنے لگی..... اس کی بہت بڑی مشکل حل ہوگئی تھی..... لیکن یہ خوشی لمحاتی تھی..... مینا کے لیے قدم قدم پر مشکلیں تھیں..... مومی نے سچ ہی کہا تھا۔

"بی بی چھوٹے صاحب کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں تو کیا یہ گانا بجانا چھوڑ دے گا۔"

یہ بات مینا کے ذہن میں بھی کھٹکتی رہتی تھی۔

اور

اب تو دن قریب آ رہے تھے۔

مومی کی بات پر مینا نے مایوسی سے سر ہلایا۔

اس کی مایوسی سے مومی کا دل دکھ گیا..... اسے پیار سے ڈانٹنے لگی۔

"کیا خبر آنکھیں ٹھیک ہی نہ ہوں..... تو۔"

وہ مینا کے برابر آ کر کھڑی ہوگئی۔

اس کی بات ادھوری رہ گئی..... مینا کا زوردار تھپڑ اس کے گال پر پڑا۔

"اتنی منحوس بات زبان سے نکال رہی ہو۔"

مومی نے اپنا ہاتھ گال پر رکھ لیا۔ یہ اس کی زندگی اور شعوری عمر میں پہلا موقع تھا کہ مینا کا ہاتھ اس پر یوں اٹھ گیا تھا۔

رونا تو بہت آیا..... لیکن ڈھٹائی سے مسکرا کر بولی۔

"چلو بینا بی آج آپ سے پٹنے کا مزہ بھی چکھ لیا۔"

بینا بے چین ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی..... اسے پچھتاوا آ رہا تھا..... اپنے جذبات کی کشمکش میں اس نے مومی کو تھپڑ مار دیا تھا..... مومی..... جو اس کی لاڈلی نند کم اور سہیلی زیادہ تھی..... جو بڑی مخلص، بڑی ہمدرد اور بڑی سلجھی ہوئی لڑکی تھی۔

"معاف کر دو مومی۔" بینا نے ندامت سے کہا۔ "دراصل تم بھی تو الا یعنی باتیں کرتی ہو۔ مجھے غصہ آ گیا۔"

"شکر ہے آپ نے بھی غصہ کرنا سیکھا۔"

"بس اب چپ ہو جا..... میں پہلے ہی پریشان ہوں۔"

"میں بھی اکثر سوچتی ہوں..... کہ اسد کی بینائی لوٹ آئی تو کیا ہوگا..... لیکن میں نے کبھی ایسی دعا نہیں مانگی..... میں صبح و شام خدا کے حضور گڑگڑا کر ان کی بینائی لوٹ آنے کی دعا کرتی ہوں۔"

وہ چپ ہو گئی۔

مومی نے ایک بھرپور نگاہ اس پر ڈالی..... وہ بینا نہیں عظمت کا مجسمہ نظر آ رہی تھی۔

"اپنا کیا ہے۔" اس نے آہ بھر کر کہا۔ "پہلے بھی ناکامی کا منہ دیکھا اب بھی دیکھ لیں گے..... بات تو اسد کی ہے..... بھئی کی تو میرے خیال میں ان کی بصارت لوٹنے تک شادی بھی ہو جائے گی۔"

"ہاں۔"

"دیکھا جائے گا..... اسد کو حالات سے سمجھوتہ کرنا ہی پڑے گا..... آنکھیں ٹھیک ہو جائیں..... بس۔"

دونوں آپریشن کی باتیں کرنے لگیں۔

مومی بولی۔ "آپ لوگ وہاں کتنا عرصہ رہیں گے۔"

"کون؟" بینا نے پوچھا۔

"آپ بھی تو جا رہی ہیں نا۔"

"کہاں؟"

"جہاں چھوٹے صاحب علاج کے لیے جا رہے ہیں۔"

"امریکہ؟"

"ہاں جی۔"

"میں کہاں جا رہی ہوں۔"

"چھوٹے صاحب کے ساتھ۔"

"نہیں تو..... فاروق اور اجمل جا رہے ہیں۔"

"ہائے نہیں چھوٹی بی بی..... چھوٹے صاحب نے تو بیگم صاحبہ سے اجازت بھی لے لی ہے۔"

"کس بات کی؟"

"آپ کو ساتھ لے جانے کی۔"

"کیا کہہ رہی ہو۔"

"لو جی..... آپ کو پتہ نہیں..... رات ہی تو بات ہوئی ہے۔ چھوٹے صاحب دادی ماں کے پاس کتنی دیر بیٹھے یہی باتیں کرتے رہے تھے۔"

"یہ باتیں؟"

"میں وہیں تھی۔"

بینا نے موی کو اک نظر دیکھا۔ "دادی ماں مجھ سے بات نہ کرتیں۔"

"رات ہی تو بات ہوئی ہے۔ صبح سے مہمانوں کا تانتا بندھا ہے۔ شاید بات نہ کر سکی ہوں۔"

"چھوٹے صاحب نے تو انہیں کہہ دیا تھا کہ آپ نہ گئیں تو وہ بھی نہ جائیں گے۔"

بینا کے ہونٹوں پر جیسے چراغوں ایسی مسکراہٹ لو دینے لگی۔

اسی شام جب مہمان چلے گئے..... اور دادی ماں کمرے میں کرسی پر بیٹھیں..... اور خواجہ حسن نظامی کی کتاب دیکھنے لگیں تو بینا آ گئی..... ان کی احوال پرسی کی..... گال پر پیار کیا اور کرسی کے بازو پر جھکتے ہوئے دوزانوں ہو کر موی کی اطلاع کی تصدیق کرنا چاہی۔

"ہاں۔" دادی ماں نے کہا۔ "اسد بضد ہیں۔"

"لیکن..... دادی ماں۔"

"فاروق اور ایک ملازم ساتھ ہوگا۔ چاہو تو رحمت کو لے جانا چاہو تو موی کو۔"

"لیکن۔"

"بینا بیٹی..... کچھ بھی ہو..... اسد کا آپریشن کروانا ضروری ہے۔ خدا کا فضل ہے ایک چھوڑ دس آدمی بھی ان کے ساتھ بھیجے جا سکتے ہیں..... لیکن وہ تمہارے لیے ضد کر رہے ہیں..... حرج بھی کوئی نہیں..... یہاں دن رات ان کی خدمت کر رہی ہو..... کچھ دیر وہاں بھی سہی۔"

بینا نے کرسی کے ہتھے پر ماتھا ٹیک دیا۔

"تمہیں ساتھ جانے پر کوئی اعتراض ہے؟"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اچھا ہی ہے جو آپریشن وہاں ہوگا۔ الگ تھلگ تو ہوں گے..... یہاں تو یہی دھڑکا رہتا ہے کہ کوئی انہیں جینی کے متعلق نہ بتا دے..... اور..... اب..... جبکہ اس کی منگنی اور شادی بھی ہو رہی ہے۔"

"ہوں۔" وہ اسی طرح بیٹھے بیٹھے بولی۔

دادی ماں نے کتاب میز پر رکھ کر ہاتھ بینا کے سر پر پھیرتے ہوئے کہا۔ "میری بہادر بچی۔"

بینا نے سر اٹھا کر دادی کو دیکھا..... انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔

"اگر تم ان کے ساتھ جانا پسند نہیں کرتیں..... تو۔"

"نہیں دادی ماں۔"

"ان کی آنکھیں ٹھیک ہو جائیں ہم سب کی یہی خواہش و دعا ہے۔"

"جی دادی ماں..... خدا کرے گا..... ضرور ٹھیک ہو جائیں گی۔"

دادی ماں ڈاکٹر نقی اور دوسرے سپیشلسٹ سے برابر رابطہ رکھے تھیں..... وہاں آپریشن کی تاریخ لے لی گئی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے ہی ڈاکٹر نقی نے فون پر بتایا تھا۔

"ابھی کافی دن ہیں۔" بینا نے خوابناک لہجے میں کہا۔

"بمشکل تمہاری تیاری ہو پائے..... ویزے وغیرہ کا بھی تو کرنا ہے۔"

"ہوں۔"

بینا تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھی رہی..... اسد کے ساتھ جانے پر اسے اعتراض نہیں تھا بلکہ کئی دنوں سے تو وہ خود بھی سوچ رہی تھی..... کہ اسد چلے گئے تو وہ کیا کرے گی۔ وہ تو اب دل کے اتنے قریب ہو گئے تھے..... کہ دوری کا تصور بھی سوہان روح تھا۔ اپنی زندگی کا مشن ہی یہ رہ گیا تھا کہ اسد کی خدمت اور صرف خدمت میں اور اسد

ٹیپ آن تھا..... اور ستار پر رات کا راگ بڑے خوبصورت انداز میں گونج رہا تھا۔
فضا مدہوش کن تھی۔ بہار جوبن پر تھی۔ ہر طرف پھول ہی پھول تھے..... ہوائیں خوشبوؤں سے لدی تھیں..... خوشبو بھی کیا خوبصورت شے ہے..... دل و دماغ پر فرحت بخش احساس چھا جاتا ہے..... خوشی و مسرت محسوس ہوتی ہے..... جی خوشبوؤں کے ان چھوئے اور ان دیکھے وجود میں کھو جانے، سما جانے، ڈوب جانے کو مچل اٹھتا ہے۔

اسد فوارے کے اردگرد خوبصورتی سے تراشے چمن میں کرسی پر براجمان تھے۔ قریب ہی بینا بیٹھی تھی..... وہ دونوں اور مست خرام ہوائیں ان کے ذہن پر نشہ بن کر چھا رہی تھیں۔ ٹھنڈی روپہلی چاندنی ہر سو بکھری ہوئی تھی..... بینا نے ساری منصوبہ بندی کی تھی۔ اسد کو وہ آج بھی باہر لائی تھی۔ گرد و پیش، ماحول اور فضا کے متعلق اس طرح بتا دیتی کہ انہیں اپنی محرومی کا احساس نہ رہتا۔ وہ ان کے لئے بینائی تھی۔ اس کے توسط سے وہ دنیا کی ہر خوبصورتی اپنے اندر اتار لیتے تھے۔

اسد کی فرمائش تھی کہ بینا سے ستار سنیں گے۔ یہ فرمائش بینا نے پوری کر دی تھی..... وہ ان کے قریب جھکی بیٹھی تھی..... پھر بھی خوش تھی..... وقت کے سینے سے بھی خوشیاں چھینی جا سکتی تھیں..... وہ چھین لینا چاہتی تھی۔

اسد ستار کے سُروں پر سر دھن رہے تھے..... بہت محظوظ ہو رہے تھے۔ کبھی کبھی کوئی تعریفی جملہ بھی کہہ دیتے۔

بینا کا من خوشیوں سے بھر رہا تھا۔

جب سے اسے احساس ہوا تھا کہ یہ وقفہ عارضی ہے۔ اسد کی بینائی لوٹنے تک ہی وہ خوشیاں چن سکتی تھی..... اس نے منفی انداز فکر بالکل ترک کر دیا تھا..... یہی وقفہ یہی لمحے تھے..... وہ ان سے محظوظ ہوتی تھی..... اندھے اسد کے لیے اس نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی..... جب اندھاپن دور ہو جائے گا تب دیکھا جائے گا۔

وہ اس سلسلے میں سوچتی ضرور تھی..... پریشان بھی ہوتی تھی لیکن اپنے من کو اس نے ڈھیروں تسلیوں کے بوجھ تلے دبا رکھا تھا۔

وہ حال میں رہنا چاہتی تھی..... ماضی بھلا دینے والی چیز تھی اور مستقبل کا وسوسہ ذہن پر ابھی سے مسلط کر دینے سے بے نیاز ہو گئی تھی۔

"خوب، بہت خوب۔" اسد کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"بہت پسند آیا نفہ۔" بینا نے ہولے سے پوچھا۔

"ہاں..... بینا ستار بہت اچھا بجاتی ہے۔"

"ہوں۔"

"اس کی تعریف کروں تو تمہیں برا تو نہیں لگے گا۔" بینا کی طرف قدرے جھکتے ہوئے وہ سرگوشی کے انداز میں بولے۔

"نہیں..... نہیں تو....." وہ شرمائی۔

"جھوٹی۔"

"ہوں۔"

"بینا ستار بجاتے ہوئے کیسی لگ رہی ہے۔"

بینا پریشان سی ہو کر انہیں تکنے لگی۔

"بتاؤ نا..... اس نے کپڑے کس رنگ کے پہنے ہوئے ہیں اور..... اپنے لمبے سیاہ بالوں کو کھول رکھا ہے..... یا۔"

بینا آہستگی سے بولی۔ "آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"یوں ہی..... تم نے سارے ماحول کو میرے ذہن میں منتقل کیا ہے۔ یقین مانو مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں کھلی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ یہ چاندنی کا

غبار..... پھولوں کی بہار..... نمدار گھاس..... فوارے سے پھوار کی صورت گرتا پانی..... اور مرمریں منڈیر پر بیٹھی ستار بجاتی بینا..... میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔"

بینا نے حیرانگی سے انہیں دیکھا۔

"لیکن....." وہ خود ہی بولے۔ "تم نے بینا کے لباس اور بیٹھنے کے انداز کے متعلق کچھ نہیں بتایا..... وہ کیسی لگ رہی ہے۔"

"جیسی ہے۔" وہ ہولے سے بولی۔

"ہے تو نا یار سی شے۔" وہ بولے اور سر کو جھٹک کر بینا نے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے پراسرار طریق سے مسکرا رہے تھے۔

"دیکھو جینی..... تم برا نہ مان جانا۔"

"کس..... کس بات کا۔"

"میں نے جو بینا کی تعریف کر دی ہے۔" وہ آہستگی سے بولے۔

"اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔"

"بینا کی خوبیوں کی تو کمی گویا معترف ہو۔"

وہ خاموش رہی۔

چند لمحے وہ گئے..... وہ دونوں چپ تھے..... سر شام میں خنکی پھیلا رہے تھے۔ یہ اسحور کن سماں تھا۔

"بہت بہت شکریہ۔" لمبی آہ بھرنے پر اسد نے کہا۔ "بہت خوب۔ بہت اچھی ستار بجائی۔"

"بینا کو بلا دو یہاں۔" اسد نے چند لمحوں کے بعد کہا..... تو بینا جان سے کانپ گئی۔

"کیوں؟" بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا۔

"بھئی اس کا شکریہ تو ادا کروں۔"

"وہ چلی گئی ہے۔" مریل سی آواز میں اس نے کہا۔

اسد ہنس دیئے۔

"ہنس کیوں رہے ہیں۔" وہ گھبرا کر انہیں تکنے لگی۔

"پابندی ہے کیا۔"

"نہیں تو۔"

"پھر۔"

"ہنسنے کا موقع محل بھی تو ہوتا ہے۔"

"شاید ہو۔"

"بظاہر تو نہیں۔"

"بظاہر۔" اسد بولے۔ "ایک اندھے آدمی کا ظاہر بظاہر سے کیا تعلق۔"

"اوہ۔" وہ اداس ہو گئی۔

"ویسے تم بڑی ایلنٹڈ ہو۔"

"کیوں۔"

"تمہاری بے شمار خوبیوں کا احساس مجھے آنکھیں بند ہو جانے پر ہوا ہے۔"

بینا نے غور سے انہیں دیکھا۔ وہ خوبصورتی سے مسکرا رہے تھے۔ دونوں دیر تک وہیں بیٹھے رہے۔

کبھی کبھی بینا کنفیوژ ہو جاتی..... اسد باتوں میں جب کسی ماضی کے واقعے کا حوالہ دیتے جسے بینا نہ جانتی ہوتی تو وہ کنفیوژ ہو جاتی لیکن اکثر خوبصورتی سے بات بنا جاتی۔

"وقت کافی ہو گیا ہے۔" بینا نے کہا۔ "اندر لے چلوں۔"

"نیند آ رہی ہے۔"

"نہیں..... تھکن کافی ہے۔ آپ کو ٹھنڈ نہ لگ جائے۔"

"میں تو تپش احساس سے جل رہا ہوں۔"

"جی۔"

وہ پھر ہنس پڑے..... بینا حیرانگی سے انہیں تکنے لگی۔ چند لمحے خاموشی سی رہی۔

پھر

اسد نے اسے پکارا۔

"جی۔" وہ بولی۔

"مجھے اندر لے چلو۔"

"چلیے۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسد بولے۔ "اندھے کی لاٹھی کہاں ہے؟"

بینا نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ اسد نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈالا۔

وہ اندر سے پانی پانی ہو گئی۔ لیکن کیا کرتی۔ جب سے اسد چلنے پھرنے لگے تھے..... وہ اسی کا ہاتھ تھامتے تھے۔ لاٹھی سے انہیں چڑ تھی۔ خود وہ ہو جاتے تھے۔

"بینی۔" اسد قدم اٹھاتے ہوئے بولے۔

"جی۔"

"ایک بات پوچھوں۔"

"پوچھیے۔"

"کیا تم"

"جی۔"

"کیا تم کو بھروسہ [illegible]"

"جی؟" اس کے [illegible]

"گھبرا گئی ہو۔"

وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

"آپریشن کامیاب نہ ہوا تو۔" اسد بولے۔

"خدا نہ کرے۔" وہ جلدی سے کہا تھی۔

"بالفرض۔"

وہ چپ رہی۔

اسد نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر پوچھا۔ "بتاؤ نا..... بالفرض آپریشن ناکام ہوا..... تو ایک اندھے آدمی کا عمر بھر ساتھ دے سکو گی۔"

سوال ایسا غیر متوقع تھا..... کہ وہ کوئی جواب نہ دے سکی..... گو اس کا رواں رواں اس سوال کے جواب کے لیے بے تاب تھا لیکن زبان گنگ سی ہو گئی۔

"بتاؤ نا۔"

وہ پھر بھی کچھ نہیں بولی۔

اسد نے اک گہری سانس چھوڑتے ہوئے اپنے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی کر دی اور بڑے دکھ سے بولے۔ "شاید اپنی اس احمقانہ خواہش کا گلہ میں خود ہی کر رہا ہے تھا۔"

"اسد۔" کانپتے لبوں سے صرف یہی نکلا..... دل بھر آیا..... وہ رونے لگی۔

اسد اسی بیچارگی سے بولے۔ "تم میرے دل سے اتنے قریب آ چکی ہو کہ تم سے علیحدگی کا تصور بھی پریشان کن ہے۔ مجھے لگتا ہے..... تم نے مجھے چھوڑ دیا..... تو میں زندہ نہیں رہ سکوں گا..... لیکن لیکن کوئی بات نہیں..... میں..... کوشش کروں گا..... تم پر مسلط نہیں کروں گا..... آنکھیں ٹھیک نہ بھی ہوئیں"

وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر..... قدم پیچھے ہٹانے لگے۔

وہ بے اختیار ہو گئی۔

لپک کر ان تک گئی..... اور ان کے بازو..... کو تھام کر ان کے کندھے سے لگ کر بے اختیار ہو کر رونے لگی۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھی۔

دل اسد کا بھی بھر آیا..... گلوگیر آواز میں بولے۔ "میری زندگی..... میری روشنی۔" انہوں نے اسے بازوؤں میں بھر لیا۔

○☆○

عزیز احمد اپنی بیگم شکیلہ اور دونوں بچوں کے ساتھ ایئرپورٹ پر آئے ہوئے تھے..... رات کے دس بجے کی فلائٹ سے انہوں نے مہمانوں کو لینا تھا۔ اس انجلس کی ایرو ڈروم جگمگاتی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا..... ہر پانچ منٹ کے بعد کوئی نہ کوئی جہاز اڈے پر اتر رہا تھا..... اسی طرح جہازوں کی روانگی بھی تھی۔ رونق اور گہما گہمی کی یہ مثال دنیا کے ہوائی اڈوں پر کم ہی ملتی تھی۔

مہمانوں کا استقبال بڑے پرجوش جذبات سے کیا گیا..... انھیں اسد کو خوش آمدید کہتے ہوئے عزیز احمد اور شکیلہ کی آواز بھی جذبات سے گھٹ گئی۔ اتنے خوبصورت اور وجیہہ جوان کا آنکھوں سے اوجھل ہو جانا بہت تکلیف دہ تھا۔

اداس اسد کی [illegible] روشنیوں بھرے ایرو ڈروم پر آنے کا بارہا اتفاق ہوا تھا۔ آج روشنیوں کی [illegible] یوں لگتا تھا گھور اندھیرا تھا..... راہ تک نہ سجھائی دیتی تھی۔ بینا کا ہاتھ تھامے وہ [illegible] تھے۔

رات دیر تک سب باتیں کرتے رہے۔ شکیلہ تو ان سب لوگوں سے پہلی بار ملی تھی۔ عزیز احمد بھی ایک طویل عرصے کے بعد ان سے مل رہے تھے۔ جب وہ امریکہ آئے تھے تو جینی، بینا تو بالکل بچیاں تھیں..... فاروق بھی ان دنوں میٹرک کا امتحان دے رہے تھے۔

ہوائی اڈے پر بینا کو دیکھتے ہی وہ پوچھ رہے تھے۔ ''بھئی تم جینی ہو یا بینا..... میں تو جب آیا تھا تم اتنی سی تھیں۔''

''یہ جینی ہیں۔'' بینا کی بجائے فاروق نے کہا تھا۔

عزیز احمد اسی حوالے سے بینا کے بارے میں پوچھنے لگے تھے۔ "وہ بھی تو اسے تمہارے جتنی ہوگی۔"

پھر

شکیلہ سے کہا تھا۔ "یہ دونوں جڑواں بہنیں ہیں۔"

"اچھا۔" شکیلہ نے شوق سے اسے دیکھا تھا۔ "دوسری بھی اتنی ہی خوبصورت ہوگی۔"

"ہاں ضرور ہوگی۔"

"آپ کو کیسے پتہ؟"

"ایسے کہ حسن ہماری خالہ جان کے سسرالی خاندان کی میراث ہے۔"

"واقعی۔"

"بالکل..... دیکھ لو..... جینی کتنی حسین ہے۔ فاروق کیسے خوبرو ہیں اور اسد کتنے وجیہہ ہیں۔"

"بالکل بالکل۔"

رات بھی کچھ ایسی ہی باتیں ہوتی رہی تھیں..... شکیلہ اس خاندان کے متعلق دلچسپی سے سوال کر رہی تھی۔

اس نے بینا سے کہا۔ "جینی تم اپنے امراؤ بینا کو بھی لے آتیں۔"

اس کی جگہ اسد نے مسکرا کر کہا تھا۔ "بھابھی یہ صرف میری کزن ہی نہیں منگیتر بھی ہے۔"

"اوہ..... گڈ..... گڈ۔"

بینا سرخ ہو گئی تھی۔ فاروق نے حیرانگی سے دونوں کو دیکھا تھا اور شکیلہ نے شرم و حیا سے سرخ ہو جانے والی پیاری سی اس لڑکی کو پیار کر لیا..... شکیلہ کی پرورش یہاں کے آزاد ماحول میں ہوئی تھی۔ اس کے والدین بھی ایک عرصے سے یہاں مقیم تھے۔ شرم و حیا کا فطری مظاہرہ اسے بڑا دلچسپ اور پیارا لگا تھا۔

شکیلہ نے مہمانوں کے لیے دو کمروں میں بستر لگا دیے تھے۔ رحمت کے لیے بیرونی کمرے میں جگہ بنا دی تھی..... فاروق سامان رحمت کے ساتھ مل کر اٹھانے لگے۔

بینا اسد کا ہاتھ تھام کر کمرے میں لائی..... تو شکیلہ ساتھ تھی، وہ بے تکلفی سے بولی۔

"تم دونوں اس کمرے میں سو جاؤ گے۔"

"ہائے نہیں..... بھابھی۔"

وہ گھبرا گئی..... اسد مسکرائے اور شکیلہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔ "ویسے حرج تو کوئی نہیں۔"

اسد نے ہنس کر کہا۔ "خصوصاً ایسی حالت میں..... کہ میں اندھا ہوں۔"

شکیلہ نے بیچارگی سے اسد کی طرف دیکھا..... بینا بھی سنجیدہ نظر آئی۔

"خدا کرے کہ تمہاری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی۔" شکیلہ نے دعائیہ انداز میں کہا۔

"اللہ کرے..... آپریشن کامیاب ہو جائے۔"

"دعا کے لیے شکریہ۔" اسد بولے۔

بینا ان کا بستر ٹھیک کرنے لگی۔ رحمت بیگ اور سوٹ کیس اٹھا لایا تھا..... اس نے اس کا نائٹ سوٹ نکال کر باتھ روم میں لٹکا دیا۔

پھر وہ اسد کو لباس تبدیل کرانے لے گیا۔

شکیلہ بینا کو اپنے والے کمرے میں لے آئی۔ "تم یہاں اپنا سامان منگوا لو۔ آج ہی کی رات ہے۔ فاروق اسد کے ساتھ والے بیڈ پر سو جائیں گے..... کل تو اسد نے ہاسپٹل چلے جانا ہے۔"

بینا نے آہ کو روکی سانس لی..... اداس لہجے میں بولی۔ "ان کی آنکھیں ٹھیک ہو جائیں۔ یہ میری دلی تمنا ہے۔"

"ضرور ہوں گی۔" شکیلہ بولی۔ "میں نے انہیں پہلی بار دیکھا ہے تو دل میں ہمدردی کے جذبات امنڈ رہے ہیں۔ تم تو ان کی جیون ساتھی بننے والی ہو۔"

پھر وہ بولی۔ "یا تمہاری انگیجمنٹ ان کے اندھا ہونے سے پہلے ہوئی تھی؟"

وہ سر جھکائے ہوئے بولی۔ "جی۔"

وہ اس موضوع سے ہٹ جانا چاہتی تھی..... اس لیے بات بدلنے کے لیے بولی۔

"آپ کا گھر بے حد خوبصورت ہے۔"

"شکریہ۔" شکیلہ نے کہا۔ "صبح تمہیں اپنا گھر دکھاؤں گی..... ہمارے گھر کے

سامنے لان بھی ہے۔ یہ لان میں نے خود سجایا ہے۔ مجھے گارڈننگ کا شروع سے شوق تھا۔ خدا نے یہ گھر دیا ہے..... تو آرزو پوری ہوئی ہے۔"

وہ کچھ دیر اس کے پاس ٹھہری..... پھر اسے کال پر پیار کرتے ہوئے بولی۔ "چلو لیٹ جاؤ..... تم سفر کی تکان کے ساتھ ساتھ اسد کی وجہ سے پریشان بھی ہو۔"

بینا نے آہستگی سے کہا۔ "میں اسد کو شب بخیر کہہ آؤں..... پھر سو جاؤں گی..... آپ بھی سو جائیے۔"

"ہاں..... میں بھی سو جاتی ہوں۔ اب وقت خاصا ہو گیا ہے۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"آپ کو جانے کتنے دن ہم لوگ زحمت دیں گے۔"

"او نہیں جینی..... ایسی بات سوچنا بھی مت۔ تم نہیں جانتیں۔ آپ لوگوں کے آنے سے کتنی خوشی ہوئی ہے۔ یہاں سب کچھ ہے صرف اپنوں کی کمی ہوتی ہے..... اور یہی کھٹکتی ہے..... تم تو عزیز کے قریبی رشتہ دار ہو ہم لوگ تو غیروں کو پکڑ لاتے ہیں..... کہ اپنے ہم وطنوں سے مل کر خوشی کا احساس ہوتا ہے۔"

بینا نے محبت سے اس کا شکریہ ادا کیا۔ [illegible] ساتھ کمرے سے نکلیں۔ فاروق اسد کے کمرے میں تھے۔

"آپ ان کے ساتھ سو جائیے۔" [illegible]

"جی..... یہیں سو رہا ہوں..... لیکن رحمت بھی [illegible] جائے گا۔"

"ہاں بھابھی..... اسے میٹرس دے دیں۔ قالین پر ڈال لے گا۔" بینا نے کہا۔

فاروق غسل خانے میں چلے گئے..... رحمت کو شکیلہ ساتھ لے گئی۔ بینا بیڈ کے قریب آئی۔ اسد لیٹ چکے تھے۔ وہ آہستگی سے بولی۔ "آپ تکان محسوس کر رہے ہوں گے۔"

"ہاں۔"

"وکیم دے دوں۔"

"میرا خیال ہے دے دو..... اجنبی جگہ ہے شاید نیند ہی نہ آئے۔ ویسے بھی میں کچھ اپ سیٹ سا ہوں۔"

"پرسکون رہنے کی کوشش کیجیے۔"

"کل ہاسپٹل ایڈمٹ ہونا ہے۔"

"جی۔"

"خدا جانے یہ کوشش کامیاب ہوگی یا..."

"انشاءاللہ ہوگی۔"

"دل سے کہہ رہی ہو۔"

بینا نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔ پھر بولی۔ "آپ کا کیا خیال ہے۔ میں آپ کی صحت یابی کیلئے دعا گو نہیں ہوں۔"

"نہیں نہیں ۔۔۔ برا نہ مان جانا۔ میں نے یونہی کہہ دیا ہے۔" پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر آہستگی سے دباتے ہوئے بولے۔ "تم میری بینائی کے لیے دعا نہیں کرو گی تو اور کون کرے گا۔"

بینا نے قدموں کی آواز سن کر اپنا ہاتھ چھڑایا اور دوائیوں کے ڈبے سے پیکٹ نکال کر سرہانے رکھے تھرماس سے پانی گلاس میں انڈیلا۔

فاروق کمرے میں آ گئے تھے۔ بینا نے اسد کو پیکٹ کھلا کر شب بخیر کہا اور پھر فاروق کو بھی شب بخیر کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔

صبح بینا کی آنکھ جلدی کھل گئی۔ رات بھر وہ سکون سے سو بھی نہ سکی تھی..... کچھ نئی جاگ..... کچھ اجنبی فضا اور کچھ نئی پریشانی۔

اسد کی پریشانی۔

صبح اٹھ کر اس نے نماز پڑھی..... اور خدا کے حضور رو رو کر اسد کے لیے دعائیں مانگیں..... وہ جانتی تھی کہ بینائی لوٹ آنے کی صورت میں صورتحال کچھ اور ہو جائے گی..... پا کر کھو دینا بدترین عمل ہے اور قسمت کا یہ انوکھا وار ہوتا ہے۔

لیکن

وہ اپنی ذات کے خول سے نکل کر اسد کی صحت یابی کیلئے دعائیں مانگ رہی تھی۔

عزیز احمد نے آج چھٹی کر لی تھی۔ ہاسپٹل اسد کے ساتھ جانا تھا۔ دونوں گاڑیاں تیار تھیں..... ایک گاڑی انہوں نے ہسپتال آنے جانے کے لیے فاروق کے

حوالے کردی تھی۔

ان لوگوں کے خلوص اور محبت سے بینا' اسد اور فاروق سب ہی متاثر تھے۔

ہاسپٹل جانے سے پہلے عزیز احمد نے ڈاکٹر ہیرسن کی سیکرٹری کو فون کیا تھا اور پیشنٹ کی آمد سے مطلع کیا۔

وہ لوگ اسد کے منتظر تھے..... ہر بات اور ہر شے ڈاکٹر نتھی کے ساتھ طے ہو چکی تھی۔ اس حسن کارکردگی نے بینا اور فاروق کو بڑا متاثر کیا۔ اسد اس معاشرے کی ان خوبیوں سے آگاہ تھے۔

ہاسپٹل جانے سے پہلے بینا نے دادی ماں کو خط لکھا..... اور شکیلہ کو پوسٹ کرنے کیلئے دے دیا..... اور خود جذبات کے بھنچے ہوئے ہاتھ اسد کے ہمراہ ہاسپٹل چل دی۔

اسد کی آنکھوں کا آپریشن ہو چکا تھا۔

ڈاکٹر ہنری ڈک اور ڈاکٹر ہیرسن ان کے معالج تھے۔ ہاسپٹل میں انہیں ہر طرح کا آرام و سہولت حاصل تھی۔ دونوں ڈاکٹر اپنے پیشنٹ کا بہت خیال رکھتے تھے..... آپریشن ہو چکا تھا۔ دوائیں دی جا رہی تھیں۔ پٹی کھلنے پر ہی آپریشن کی کامیابی کا پتہ چل سکتا تھا۔

ویسے

ڈاکٹر ڈک کو سو فیصد یقین تھا اور وہ ڈاکٹر ہیرسن سے بھی یہی کہتے تھے کہ بینائی لوٹ آئے گی۔ آپریشن کامیاب ہے۔

"لیکن ڈاکٹر..... پٹی کھلنے سے پہلے اتنے وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" ڈاکٹر ہیرسن جواب دیتا۔

"ہمیں پرامید رہنا چاہیے۔"

"ہاں..... امکان تو ہے..... لیکن ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

دونوں ڈاکٹر جب بھی اسد کو وارڈ سے دیکھ کر آتے آپس میں یہی خیال کرتے۔

بینا، فاروق، عزیزہ اور شکیلہ بھی امید و بیم میں ڈوبتے ابھرتے رہتے۔ سب دعا ہی کر سکتے تھے۔ ہر وقت اسد کی بینائی لوٹنے کے لیے دعا گو رہتے۔

بینا کی حالت عجیب ہی سی تھی۔ وہ بھی دل سے دعائیں کر رہی تھی کہ اسد صحت یاب ہو جائیں..... لیکن جوں جوں پٹی کھلنے کے دن قریب آ رہے تھے۔ اس کے دل و دماغ میں ہلچل مچی رہتی تھی۔

''کیا ہوگا؟''

وہ سوچتی اور گھبرا جاتی' پریشان ہو جاتی۔ اسے یوں لگتا جیسے وہ کسی گہرے کھڈ کے دہانے پر بڑی اونچائی پر کھڑی ہے اور ہر آن وہ لمحہ قریب آ رہا ہے۔ جب ایک خوفناک دھماکہ ہوگا اور وہ اس کھڈ میں جا گرے گی۔

وہ خوفزدہ ہو جاتی۔

لیکن اپنے آپ کو خود ہی تسلیاں دینے کی بھی کوشش کرتی۔ صرف ایک ہی بات تسکین دیتی تھی۔

''

''

کہ

اسد کی آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی۔ وہ دیکھنے لگیں۔ اس خوبصورت اور پیاری دنیا کو اپنی انہیں آنکھوں سے دیکھنے لگیں گے۔

کبھی وہ جینی کے بارے میں سوچتی۔ وہ شادی کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ اس کا فون یہاں بھی آیا تھا۔ اس نے اسد کی خیر و عافیت پوچھی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ جب یہ لوگ امریکہ سے واپس لوٹیں گے۔ وہ عنصر کے ساتھ فارایسٹ [illegible] سے ہوتے ہوئے [illegible] اسے [illegible] اس کی آنکھیں ٹھیک ہونے کا انتظار کرے..... لیکن وہ کچھ نہ کر سکی۔ [illegible] بات کرتی تھی جو وہ چاہتی تھی۔

شکیلہ بہت نفیس عورت تھی۔ اس نے جس طرح خاطر داری کی تھی۔ بینا اس کی گرویدہ ہو گئی تھی۔ تذبذب کے لمحات میں بھی شکیلہ اک بڑی بہن بن کر بینا کی ہمت بندھا رہی تھی۔

اصل صورتحال کا اسے علم نہیں تھا۔ وہ تو صرف ایک سنگیتر کی حیثیت سے بینا کو دیکھ رہی تھی..... اور اس کو تسلی و تشفی دیتی رہتی تھی۔

ہاسپٹل میں تھوڑی دیر کے لیے گھر والوں کو اسد سے ملنے دیا جاتا تھا۔ اسد بھی ان دنوں امید و بیم کی حالت میں تھے۔ بہت کم باتیں کرتے تھے۔ اکثر افسردہ و پریشان ہی

دکھائی دیتے تھے۔

دن گزر رہے تھے۔

آس و یاس گڈمڈ ہو رہے تھے۔ بینا کے لبوں پر تو جیسے مہر خاموشی لگ گئی تھی۔ بہت کم بولتی تھی۔ جان جیسے لبوں پر آ رہی تھی۔

کل اسد کی آنکھوں کی پٹی کھلنا تھی..... سب میں بڑی اکسائٹمنٹ تھی۔ فاروق عزیز اور شکیلہ روشن پہلو دیکھتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ وہ بہت پرامید تھے۔

پرامید سبھی تھے..... بینا بھی تھی..... کیونکہ دونوں ڈاکٹر انہیں ہمیشہ آس دلاتے تھے۔

لیکن

بینا کی حالت دگرگوں تھی۔ سہمی ہوئی تھی۔ خوفزدہ اور پریشان تھی۔

بینا اسد کو دیکھنے آئی تھی..... فاروق بھی چند منٹ ٹھہرے تھے پھر کسی ضروری کام سے چلے گئے تھے۔ واپسی پر انہوں نے بینا کو لینا تھا۔

ڈاکٹر ڈک اور ہیرسن اسد کے بیڈ کے قریب کھڑے باتیں کر رہے تھے۔

''مسٹر اسد۔'' ڈاکٹر ڈک نے شفقت سے کہا۔ ''کل آپ کی پٹی کھلے گی۔''

''اور آپ اس خوبصورت دنیا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں گے۔''

ڈاکٹر ہیرسن نے کہا۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' [illegible] سے سب کی باتیں سن رہے تھے..... وہ چپ ہوئے تو اسد نے [illegible] سے پوچھا۔ ''آپ پرامید ہیں ڈاکٹر؟''

''اوہ..... ضرور..... بالکل۔''

''کل پٹی کھلتے ہی میں دیکھ سکوں گا؟''

''ہاں..... آپ کو روشنی نظر آئے گی۔''

''تو پھر..... میری ایک خواہش ہے ڈاکٹر۔''

''کیا؟''

بینا نے بھی ڈاکٹر ڈک کے ساتھ ہی اردو میں پوچھا۔

اسد ہولے سے مسکرائے۔ پھر ڈاکٹر سے بولے۔ ''اگر میری بینائی لوٹ آئی تو

سب سے پہلے میں اپنی کزن کو دیکھنا چاہوں گا۔ اس لڑکی کو ڈاکٹر..... جو میری روشنی ہے۔"

"کیوں نہیں..... کیوں نہیں۔" دونوں ڈاکٹروں نے مسکرا کر رینا کو دیکھا۔

رینا کا رنگ فق ہو گیا..... ساری جان سے کانپ گئی۔

"کیوں جینی؟" اسد نے مسکراتے ہوئے اردو میں کہا۔ وہ کچھ نہ بولی۔

"چپ کیوں ہو..... میں سچ کہتا ہوں۔ اگر میری آنکھیں خدا نے ٹھیک کر دیں تو یہ آنکھیں سب سے پہلے تمہارا سراپا اپنے اندر اتاریں گی۔"

رینا کے جسم پر کپکپی سی طاری ہو گئی..... اندھے اور گونگے کھڈ میں گرنے کا لمحہ قریب آن پہنچا تھا۔

بڑی ہمت کر کے اس نے اسد سے کہا۔ "جیسے آپ کی مرضی۔"

اسد مضطرب و بے چین ہو گئے..... آہستگی سے بولے۔

"خدا جانے آنکھیں ٹھیک ہوں گی بھی یا نہیں۔"

"ضرور ہوں گی خدا نے چاہا تو ضرور ہوں گی۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

فاروق واپس آ گئے تھے..... وہ چند لمحے وہاں اور رکی۔ پھر دونوں اپنی پر خلوص اور نیک تمناؤں کے ساتھ خدا حافظ کہہ کر واپس آ گئے۔

وقت رینا کے لیے چمڑیلی چٹان کی طرح جم گیا تھا۔ وہ اس چٹان سے اپنا ذہن چھوڑ رہی تھی..... اسد نے آنکھیں ٹھیک ہونے پر سب سے پہلے اسے دیکھنے کی جو انوکھی شرط عائد کی تھی اس نے اس کال ذہن دل و دماغ تجلس کر رکھ دیا تھا..... وہ تڑپا تڑپا رہی تھی۔

رات نیند اس کی آنکھوں سے دور تھی۔ کمرے میں ٹہل ٹہل کر اس نے یہ رات گزاری تھی۔ جانے کس لمحے آنکھ لگ بھی گئی ہو لیکن اس نیند کے تھکن سے چور چور ہونے کا احساس ہی غالب تھا۔

صبح وہ بیدار ہوئی تو اس کی طبیعت بے حد مکدر تھی۔ بستر میں کافی دیر پڑی رہی۔ شکیلہ نے اس کے لیے چائے بھجوائی اور جب وہ ناشتے کے لیے ڈائننگ روم میں نہ آئی..... تو خود بلانے اس کے کمرے میں گئی۔

"کیوں جینی۔ خیر تو ہے۔ نیند آ رہی ہے؟ سوئی نہیں رات..... اکسائٹمنٹ تو ہے

ہی..... آج اسد کی آنکھیں دیکھنے کے قابل ہو رہی ہیں نا۔"

"بھابھی۔" وہ بے اختیار ہو کر اس سے لپٹ گئی..... پھر جو آنسوؤں کی بارش ہوئی تو تھمنے کا نام ہی نہ لیا۔

"جینی..... ہمت سے کام لو..... اسد انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ پھر اسد کے ساتھ تمہاری دنیا بھی روشن ہو جائے گی۔ میں تمہارے جذبات سمجھ رہی ہوں..... باقی کمرے ہی میں سمجھا دوں گی؟"

"میری طبیعت بہت خراب ہے۔" وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"بستر ہی میں رہو..... کوئی ٹرانکولائزر لینا پسند کرو گی۔"

"گولی ہے میرے پاس۔"

"چائے کے ساتھ کھا لو..... پھر سوتی رہنا..... شام اسد کو دیکھنے تک تازہ دم ہو جانا۔" شکیلہ نے مسکراتے ہوئے پیار سے اس کا کندھا تھپتھپایا..... اور کمرے سے نکل گئی۔

خرابی طبع کا سنا تو فاروق اسے دیکھنے آ گئے..... اسے دیکھ کر مسکرائے اور بولے۔

"بزدل لڑکی..... میں جانتا ہوں تمہیں کیا ہو رہا ہے۔"

اس نے سر جھکا لیا ہولے سے بولی۔ "کیا ہو گا فاروق بھائی۔"

"کچھ بھی نہیں ہو گا۔"

"اسد۔"

"جینی کی بجائے تمہیں دیکھیں گے؟"

"ہاں۔"

"کیا ہوا۔"

"کیا ہوا۔"

فاروق نے اس کی پریشانی دور کرنے کے لیے کہا۔ "کچھ نہ سوچو بینا۔"

بینا ایک دم معصوم بچوں کی طرح معصومیت سے بولی۔ "کیا آپ مجھے آج ہی واپس پاکستان نہیں بھیج سکتے۔"

فاروق نے قہقہہ لگایا..... پھر آہستگی سے بولے۔ "اس دیوانے کا کیا کرو گی جس

نے آنکھیں ہی اس شرط پر کھولی ہیں کہ تم کو پہلی نظر.....''

''اوہ.....فاروق بھائی.....میں ہاسپٹل نہیں جا سکوں گی.....مجھ میں ہمت نہیں۔''

''بینا تم نے آج تک اسد کے لیے جو کچھ کیا ہے وہ بے مثال ہے۔''

''خدمت' اطاعت اور وفا رائیگاں نہیں جا سکتی۔''

بینا کے کچھ کہنے سے پہلے ہی رحمت انہیں بلانے آ گیا۔ ہاسپٹل سے فون آیا تھا۔ فاروق کمرے سے نکل گئے۔ بینا فون کے متعلق کچھ پوچھنے بھی باہر نہ جا سکی۔

بینا واقعی ہاسپٹل نہیں گئی.....اس کا دم آنکھوں میں آیا ہوا تھا۔ فون کے پاس گھنٹہ بھر سے بیٹھی اسد کی آنکھیں ٹھیک ہونے کی نوید سننے کو بے قرار تھی۔

سب ہاسپٹل گئے ہوئے تھے۔ شام پانچ بجے کے قریب فون آیا' فاروق بول رہے تھے۔ انہوں نے بڑی جذباتی اور بھرائی ہوئی آواز میں بینا کو مبارکباد دی۔

''اسد کو روشنی مل گئی ہے بینا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ میں پاکستان فون کرنے جا رہا ہوں.....اس سے بڑی مسرت شاید ہم لوگوں کے حصے میں کبھی آئی ہے نہ آئے گی۔''

بینا اس خبر کو سن کر رو پڑی.....خوشی سے بے پناہ خوشی سے۔

اتنی بڑی نوید مسرت تھی۔

فاروق' شکیلہ اور عزیز ہاسپٹل سے واپس آ گئے۔ آتے ہی انہوں نے بینا کو پیار کیا۔ مبارکباد دی.....خوشی سے سب ہنس بول رہے تھے.....بینا بالکل چپ تھی۔

''تم ہاسپٹل نہیں گئیں۔'' فاروق نے کہا۔ ''اسد اپنی ضد پر اڑے ہیں.....انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ ڈاکٹروں کے سوا وہ کسی کے سامنے آنکھیں نہیں کھول رہے۔''

''گھر والوں میں وہ سب سے پہلے تمہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔'' شکیلہ بولی اور مسکراتے ہوئے بینا کو چھیڑنے لگی۔ ''اتنا اعزاز دے رہے ہیں تمہیں۔''

''یہ ہیں اسی اعزاز کے قابل بھابی۔'' فاروق نے کہا اور پھر اس کی خدمت گزاری کی اتھک داستان شکیلہ کو سنانے لگے۔

بینا اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

چند دن گزر گئے..... اسد ابھی ڈاکٹروں کی تحویل میں تھے۔ بہت سے ٹیسٹ ہوئے تھے..... ابھی اور ہونا تھے..... لیکن خوشیوں کی انتہا تھی۔ اسد نے زندگی پائی تھی۔ آپریشن کامیاب ہوا تھا۔

ڈارک روم سے اب اسد ہاسپٹل کے ایک اور کمرے میں منتقل کر دیئے گئے تھے۔ دو ایک دن میں انہیں ڈسچارج کیا جانا تھا۔

بینا ہاسپٹل نہیں گئی تھی۔

اور

اسد نے بھی [illegible] تھا۔ اس دن فاروق نے انہیں چھیڑا بھی تھا۔ [illegible]

وہ مسکرا دیئے تھے۔ [illegible]

فاروق چاہتے تھے [illegible] کوئی ایسی بات جس کا ردعمل برا بھی ہو سکتا ہے..... ان کی زبان پر آئے۔

اگلے دن وہ بینا کو ہاسپٹل جانے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے بینا کو سمجھایا..... ناکامی کی صورت میں حوصلہ اور ہمت رکھنے کی تلقین کی۔

وہ گھنٹہ بھر اس کے ساتھ رہے..... اونچ نیچ سمجھاتے اور اسد کی خاطر اس مرحلے سے گزرنے پر بھی آمادہ کرتے تھے۔

بینا رضامند ہو گئی۔ اتنے دنوں کی کشمکش سے نکلنے کے بعد وہ تقویت پا چکی تھی۔

اس نے سفید ریشمی لباس پہنا..... اور حوروں کا سا تقدس اور پاکیزگی چہرے پر سجائے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

وہ ملاقات کے وقت سے چند منٹ پہلے پہنچ گئے تھے۔ یہ چند منٹ بھی فاروق نے ضائع نہیں کیے..... بینا کی ہمت بندھاتے رہے۔

وقت پر وہ دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئے..... کمرے میں زیادہ روشنی نہیں تھی۔ ڈاکٹر کی ہدایت پر کمرے کا نمپریچر اور روشنی رکھی جارہی تھی۔

اسد بیڈ میں لیٹے تھے..... آنکھوں پر پٹی نما عینک جیسی کوئی چیز رکھی تھی..... وہ بیدار تھے..... ٹانگ پر رکھی ٹانگ کا پیر ہلاتے جارہے تھے۔ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ رکھے تھے۔ چت پڑے تھے۔

''اسد۔'' فاروق نے انہیں پکارا۔

''ہوں۔''

''کیا حال ہے۔''

''ٹھیک ہوں۔''

''دیکھو تو کون آیا ہے میرے ساتھ۔''

''جو جب آئے گا..... دیکھ لوں گا۔''

فاروق نے بینا کو آگے آنے کا اشارہ کیا۔ بینا سبک اور نرم ہوا کے جھونکے کی طرح بیڈ کے قریب آگئی..... اس کا حسین چہرہ تاثرات سے عاری تھا۔ فاروق دانستہ کمرے سے نکل گئے۔

اسد نے شاید بینا کے وجود کی قربت محسوس کی..... آہستگی سے بولے۔ ''فاروق۔''

''وہ باہر چلے گئے ہیں۔'' بینا نے دل کی دھڑکنوں کو بے قابو پاتے ہوئے بمشکل کہا۔

اسد نے اک عجیب سی بے قراری سے کہا۔ ''تم..... تم آگئیں..... طبیعت تو اب ٹھیک ہے نا۔''

انہوں نے ہاتھ بڑھایا بینا نے اپنا ٹھنڈا برف ایسا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ اسد نے یہ ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا..... پھر دوسرے ہاتھ سے آنکھوں پر سے عینک

نما پنی ہٹاتے ہوئے بولے۔ ''تم میری بصارت ہو..... میں سب سے پہلے تمہیں دیکھوں گا۔''

بینا کے ہوش و حواس زائل ہوتے جا رہے تھے۔ وہ بیڈ کے قریب گرنے کے انداز میں دوزانوں تھی اور اس کا ہاتھ اسد کے ہاتھ میں تھا۔

اسد نے آنکھوں سے پٹی نما عینک ہٹائی..... پھر آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔

بینا کا سر جھکتا جا رہا تھا۔

''جینی۔'' اس نے پکارا۔

''ت..... ت..... تم..... بینا۔'' اسد حیرانگی سے اسے تکتے ہوئے تند و تیز آواز میں ہکلاتے ہوئے بولے۔

بینا کا سر بالکل جھک گیا۔

''جینی کہاں ہے؟'' اسد کے لہجے میں تلخی تھی۔

وہ کچھ نہیں بولی۔

اسد نے اس کا ہاتھ اک جھٹکے سے پرے جھٹک دیا..... غرائے اور تیز آواز میں بولے۔ ''مجھے کبھی کبھی محسوس ہوتا تھا کہ تم جینی نہیں ہو..... تم مجھے دھوکہ دیتی رہیں..... تم..... تم جینی بن کر..... اوہ میرے خدا!''

بینا نے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیے..... اپنی چیخ کو روک لیا۔ وفاؤں اور خدمتوں کا یہ صلہ تھا..... وہ اٹھی اور بھاگتے ہوئے [illegible]

فاروق اس کے پیچھے لپکا۔

دو اندھا دھند بھاگتی گاڑی تک گئی..... اس کو گرد و پیش کا ہوش ہی کہاں تھا۔

فاروق نے اس کو تھام لیا..... وہ گر ہی جا رہی تھی۔ گاڑی کھول کر انہوں نے اسے پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔

وہ ہوش اور بے ہوشی کے بین بین تھی۔

فاروق اسے گھر لے آئے..... اور اس کے کمرے میں پہنچا دیا..... شکیلہ اور عزیز باہر گئے ہوئے تھے۔

بینا نے رو رو کر برا حال کر لیا..... فاروق عالم اضطراب میں ٹہلتے رہے۔ وہ بار بار

ایک ہی جملہ کہہ رہے تھے۔ ''عجیب آدمی ہے یہ.... اسد بھی۔''

دوسرے دن اسد گھر آ گئے..... شکیلہ اور عزیز نے بڑے تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا..... اور جتنی خوشیوں کا اظہار ممکن تھا کیا۔

''مینا کہاں ہیں؟'' اسد نے اپنے کمرے میں پہنچنے پر فاروق سے مسکرا کر پوچھا۔

''کل سے تمہاری جان کو رو رہی ہے۔'' فاروق جھلائے ہوئے تھے۔

اسد مسکرائے اور بولے۔ ''میں انہیں دیکھ سکتا ہوں۔''

''اپنے کمرے میں ہے..... تم۔''

''بس بس۔''

اسد مسکراتے ہوئے کمرے سے نکلے اور برابر والے کمرے میں آ گئے۔

مینا کھڑکی میں کھڑی باہر خلا میں تک رہی تھی۔ اس کے خوبصورت لمبے بال پشت پر پھیلے تھے..... اور کل والا ریشمی لباس ہی زیب تن تھا..... جو میلا تو نہیں مسلا ہوا ضرور تھا۔

اسد نے کمرے میں داخل ہو کر چند لمحے اسے دیکھا۔

وہ دنیا و مافیہا سے جیسے بے خبر کھڑی تھی۔

اسد ہولے ہولے چلتے اس کی پشت پر آ گئے..... گرینش براؤن خوبصورت سوٹ میں ان کا سراپا بے حد وجیہہ اور پروقار لگ رہا تھا۔ آنکھوں پر گہرے ڈارک گلاسز تھے۔

''مینا۔'' انہوں نے آہستگی سے پکارا۔

چونک کر مینا پلٹی..... اپنے سامنے اسد کو کھڑے پا کر اس کی حالت ایک بار پھر ناگفتہ بہ تھی۔

اور

شاید بھاگ جانے کے ارادے سے اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

اسد نے دونوں بازو پھیلا دیے۔ ان کے ہونٹوں پر بڑی پراسرار مسکراہٹ تھی۔

مینا نے پوری آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا..... آنکھیں جو متورم تھیں، سرخ تھیں..... اور تکان زدہ چہرے پر بڑی خوبصورتی سے نمایاں تھیں۔

''مینا۔'' اسد بے اختیارانہ آگے بڑھے۔

اور

بڑے والہانہ پن سے اسے بازوؤں میں بھر لیا۔ وہ بے حد مسرت سے ہنسے جا رہے تھے۔

مینا کچھ نہ سمجھ پائی۔ ان کے بازوؤں کی گرفت میں آ کر ابھی تیز ہنسی سے انہیں ہنسے گئی۔

''میری پگلی پگلی مینا۔'' اسد نے ایک بازو اس کی کمر اور دوسرا اس کے کندھے پر سے لے جاتے ہوئے اسے سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔

''اسد۔'' اس کے ہونٹوں سے صرف اسی قدر نکلا۔ وہ تو جیسے جاگتی کے عالم میں تھی۔

''بہت سادہ..... بہت معصوم۔'' اسد اس کے بالوں میں منہ چھپائے ہوئے بولے۔

مینا کا وجود سیال سی شے بنتا جا رہا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی ہمت ہی نہ رہی تھی۔

چند لمحے اسد اس کے بالوں میں منہ چھپائے رہے۔ پھر آہستگی سے اسے اپنے سینے سے الگ کیا۔ بازو اس کی کمر میں حمائل کیے کیے دوسرے ہاتھ سے اس کا چہرہ اونچا کرتے ہوئے مسکرا دیئے۔ ''کیا تم یہی سمجھ رہی ہو کہ میں تمہیں مینا نہیں جیتی سمجھتا رہا ہوں..... ہاں دن میں سو دفعہ تڑپا تھا..... لیکن پھر جان لیا تھا۔''

''کیسے؟'' بے اختیار اس کے ہونٹوں سے نکلا۔

''اندھا ہو کر ہی تو میں نے اصل روشنی پائی تھی مینا۔'' ان کی بھرائی۔ اسے پھر والہانہ شیفتگی سے لپٹاتے ہوئے بولے۔

''کھوئے کھرے کی پہچان آنکھیں کھو کر ہی پایا تھا میری جان۔''

''مجھے معاف کر دو..... مینا..... معاف کر دو۔''

اسد نے پھر اپنا چہرہ اس کے معطر بالوں میں چھپا لیا..... مینا سسکیوں اور ہچکیوں سے روتے ہوئے ان کے سینے میں سمائی جا رہی تھی..... دونوں بے حد جذباتی ہو رہے تھے۔

اور

باہر

فاروق شکیلہ اور عزیز احمد کو سارے ڈرامے کی تفصیل بتا رہے تھے۔ شکیلہ اس سے بڑی محظوظ ہو رہی تھی۔

''اسد شریر بھی ہیں۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''بے وقوف کہیں کا..... مجھے بھی اعتماد میں لے لیا تھا۔ میں بینا کو کچھ بھی تو نہ بتا سکتا تھا بیچاری لڑکی..... کل شام تو میں ڈر ہی گیا تھا..... کہ اسے کچھ ہو ہی نہ جائے۔''

شکیلہ ہنستے ہوئے بولی۔ ''آپ بینا کو بتا دیتے تو اتنے خوبصورت ڈرامے کا ڈراپ سین پھسپھسا سا ہو جاتا..... اب تو اسے آخر'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ فاروق اور عزیز بھی اس کی بات پر ہنس دیئے۔

○☆○